



( ) 1529





# انسان اور اسکی تقدیر

(ترجمہ)

## فیروز خان سکوتی

زندہ حق مالک مہربان تھی حرم بخش مالک مہتمم

۔ مالہ نوار الاسلام شہر سیالکوٹ نے

پہلے

مطبع مفید عام شہر سیالکوٹ میر

پہلے

۱۳۵۲ھ

مفید عام پریس شہر سیالکوٹ

# فیضانِ انوارِ اسلامیہ شہرِ پاکِ لاہور

مخت انیسویں کی بات ہو کہ ہندوستان میں آئیہ اور عیسائیوں کی طرف کوئی رسلے دلخباہی نہ تھا اور  
 دینِ جنس و نیا گہر و بہشت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بقدرِ مذہبِ انانیت و کثرتِ عبادتِ  
 مسلمان کا بدنِ تھراؤ تھا اور آئینہ نہیں خوں آتا تاہی ان رسالوں میں کچھ ایسا نہ تھا جو کچھ  
 انہی طرح چھڑا کر اسلام کو مشکاک و مہرہ ہوا تو میں ہندوستان میں کروڑوں مسلمان موجود ہیں یہاں  
 ایک نیا یا سابق بھی انہی طرف کو تامل نہ نہیں چھتیلے جو ان مخالفین کے دندانِ شکن ہوا ہے  
 اسلام و دین کے رٹ سے بچا ہے انسان کا حوصلہ بڑھتا ہے۔

کہتے ہیں کہ عیسائیوں کے دشمن کا بہت سا۔ دیر اسی ایک بات کو وصول ہو جاتا ہے کہ  
 اس عیسائیوں نے ایک وقت کی چادر میں بٹھا دانا چھڑو یا ہے۔ اور اسی ایک دفعہ کے بیٹے  
 بے خبروں۔ وہ پہلے روز جمع ہو جاتے ہیں جو وہ عیسائی مذہب اور عیسائی رسالوں کے شاعر  
 صرف کرنے میں اسلام جو خدائی اور پچاند مذہب ہو کہ اس کے کئی مسلمانوں کو اتنی غیرت بھی نہ  
 ہوتی پائے۔ ضرور ہونی چاہئے اور اسی غیرت نے ہمارا دامن پکڑا۔ کہ ہم یہ رسالہ نہالہ پرچہ  
 جس میں نور انشاں و خیر عیسائی اعتباروں اور یہ گزٹ وغیرہ آریہ کے اخباروں، مذہب  
 کے تمام اعتراضات بر منسل جو ب دیئے جاتے ہیں۔ اب بفضلِ خدا بجائے مارہری

## پندرہ روزہ

کر دیا ہے۔ ہر ایک مسلمان کا فرض ہو کہ اس رسالہ کو ضرور منگائے اور مطالعہ فرمائے حجم ۳۲ صفحہ  
 روزہ قیمت نہایت کم صرف دو روپے سالانہ جو موصود رکھ۔

نہ

رحیم بخش مالک و مہتمم سالہ انوارِ اسلامیہ شہرِ پاکِ لاہور

خدا کی قدرت و یکجہی تقدیر کا مسد جو اسلام کا اصل اصول ہے یہی مسند اسلام کی شان اور مذہبِ حق کی صداقت کا نشان تھا۔ مگر جو اہل کفر نے اسے کیا سمجھ لیا اور سیدھے مسد کو کیسا چھوڑ بنا دیا اسلام نے مسد اس لئے قائم کیا تھا کہ تمام دنیا خدا تعالیٰ کے مقدرہ قوانینِ اخلاقیہ سے آگاہی حاصل کر کے انکی طبیعت کی نگہداشت سے قائمہ اٹھائے سنن اچھی (قوانین اچھے) یزیدی (کوٹل اور اوٹ سمجھ کر) انکی مخالفت سے بچ کر انکے حواقب شیعہ روز تاجِ قدیر سے ڈرے لیکن تقدیر کے بارے لوگوں نے کیا سمجھ لیا انہوں نے تقدیر پر اپنی کو جبر کے مراد سمجھ کر خدا تعالیٰ کے دین زمین ارسال انبیاء و رسول شراغِ اہم سب کو فضول قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ کی محنتوں اور مصیحتوں کو تلف کیا۔ تقدیر جبری کے قابل ہو کر خدا کے قدوس پر اعتراف کا موقعہ دیا۔ امدی بن بیٹے خود بھی جنت ماری۔ اور دوسروں کو کاہلی اور سستی کی ہدایت کی۔ غیر قوم کو بھی اپنے اوپر مہربانیاں ظہور سے بھر ہو گئے۔ سلطنتِ کورہ۔ قوی ترقی پر پانی پھر دیا دس دینکے رہے نہ اس دینکے تدبیرات کو تقدیر کا مخالفت سمجھا۔ اچھا پاؤں لانے سے رہ گئے۔ زمین سوراندہ۔ زان سوراندہ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون حالانکہ اصلہ کا فرمان واجب الاذعان اتعواہ انزل الیکم من ربکم انسان کی کمرمت بندھوار اُسے و اتوا البیوت من الوابہا سنن ابھی کی تحریک شکاک پیر دی کی ہدایت کر رہے دین بیدار حدود اللہ فاولئک ہم الظالمین قوانینِ اہم کی مخالفت سے ڈر کر اُسے جبری جبر سوتا تو ان ہدایات کے ارشاد کی کیا ضرورت تھی؟ اسحضرت صا کا ارشاد میں وکل میس ملا خلق (۱) ہدایت کر رہے کہ ہر ایک شخص جبر امر کے لئے پیدا کیا گیا ہے وہ اس کے لئے آسمان ہو چکا ہے برابر شخص اس امر کے لئے پیدا کیا گیا ہے و مع تبرجہ قوانینِ قدرت کی طبیعت سے سوچ سمجھ کر اور جانچ نول کر کھائے وہی تقدیر ہے نہ پھر تو اسلام کا مسد تقدیر تمام ترقیوں کی بنیاد و ہدایات کا زینہ ہے تقدیر میں ہر ایک کا نام و آئین یزیدی کے موافق کرنے کی ہدایات کرتی ہے اسلئے علیٰ تدایر کھربان تو قوانینِ قدرت پر غور کر کے کیا میں ہیں۔ بنائی کرتی ہے خلق کی شقی تقدیر تقدیر برا۔ اللہ تعالیٰ نے جسے سید کی پھر اس کے لئے ایک نامناسب اندازہ نہیں دیا۔ وکل شقی عندہ بمقدار ہر شے کیلئے اس کے ال ایک پیمانہ اندازہ ہے اس پیمانہ اور اس اندازہ سے قدم باہر رکھا نہیں اور تقدیر کے پھر میں آئے نہیں مسلمانانِ مال کی تقدیر کے بگڑتہ سونیکا ہدایت ہی کے تقدیر کا سچا بیان نہیں انہوں نے تقدیر کو جبر کا روت سمجھا کہ امتِ آدمی کو صلہ جھوڑ دیا۔ اگر وہ تقدیر کے حقیقی معانی کو سمجھتے اس کے نفس الامری حقیقت پر غور کرتے تو کبھی ان کو یہ دلیل بخیر نصیب نہ ہوتے جو اجل و کمال کا مال ہو رہے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقدیر چاہا۔ بیان تھا۔ مگر انہوں نے بھی کمرمت بازہ ہار جو کچھ کیا سارے جہان پر غور ہے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تقدیر کا حال بیان رکھتے تھے مگر انہوں نے بھی جو کچھ کرتے دکھا اس صفاتِ عالم پر قائم اور خوشان سے تاریخ کے اوراق انکے کارناموں سے سنہری ہو گئے ہیں وہ ہم مسلمانوں نے تقدیر کا مفہوم کیا سمجھا کہ تمام فطری و باطنی و بیرونی اور دنیاوی ترقی اور علوم و فنون انہیں سے کوئی ملے اور جو قوانینِ ہادی دست لکھو اندہم سے مستفیض تھیں بات بات میں انکے دست لکھو محتاج ہو گئے۔

[illegible]

فہرست مضامین کتاب انسان اور اس کی تقدیر

نمبر شمار	نام مصنفین	صفحہ
۱	غلام احمد دہلوی	۱
۲	دہلوی کی اصیلت کی حقیقی مور کیا بن گیا	۲
۳	دہلوی کے اجداد کی بحث میں غلام احمد کی حقیقتیں اور خیمہ	۱۳-۵
۴	شاہن کبریا کی دن مور شاہ کی پیدائش میں	۱۴

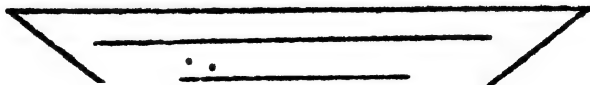


۳۸	مرنے پر انسان سے ساتھ کیا جاتا ہے	۱۰۵
۳۹	نور فطرت و بصیرت کی فطری سادہ حالت	۱۰۸
۴۰	انسان کا توحیدیت تربیت پذیر ہے	۱۱۶
۴۱	انسان اپنے ٹھکانے ہوئے نور کو کس طرح پاسکتا ہے	۱۱۸
۴۲	کیسی و ما کو اللہ تعالیٰ منظور کرتا ہے	۱۱۹
۴۳	مسئلہ تقدیر کا آغاز	۱۲۰
۴۴	تقدیر کے کیا معنی ہیں؟	۱۲۰
۴۵	انسانی تقدیر سے کیا مراد ہے؟	۱۲۲
۴۶	کیا خدا تعالیٰ کی تدبیر بدل ہی سکتی ہے؟	۱۲۳
۴۷	پھر یہ کیوں لکھا ہے کہ وہما تفسا کو دفع سر سستی ہے	۱۲۴
۴۸	تقدیر انہی کا منکر کا ہے	۱۲۵
۴۹	انسان کے اعمال کیا تقدیر انہی سے ہیں؟	۱۲۶
۵۰	حال انسانی کتنی قسم کے ہیں	۱۲۶
۵۱	شر کیا ہے	۱۲۶
۵۲	شرکت سے شروع ہوا	۱۲۶
۵۳	کیا شر مطلق دنیا میں کوئی شے ہے؟	۱۲۶
۵۴	کیا انسان کا خیر و شر خدا کی مشیت سے ہے	۱۲۷
۵۵	کیا انسان کے اعمال انسان ہی کے لکھے ہوئے ہیں	۱۲۸
۵۶	کیا انسان علی خود مختار اور آزاد مطلق ہے؟	۱۳۰
۵۷	پھر اللہ تعالیٰ نے اعمال انسانی کو اپنی طرف کیوں منسوب کیا	۱۳۱
۵۸	قرآن شریف سے اور چند مثالیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جبر علی انسان کے اعمال کا واسطہ کو اپنی طرف منسوب کیا ہے اس بیچ و نیا کے دور اعمال کو	۱۳۲
۵۹	قرآن اور حدیث میں اہل کفر کے لئے لکھا ہے کہ انسان کے اعمال کو لکھ رکھا ہے	۱۳۴
۶۰	اس کے مطابق ظہور میں آتا ہے کہ جبری تعلیم نہیں ہے؟	۱۳۸
۶۱	خدا تعالیٰ کی طرف توحید و شر کے منسوب ہونے کو کسی مثال سے واضح کرو	۱۳۸
۶۲	جب خدا نے انسان کو مجبور نہیں کیا تو پھر کیوں فرمایا۔ وقت کلمۃ ربکم لا صلیح	۱۳۹
۶۳	اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں فرمایا کہ تم نے بہت سے جن و انس جنہم کے لئے بنائے ہیں۔ قلنا	۱۴۰
۶۴	خدا ناہم جنہم کیلئے من الجن والانس کیا ہے جبری تعلیم نہیں؟	۱۴۱
۶۵	خدا تعالیٰ جو قرآن کریم میں لکھی جگہ فرماتا ہے کہ وہ جس کو چاہتا ہے راہ دکھاتا ہے جس کو چاہتا ہے ہدایت سے محروم رکھتا ہے جبکہ چاہتا ہے فساد کرے جس کو چاہتا ہے رحم کرے یا عذاب کرے	۱۴۱
۶۶	خدا تعالیٰ کے ہدایت دینے اور گمراہ کرنے کے کیا معنی ہیں	۱۴۲
۶۷	وہو مقدس سے اعمال و ہدایت الہی کی تشریح	۱۴۵
۶۸	مسیح عیسیٰ کا گمراہ ہونا بھی ایک قسم سزا کی ہے نہ کہ وہ یا خدا صاحب کے اقوال سے	۱۴۷
۶۹	مسیح عیسیٰ کی تشریح	۱۴۷
۷۰	توحید الہی اور خلائق الہی کے کیا معنی ہیں؟ نہ کہ وہ یا خدا صاحب کے اصل سے	۱۴۷





۱۶۱	آتشک زدہ لوگوں اور سودشی امراض والوں اور حدود انہی کے توڑنے	
۱۶۲	واپس لے کر تو گناہ کیا۔ لیکن انہی اولاد لے کر گناہ کیا۔ کہ انہیں بھی یہ امراض	۳۱۴
۱۶۳	سود والی طور پر چلے گئے۔ اندھے بہرے جو کسی نہ کسی طرح پر قانون قدرت کی خلاف	
۱۶۴	ورزی ہوئے کیونکہ جسے پیدا ہو گئے ہیں ان کو سواغندہ کرنا انصاف کہی نہیں	۳۱۵
۱۶۵	جن لوگوں کے پاس کتاب الہی یا احکام الہی نہیں پہنچے۔ ان کا کیا اثر ہوگا۔	۳۱۶
۱۶۶	برایں انسان عربی پر پہنچنے کے لئے پیدا کیا گیا تھا ہے۔	۳۱۸
۱۶۷	قمر عالم دلایا تعریف و تلامذہ	۳۱۹
۱۶۸	آزاد بخاری غلطی اور مخاطب کا نظارہ	۳۲۱
۱۶۹	نہایت یکھرام صاحب کے ثبوت تنازع کا جواب مولوی فہرذ الدین صاحب	۳۲۳
۱۷۰	مگر تنازع ٹھیک ہو تو سوائے اہل ماسخ کے دنیا میں اور کوئی شخص انسانی	
۱۷۱	قالب میں نہیں پایا جاتا ہے۔	۳۲۴
۱۷۲	تنازع کی سزا سے بچنے کی امن تجویز	۳۲۵
۱۷۳	سبھا اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے ایسے اصول و قواعد	
۱۷۴	بیان کئے ہیں جن سے انسان کی تقدیر یعنی اسی حیاتی و روحانی مدد و معاونت	
۱۷۵	حالت بہترین ہو سکے۔	۳۲۵
۱۷۶	ایہی جنت اور ایہی دوزخ	۳۲۸
۱۷۷	ایہی جہنم کی نسبت بعض علمائے اسلام کی رائے۔ جو زمین کو بشارت	۳۳۲
۱۷۸	کوئی ثبوت ہے جس سے معلوم ہو کہ قرآن شریف پر عمل کرنے سے	
۱۷۹	جائے نیک ملے گی۔ اور اس سے اخوات کرنے سے سزا سے بچے	۳۳۶
۱۸۰	کیا خدا تعالیٰ کے سوائے کوئی دوسری واجب ہستی ہو سکتی ہے	۳۳۷



محمد  
۱۹۵۸  
۱۹۶۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۱۲۷۹

## السان اور اس کی تقدیر

### شان الومیت

دین۔ انسان۔ سوچ۔ چاند۔ تامل اور ہر ایک چیز کے دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُن کا بنانے والا کوئی ضرور ہے۔ وہی خدا تعالیٰ ہے۔ اگرچہ وہ برتر ہستی آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتی۔ لیکن اُن کے ہونے میں کچھ بھی شبہ نہیں ہے۔ ولایت کی بنی ہوئی گھڑی کو جب دیکھتے ہیں تو گو اس کا بنانے والا آنکھوں کے سامنے موجود نہیں ہوتا۔ لیکن کوئی شخص اس بات سے انکار نہیں کر سکتا۔ کہ اُس کا بنانے والا کوئی ضرور ہے۔ ہر ایک شخص کے منہ سے بنائی والے کئے لئے ہے اختیار واہ واہ نکلتی ہے۔ جو دیکھتا ہے پکار اُٹھتا ہے کہ کیا یہی عقلمند کاری کر رہے ہیں جس نے ایسی عظیم گھڑی بنائی تو کیا یہ سارا جہاں ایک عظیم گھڑی نہیں ہے؟ جس کے سب کیل پڑے کس خبری سے جتے ہیں؟ سوچ چاند تامل پر نگاہ ڈالو۔ کوئی اُن میں سے اپنے خدعہ مقررہ بنے باہر نہیں جاتا۔ اگر اُنکا مدبہ کوئی خدعہ ہو تو یہ سب کچھ تمام مدبہ پر ہم ہو جاتے۔ ہر آدمی کی کئی اتنے بڑے عظیم الشان اندھے بھانڈے ہیں۔ جن کے ٹھوڑے سے بگاڑ سے ہم دنیا تمام ہو سکتی ہے۔ یہ کیسی قسمت حق ہے

کہ وہ آپس میں نہ ٹکرائے ہیں نہ بال بھر رفتار بدلتے ہیں۔ امد نہ اتنی  
 مدت تک کام دینے میں کچھ گھٹے امد نہ اُنکے نکل پڑوں میں کچھ  
 فرق آیا۔ موجد دیکھ وہ سب بے جان ہیں۔ امد کسی ایک کو اپنی ہستی  
 تک کی بھی خبر نہیں۔ تو بھی برابر اپنے اپنے مداروں اور راہوں  
 میں چلے جاتے ہیں۔ بس اگر سر پر کوئی محافظ نہیں تو کیونکر آنا بڑا کاغذ  
 بے شمار برسوں سے خود بخود چل رہا ہے۔ خدا جانے قددت کا کتنا بڑا  
 انجن ہے۔ اور کیسا بڑا زبردست ڈرائیو اس انجن کو چلا رہا ہے کہ ہزاروں  
 لاکھوں برسوں سے یہ نکل برابر چل رہی ہے اور اُس کے ریل پٹروں و سڑکوں  
 اور پتوں میں دخل نمایاں نہیں ہوا۔ نہ رفتار میں کچھ فرق آیا ۔

اگر انسان کچھ بھی عقل سے کام لے تو ہر جگہ ہر قدم پر خدا تعالیٰ کی  
 ہستی کے ثبوت پائے گا۔ باغ میں چلو اور پھولوں کی سیر کرو۔ اُس باحکمت کاریگر  
 نے ایک پھول کی پتیوں میں وہ وہ خوبیاں اور باریکیاں رکھی ہیں کہ اگر سارے  
 جہان کے دستکار جمع ہو کر ہزاروں سال کوشش کریں۔ تو ایک پتی ویسی نہ بنا  
 سکیں۔ کیا اس سے خدا تعالیٰ کی عظیم الشان قددت اور حکمت نظر نہیں  
 آتی؟ وہ دیوئوں جاؤ اپنے جسم ہی کی بناوٹ کی طرف غور کرو۔ اس سارے  
 جسم میں آنکھ کیسی پیاری چیز ہے۔ اُس بڑے ہرمان کاریگر نے اس لئے دو  
 آنکھیں بنائیں کہ اگر ایک پھوٹ جائے تو دوسری سے ہی کام چل جائے۔ آنکھوں  
 کو سر میں ایسی جگہ رکھا۔ کہ جہاں سے بہت آسانی اور آرام کے ساتھ سب  
 چیزوں کو دیکھ سکیں۔ اگر مان لیا جائے۔ کہ یہ آنکھیں سر کے اوپر ہوتیں تو کیسی  
 تکلیف ہوتی۔ بہت ٹھیک منہ کے پاس بنائی۔ اگر ہم کوئی مٹری ہوئی چیز کھانے  
 لگیں تو ایسی یہ بوجھ معلوم کر کے پینک دیں۔ اسی طرح اس جسم کے ہر جڑ بند  
 میں خود کیا تو ایسی مصلحتیں اور ایسی حکمتیں ہیں۔ جنکی تعریف نہیں ہو سکتی  
 کچھ دل کا آدمی ان کو دیکھ کر آپ سے آپ پکار اٹھتا ہے۔ کہ بے شک  
 خدا ہے اور ضرور ہے جس کی قددتوں کی یہ شان امد حکمتوں کی یہ شان  
 واقعی انسان خدا تعالیٰ کی قددت اور حکمت کا ایک بڑا عالی شان  
 نمونہ ہے۔ جس میں یہ قددت نے اپنی صنعت عالیہ کو سمائی تک پہنچا  
 دیا ہے۔ وہی انسان کے افلاک و مروجہ اس پر نظر ڈالو کہ یہ کیا

نفا اور بگیا سے کیا ہو گیا۔ اگر غور کرو تو قدرت نے بڑی ہی شان اور  
جلو گری کا اظہار کیا ہے کہ ایک قطرہ مٹی سے جو محض ناپاک تھا۔ اور  
جس کے نام لینے سے نفرت اور کراہت ہوتی ہے۔ حضرت انسان کو  
کس صناعتی کے ساتھ پیدا کیا۔ پہلے انسان مختلف غذا میں اور مختلف  
ترکابیاں کھاتا ہے جو مٹی سے بنیں۔ ان غذاؤں کا خلاصہ اور ست  
مٹی ہے جو خون سے پیدا ہوئی۔ اور مٹی رحم مادر میں جا کر پھر خون بن گئی اور  
اُس کے اثر نے حیض کے خون کو اپنی جانب کھینچنا شروع کیا۔ وہ خون جو  
اہوار عورت کے اندر سے جاری ہوتا تھا۔ اب وہ رحم میں جمع ہونی لگا۔  
اور جمع ہونے سے اس میں غلظت آگئی۔ فیصلہ ہو کر ہڈیاں گوشت کے ساتھ  
جنی شروع ہوئیں اور پھر ایک ہی چیز نہیں۔ صد چیزیں اپنے اپنے موقع پر اور  
کس خوبی کے ساتھ انہیں ناپاک اور حقیر چیزوں کی سیل سے بنیں۔ جن کے  
دیکھنے سے کراہت اور حقیقت پر غور کرنے نے نہایت ہی تعجب اور حیرت  
ہوتی ہے +

وہی مرد اور عورت کا خون ہے۔ جس سے ہڈیاں جدا بن رہی ہیں۔ بال  
علیحدہ۔ دانت۔ ناک۔ آنکھیں۔ کان۔ ہاتھ۔ پا۔ سر۔ ناخن وغیرہ اعضا و ظاہری  
اور اندونی اعضا۔ دل۔ دماغ اور جگر وغیرہ جدا بن رہے ہیں۔ اور پھر کشتہ  
جلدی کو نو مہینے میں یہ مضغہ گوشت اچھی طرح سے بن سنور کر دم کے دم  
میں سلامتی کے ساتھ صاف ستھرا عالم شہود میں جلوہ گر ہو گیا۔ اور تعالیٰ  
اپنی کلام پاک میں فرماتا ہے وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ طِينٍ ثُمَّ  
جَعَلْنَاهُ نَظْفًا فِى تَوَارِكِیْنِ ثُمَّ خَلَقْنَا النَّطْقَةَ عَلَیْهِ ثُمَّ خَلَقْنَا الْمَصْغَةَ  
فِى تَوَارِكِیْنِ ثُمَّ خَلَقْنَا النَّطْقَةَ عَلَیْهِ ثُمَّ خَلَقْنَا الْمَصْغَةَ عَلَیْهِ ثُمَّ خَلَقْنَا  
الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ طِينٍ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نَظْفًا فِى تَوَارِكِیْنِ ثُمَّ خَلَقْنَا  
النَّطْقَةَ عَلَیْهِ ثُمَّ خَلَقْنَا الْمَصْغَةَ عَلَیْهِ ثُمَّ خَلَقْنَا الْمَصْغَةَ عَلَیْهِ  
اللہ احسن الخالقین۔ اور ہم نے انسان کو مٹی کے ست سے بنایا۔ پھر ہم نے  
اسے ایک حفاظت کی جگہ (یعنی رحم) میں نطفہ بنا کر رکھا۔ پھر ہم نے نطفہ  
کو توڑ کر بنایا۔ پھر اس قطرے کو مضغہ بنایا۔ پھر ہم نے اس مضغہ کو ہڈیاں  
پہنائیں۔ پھر ہم نے ہڈیوں پر گوشت رکھا۔ پھر ہم نے اسکو اور ہی صفت شکل  
کا بنا دیا۔ سو خدا تعالیٰ جو تمام بننے والوں اور خوبصورت لائق و نگار  
کونے والا اور اعلیٰ درجہ کا صانع اور ظالم ہے۔ کیا ہی باہرکت ہے اور

الحمد لو اھل اعطایا + اس شور نے کیا فرا چھایا  
والفسکر لصالح البریۃ + جس نے ہمیں آدمی بنایا  
یا تو یہ حالت تھی کہ اس کی اصلیت (مسی) کو کوئی دیکھ بھی نہ سکتا تھا  
ہم لینے سے بھی مٹے آتی تھی۔ یا اب یہ کیفیت ہے کہ گود میں بیٹے میں چھو  
ہیں۔ چاہتے ہیں۔ آنکھوں سے لگاتے ہیں۔ اور یہ زندہ ہے۔ سب کو  
دیکھتا ہے۔ مگر ابھی مردے سے بڑا۔ نہ اس کو خبر ہے کہ میں کون ہوں۔ اور  
یہ کون لوگ ہیں جو جھکو آنکھوں پر لئے پھرتے ہیں۔ اور کہانی سے آیا ہوں  
اور کس حال میں تھا نہ اپنے جسم کی شدہ ہے نہ کسی چیز کی خبر نہ اٹھاؤں سے  
اٹھے نہ بٹھائے سے بیٹھے۔ دنیا میں آجئے مگر کسی کام کے نہیں۔ پھر جو اس  
بڑھنا اور نشو و نما پانا شروع کیا۔ تو اچھا تو ہی۔ نہ بدست۔ خوب بڑھنا۔ نہ بڑھنا  
ہو ان بن گیا +

اللہ اکبر۔ انسان کی اصل کیا تھی۔ ہانی کی ایک حقیر بوند۔ جسے دیکھ کر  
نفرت اور کراہت پیدا ہوتی تھی۔ اُس میں عقل۔ سعادت بقا و  
مرا۔ اقمہ۔ پانڈیاں۔ آنکھ۔ رنگ۔ پٹا۔ گوشت۔ ہڈی۔ پٹا۔ کھ نہ تھا بلکہ  
ایک ہی طرح کا سفید ہانی معلوم ہوتا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُسے بنایا  
اور کیا بنایا۔ کہ انسان کی عقل دگم ہوتی ہے اور بے اختیار بتا دیتا ہے  
احسن الخالقین پکارا جھکتی ہے۔ انسان کا ڈھانچہ جس رطل و اسلوب  
پر بنا ہے۔ اگر ساری دنیا کے مٹھا و فلاسفر اس کے برغلات اس سے بہتر  
سوچنا چاہیں۔ ہرگز ممکن نہیں۔ جس سے ظاہر ہے کہ اُس طاق عالم۔ حکیم و فیہ  
خدا کا علم کہاں تک وسیع اور علی کلاشی غلط ہے جو شخص بن سکتوں  
ہے جتنا زیادہ فکر کرے۔ اتنا ہی خدا کے علم کی کمالت اور وسعت سے  
شعور و حیران ہوتا ہے +

اس عالم کی کبریاں کائنات کا مالک و خالق و سرور ہے۔ اپنے بندے پر  
کمال کی حد تک مہربان ہے۔ جن چیز کی انسان کی ہمتی نہ تھی۔ جس کو وہ  
نہیں پہنچتا۔ کہ ان چیزوں کی اصل آج وہ بھی کہے۔ عطا توئی۔ اور  
ہر چیز کی آئے حاجت کی۔ وہ بھی رحمت توئی۔ مجھے اللہ۔ پاؤں  
ہانی آجئے عطا دین چوں کی نہ حاجت تھی نہ ضرورت۔ انسان سو صرف

سہولت اور زینت تھی۔ وہ بھی عطا فرمائیں۔ جیسے بالوں کی سیاہی۔ لبوں کی سرخی۔ بھوؤں کا خم۔ آنکھوں اور پھلوں کی ہمداری تاکہ بندہ نہایت خوبصورت اور سچیل معلوم ہو اور خدا تعالیٰ کی رحمانیت کا تقاضا دیکھو کہ صرف انسان بلکہ اونے ترین مخلوقات یہاں تک کہ بھنگا اور مکھی اور پھر تک کو جو جو چیز و کار تھی عطا فرمائی۔ الذی اعطى كل شئ خلقه مشأه۔ ہڈی وہی اللہ ہے جس نے ہر مخلوق کو دھماکے کی بناوٹ عطا فرمائی۔ پھر اُسکو ایک راہ پر لگادیا +

انسان کے بدن کی بناوٹ پر غور کرو۔ اس سے اُس عزیز و حکیم کی کیسی قدرت و حکمت ظاہر ہوتی ہے۔ بدن انسانی کی نظم و ترکیب و تقویم پر نور کی جائے تو انسان ہزار جان سے اپنے پیدا کرنے والے قادر کریم پر تمنا ہو ہو جاتا ہے۔ بدن انسانی کا ہر ایک حصہ کس طرح اپنے اپنے ٹکڑے پر لگا ہے۔ اور پھر کیا کیا کام دیتا ہے اور پھر اس ساری کل میں ایک پُرنہ بھی بیکار نہیں ہے اگر اس نظم و ترکیب میں ذرا سا بھی فرق ہو جائے تو نظام بدنی کی ساری کل گھٹی اور بے کل ہو جاتی ہے +

اب سارے بدن کا سواد متحرک ہے۔ جس میں عقل، ہوش، یکنو سو گھٹنے دھچکنے اور مزہ لینے کے اعضا بنے ہوئے ہیں۔ اور چہرہ جس پر انسان کی ساری خوبصورتی کا دار ہے۔ اُس میں لگا ہوا ہے۔ اور تعالےٰ نے اُسکو سبک اپنا بنایا اور پھر اُسکو گردن سے اس طرح جوڑا۔ کہ وہ آسانی پر طرت پھر سکتا ہے اور اس سے ہم جھٹ پٹ ہر طرف نگاہ دوٹا سکتے ہیں۔ اور اپنے سب کاموں کو بہ سہولت انجام دے سکتے ہیں۔ چہرہ کی طرت غور کرو۔ انسان کی پیشانی کیسی چمک رہی ہے۔ آنکھ۔ ناک۔ کان۔ منہ۔ زبانی اور تھوڑی کس حن اور انار سے بنائے گئے ہیں۔ پھر اس بات کی طرت غور کرو۔ کہ اگرچہ ہر ایک انسان کا چہرہ صرف دو چار حصوں سے بنا ہے اور وہ سب جھٹے ہر ایک انسان کے چہرہ میں سمجھو کہ کچھ خصوصیت رکھتی ہے۔ جس سے ہر ایک انسان صاف بُدا پہچانا جاتا ہے۔ ایسے وہ آدمی بھی نہیں ہیں۔ جو سب باتوں میں بالکل یکساں ہوں۔ ہر ایک آدمی کے چہرہ میں کچھ نہ کچھ نئی بات ہے۔ آواز میں فرق ہو۔ نقطہ

میں فوق ہے۔ تاک میں فرق ہے۔ آنکھوں میں فرق ہے۔ اور نہیں۔ تو  
 پیشانی ہی چوڑی یا تنگ ہے۔ یہ کس قدر خدا تعالیٰ کی عظیم اشان قدرت  
 و حکمت کا نشان ہے کہ صرف دو چار اعضا میں استعداد فرق کر دیا۔ کہ جس دن  
 سے دنیا پیدا ہوئی ہے اور جب تک دنیا قائم رہے گی۔ کروڑوں اربوں  
 آدمی پیدا ہوئے۔ اور اربوں کھربوں پیدا ہونگے۔ اسپر بھی ایک شخص کا  
 چہرہ دوسرے سے کیلئے نہیں ملتا۔ اور دیگر اعضاء بدنی میں بھی کچھ نہ کچھ  
 فرق ہے۔ اگر انسان الف قبیلہ طور پر آپ سے آپ پیدا ہونے ہوتے۔ تو  
 ایسے ہوتے جیسے ایک ہی قالب کی گولیاں یا ایک ہی ڈول کی بنیدیں۔ گر  
 نہیں حکیم برحق نے اپنے ارادہ خاص سے ہر ایک شخص کے چہرہ اور بدن  
 وغیرہ میں کچھ نہ کچھ انفراد رکھ دیا ہے جس سے اس کی عجیب حکمت الہیہ  
 کا پتہ ملتا ہے۔ اگر سب انسانوں کے چہرے یکساں ہوتے تو ان میں امتیاز  
 مشکل تھا۔ اس لئے حکمت الہیہ نے تشخصات انسانی میں امتیاز رکھ دیا ہے۔  
 گردن کی طرف منکھ ڈالو وہ سر کو کس طرح ہر طرف پھرا سکتی ہے اور آپ اُسی  
 جگہ پر قائم رہتی ہے۔ گردن سے کندھے کس طرح لمحتی کئے گئے ہیں۔ جن سے  
 پیہ اکرنے والے کی عجیب حکمت ٹپک رہی ہے۔ اور کندھے اس طرح بناؤ  
 گئے ہیں۔ کہ ان سے بہت طاقت حاصل ہوتی ہے۔ کندھوں میں باہیں لگائی  
 گئی ہیں اور باہوں میں ہاتھ اور انگلیوں میں پنجے لگائے گئے ہیں۔  
 جکی بناوٹ سے نہایت دانائی ظاہر ہو رہی ہے +  
 آدمی کی ہاتھ اور ہاتھ ان سب کاموں کے انجام کے لئے ہے۔ جو کہ  
 آدمی کو ہر روز کرنے پڑتے ہیں۔ اگر آدمی کا ہاتھ نہ ہوتا تو وہ نہایت ناچیز  
 ہوتا۔ جس شخص کا ایک ہاتھ بھی زخم سے یا کسی اور طرح سے جاتا رہے  
 یا سن ہو جائے۔ اس سے ہر ایک کام کا ہونا دشوار ہو جاتا ہے۔ اور اس کو  
 بہت سے کاموں میں غیر کی مدد درکار ہوتی ہے۔ آدمی کا ہاتھ عجیب غریب  
 بندوں کے سبب سے ایسا بنا ہوا ہے کہ وہ ہر طرف پھرا سکتا ہے۔ اور اونپر  
 نیچے کو بل جل سکتا ہے۔ اور انگلیاں ایسی بنائی گئی ہیں۔ کہ ان سے  
 سب چیزیں آسانی سے پکڑی جاسکتی ہیں۔ جیسے کاریگری کے ہتھیار۔ قلم  
 وغیرہ +

جہاں کرنا چاہتے کہ انگوٹھا بہت مضبوط اور دیگر انگلیوں سے جدا لگا ہوا ہے۔ اور اس بات سے ہاتھ کو بہت پکڑے دور اور قابو حاصل ہوتا ہے چار انگلیاں انگوٹھے سے کسی قدر فاصلہ پر ہیں۔ انگوٹھا ہر انگلی کے ساتھ لگا کر کام کرتا ہے۔ اور سب انگلیوں پر پھرتا ہے۔ انگلیوں میں تین تین ریشے مگر ہیں ایسی بنائی ہیں کہ کوئی اگر چاہے تو ہاتھ کا آجورا بنالے چاہے ٹمشی بند کر کے گھوسا بنالے اور گھوسے اپنا اوزار بنا کر بے دریغ دشمن پر چلائے خواہ ٹمشی کھول کر تشتری بنالے۔ خواہ دونوں ہاتھوں کو ملا کر ایک بڑا مطابق بنالے اور جس کام میں چاہے لائے۔ اگر سارے جہان کے حکماء اس وضع کے خلاف اس سے بہتر کوئی نئی وضع تجویز کرنا چاہیں۔ ممکن نہیں مثلاً یہ کہ سب انگلیاں ایک ہی انداز کی ہوں۔ یا تین ایک طرف اور دو ایک جانب ہوں۔ یا پانچ کی جگہ چھ یا چار ہوں۔ یا تین گروہوں کے بدلے دو دو گریں یا چار چار ہوں۔ ان میں جو باتیں سوچیں اور کہیں سب ناقص ہیں۔ اور جس انداز پر خداوند کریم نے پیدا کیا ہے وہی سب سے اچھی اور احسن تقویم ہے +

ایسا ہی انسان کے پاؤں اور ٹانگیں خدا کی حکمت کو ظاہر کرتی ہیں چونکہ وہ بدن انسان کے سہارے کے لئے بمنزلہ ستون ہیں۔ اس لئے ایسی مضبوط اور طاقتور بنائی گئی ہیں کہ وہ بدن کے بوجھ کو ٹھام سکتی ہیں۔ اور بندوں سے ایسی عکبانہ ترتیب سے جڑی ہوتی ہیں۔ اور ان میں اس طرح کے پٹھے ہیں۔ کہ آدمی کو چلنے پھرنے کی طاقت بلا دقت و تھکات کی حاصل ہے۔ اگر پاؤں بھی ہاتھ کی طرح نازک نرم اور ہلکے بنے ہوتے۔ تو انسان تھوڑی مدت تک بھی یہ مشکل چل سکتا۔ پاؤں کی ہڈیاں قدرت نے ایسی مضبوط بنائی ہیں اور اس کا چمڑا بھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ آدمی خوب چلی پھر سکتا ہے۔ پھر دیکھو باوجود ایسی صنعت عجیب کے ٹانگیں اور پاؤں خوبصورت کیسے ہیں۔ رانوں سے نیکر پاؤں تک کے حصہ پر غور کرو۔ خوب صورتی۔ مضبوطی۔ عجیب صنعت میں کیا خان رکھتے ہیں۔ ران گھٹنے۔ پٹلی۔ ٹخنہ۔ پیر۔ اڑھی۔ تلوے اور انگلیوں کی بناوٹ اور خوبصورتی کی طرف ایک ایک نگاہ ڈالو۔ صنایع حقیقی کی صنعت کو کس طرح یہ دولا رہی ہیں



اب پھر سر کی طرف آؤ۔ اور ذرا انسان کے دماغ کی بناوٹ پر جو اللہ نے اُس کے سر میں رکھا ہے غور کرو۔ حکمت الہیہ نے دماغ میں کتنے عجائبات صنعت رکھے ہیں۔ کہ اُس حکیم مطلق کی عین مدِ عین قدرت اور حکمت کا پتہ بتاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پانچ حواس ظاہری عطا فرمائے جو گویا علم کے پانچ دروازے یا پانچ ہرکارے ہیں۔ یعنی باصرہ سامع شامہ ذائقہ۔ لامسہ ان حواسوں کے مقام۔ آکھ۔ کان۔ ناک۔ زبان و انگلی کے پردے اور جلد بدن ہیں۔ ان اعضا سے اعصاب پھیلتے ہیں۔ جو دماغ میں جا کر فہمی ہوتے ہیں۔ اور تادبرتی کی طرح علی الفور ہر شے کی آواز۔ بو۔ رنگ۔ مزے وغیرہ سے دماغ کو متاثر کر دیتے ہیں۔ دماغ آگے اُسے روح انسانی کے آگے عرض کرتا ہے اور روح انسانی اس کیفیت کے باعث کو خود معلوم کر لیتا ہے۔ اپنی حواس خمسہ سے ابتدائی حقایق نفس کو معلوم ہونے میں۔ جس پر آئندہ کی تمام معلومات کا دار مدار ہے۔ اپنی دروازوں سے وہ بنیاد کے پتھر نفس میں پہنچتے ہیں۔ جن پر عقل اپنی عالی خان ابرار کی بنیاد رکھتی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے دماغ کو پانچ حواس باطنی عطا فرمائے ہیں۔ جن میں سے ایک حس مشترک ہے یعنی حواس خمسہ کے ادراکات کا میڈ کو اثر جہاں حواس خمسہ ظاہری کے سارے محسوسات پہنچتے ہیں۔ پھر ایک قوت خیال ہے جو ان صور محسوسہ کو جسے حس مشترک نے ادراک کیا ہے۔ بعد غائب ہو کر ان صور تخیل کے اپنے اندر نگاہ رکھتی ہے اور حس مشترک کا خزانہ ہے۔ پھر ایک قوت واہمہ ہے جو صور محسوسہ سے معانی جزئہ کو الٹا کرتی ہے اور ایک قوت حافظہ ہے کہ وہم نے جن معانی کو ادراک کیا ہے ان کو نگاہ رکھتی ہے۔ اور یہ قوت گویا واہمہ کا خزانہ ہے جس طرح خیال حس مشترک کا ہے۔ پھر ایک قوت منتقلیہ ہے جو ان صور محسوسہ اور ان کے معانی جزئیہ میں تصرف کرتی ہے۔

اب انسان کی آنکھوں کو دیکھو حکمت الہیہ نے انہیں کس صنعت و لطافت سے بنایا ہے۔ آنکھ سے نازک اور نرم جیسی چیز ہے اس کی حفاظت کے واسطے قدرت نے کچھ ایسا ہی بنایا ہے۔ آنکھ کی بیرونی بنیاد

کیسی عجیب ہے آنکھ کے ڈھیلے کو مضبوط ڈھری کے نخل میں کھوپری سے  
 وٹھوڑنی دور اند تک رکھا ہے اس وجہ سے اُسے جلد صدمہ نہیں پہنچ  
 سکتا۔ اگر انسان کا چہرہ کسی سخت چیز سے ٹکرا جائے۔ تاہم آنکھوں کو اللہ  
 گڑھے میں ہونے کی وجہ سے ضرر نہیں پہنچتا۔ بھوؤں کے ہونے سے آنکھ  
 کی سجاوٹ اور حفاظت ہے اور پلکوں سے روشنی کی چمک اور آؤ چیزیں  
 جو آنکھ کو نقصان دینے والی ہوں اندر نہیں جاسکتیں۔ اور پلکے بالوں کی  
 بھی یہی فائدہ ہے اور انکے سوا آنکھ میں گرو عبار نہیں جاسکتا۔  
 اب اندرونی بناوٹ کی طرف غور کرو۔ اللہ تعالیٰ نے آنکھ کو کئی پرصوں

سے بنایا ہے اور وہ سب پرصے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ان میں سے  
 اگر ایک بھی کم ہو تو انسان کے دیکھنے میں خلل آجائے۔ آنکھ کے پٹے اس طرح  
 سے لگائے گئے ہیں کہ آنکھ ہر طرف پھر سکے۔ باہر کی چیزیں آنکھ کے وسیلے  
 سے اس طرح دکھائی دیتی ہیں کہ روشنی کی کئی پہلی جھلی پر گرتی ہیں اور اُسکے  
 گول ہونے سے وے کرتیں بھی ایک ہی مقام پر مل جاتی ہیں۔ اور آنکھ کی  
 پہلی رطوبت اور پتلی میں گذر کر دوسری رطوبت میں اور زیادہ پاس پاس  
 مل جاتی ہیں۔ اور اس حالت میں وے کرئیں تیسری رطوبت میں گھس کر  
 چومنی جھلی میں جو کہ آنکھ کے پچھلائی ہے گرتی ہے اور دواں باہر  
 کی چیزوں کا نقش ہوتا ہے۔ کہ جس کی مینائی کی نس کے وسیلے سے  
 مغز اور دل کو خبر ہوتی ہے۔

**انسان کے کان کی بناوٹ بھی بڑی عجیب ہے۔** اگر آنکھ  
 جیسی صفت اس میں نہیں۔ مگر پھر بھی جس کام کے لئے بنایا گیا ہے اُسکا  
 کے واسطے وہ آنکھ کی مانند موزوں ہے۔ کان کے ایسے مرقعہ پر لگنے سے  
 بڑی صحت معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ مغز کے قریب ہے۔ جہاں کہ وہ اس  
 کے ذریعہ سے سب باتوں کی خبر پہنچتی ہے۔ کان کی بیرونی بناوٹ پر غور  
 کرنا چاہئے۔ جس چیز سے کان جابجا ہے۔ وہ چیز نہ تو گوشت کے برابر نرم  
 اور نہ ہڈی کی مانند سخت ہے۔ اگر کان گوشت کی طرح نرم یا ہڈی کی مانند  
 سخت ہوتا تو جس کام کے لئے بنا ہے اُس کام کے لئے موزوں نہ ہوتا  
 کان گر کر بنا ہوتا ہے اور وہ اس مقدار کا مڑا ہوا اور صحت اور صاف

ہوتا ہے کہ آواز کو پہنچے۔ کیونکہ آواز کان میں ہوا کی لرزشی حرکت کی وجہ سے پہنچتی ہے کان کے باہر کے حصہ کا یہ بڑا کام ہے کہ وہ ہوا کی تھوڑی سی لہر کو کان کے سوراخ میں لے جاوے اور اُس کے لئے یہی شکل موزوں تھی۔ کان کی اندرونی بناوٹ اس سے بھی عجیب تر ہے۔ کان کے اندر ایک سوراخ ہوتا ہے۔ اُس سوراخ کے منہ پر بال بوتے میں جیگی دھڑ سے کیرٹی اور گرد کے بڑے کان کے اندر نہیں جاسکتے۔ اس سوراخ سے ایک جھلی لگی ہوتی ہے جو دھول کی شکل سے بہت کچھ ملتی ہے۔ کیونکہ وہاں ایک ہڈی کا حلقہ ہوتا ہے۔ جسپر کہ وہ جھلی پھیلی ہوئی ہے۔ اندر کی طرف اس جھلی سے ایک چھوٹی ہڈی ملی ہوئی ہوتی ہے۔ جب کہ ہوا کے تھر تھرانے کا اثر جھلی تک پہنچتا ہے تب وہ اُس ہڈی پر لگتی ہے۔ جھلی سے دو پیچھے لے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایک پٹھا جھلی کو تنگ کر کے اُسے ہلکی اور ملایم آواز سے اثر پانے کے موافق کر دیتا ہے۔ اور دوسرا پٹھا جھلی کو ڈھیلا کر دیتا ہے اور اس سبب وہ جھلی زور کی آواز سن سکتی ہے۔ اس ہڈی کے علاوہ اور چھوٹی چھوٹی ہڈیاں ہوتی ہیں۔ اور اُن کے ہونے سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ وہ جھلی سے آواز کو لے جاتی ہیں۔ اس کے بعد ایک سوراخ ہے جس کی صورت ایک گھونگے کے پھلکے سے ملتی ہے۔ کیونکہ وہ پیچھا ہوتا ہے اور سب سے پیچھے سننے کی سن ہوتی ہے۔ جو کہ مغز میں جاملتی ہے۔

انسان جب بوتا ہے تو اُسکا اثر ہوا پر پہنچتا ہے۔ ہوا بذریعہ عمومی حرکت کے وہ اثر کان تک پہنچا دیتی ہے۔ اس سبب سے وہ جھلی جو کہ دھول کی صورت سے ملتی ہے ہلنے لگتی ہے۔ اور پھر یہ حرکت اُس ہڈی کو پہنچتی ہے جو کہ جھلی کے پیچھے ہوتی ہے اور پھر اُن ہڈیوں میں پہنچتی ہے اور پھر اُن کے ذریعہ سے مغز اور من تک خبر ہوتی ہے اور جتنے زور سے کہ وہ تھر تھراہٹ بذریعہ ہوا کے کان میں پہنچتی ہے۔ اُسے ہی زور سے آواز سننی جاتی ہے۔

نامک بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت کا ایک عجیب نمونہ ہے جس شخص کو نامک نہ ہو۔ وہ کیسا سکھتا اور بہ صورت معلوم ہوتا ہے۔ نامک نقصانی کی حکمت کے ساتھ بنائے گئے ہیں۔ کہ اُن کے وسیلہ سے انسان خوشبو اور

بدبو کو فوراً محسوس کر سکتا ہے۔ قسم قسم کی خوشبودار چیزوں کا لطف تاک  
ہی ہے دماغ انسانی کو حاصل ہوتا ہے +

منہ کی طرف نگاہ ڈالو تاکہ اندھوڑی کے بیج میں کس خوشنما انداز  
سے رکھا گیا ہے۔ دہلو خوشنما ہونٹوں کی طرف نگاہ ڈالو۔ کیا مڑنا سکتے  
ہیں۔ منہ کے دروازے کے گویا کواڑ ہیں۔ ہونٹ بولنے کے وقت کیسا  
کام دیتے ہیں +

چھڑوں کو دیکھو ایک اوپر ہے ایک نیچے۔ صرف نیچے کا جڑا حرکت  
کرتا ہے۔ ایک اوپر ہے جس کی وجہ سے بیج کے دانست چیزوں کو کاٹ  
سکتے ہیں۔ دوسرے ادھر ادھر۔ اس حرکت کے سبب ڈاڑھیں خولک  
کو پیس سکتی ہیں +

تیریاں کو دیکھو اللہ تعالیٰ نے کیسی کھردری۔ ملائم اندھ لچکدار پیدا  
کی ہر طرف مڑ سکتی ہے۔ سب طرف حرکت کرتی ہے۔ اپنے کام کے لئے  
کیسی موزوں ہے بولنے میں بھی کام دیتی ہے اور کھانے پینے میں بھی +  
تالو منہ کی گویا چھت ہے۔ خوب سخت باہر گوشت آور اندھڑی  
اپنے کام کے لئے نہایت موزوں +

رخصساروں کی طرف نگاہ ڈالو دونوں طرف گویا منہ کی دو دیواریں  
نہایت نرم پھول کی پتیوں کو اتارنے والے۔ اور نہایت خوبصورت  
اور خوشنما جو چہرہ کو چمکا دیتے ہیں +

دانتوں کی صورت جو بالکل موجود ہے وہ دیکھنے اور غور کرنے  
کے قابل ہے سامنے کے دانت تیز منائے گئے ہیں۔ تاکہ کھانے کی چیز کو  
کاٹ کر دلدی کر دیں۔ پھر کھانے کی چیز کو مہین کر کے لئے اندھوڑی  
ساتھ ساتھ لٹکائے گئے۔ دانتوں کے قریب زبان پسنداری کو آجڑو  
کی شکل ہے۔ کہ اچھ پکی میں ڈالتی ہے۔ اندھوڑوں کو زبان کے نیچے ہے عیس  
بنانے والے اندھ پانی چھڑکھنے والے کی مانند ہے۔ کہ جس وقت جتنا  
پانی چاہئے۔ پانی بہا کر کھانے کو ترک کے حل کے نیچے سے آدھے تاکہ کھانے  
مطلق میں نہ اٹکے۔ دانت کھانے پینے میں بھی کام آتے ہیں۔ بولنے  
میں بھی آواز کو سُر ملا کرتے ہیں۔ ہر دانتوں کی خوبصورتی کو دیکھو۔ گویا

موتیوں کی دو خوبصورت لڑیاں منہ میں رکھ دی گئی ہیں۔ اس غنیمت کے خلاف اور کوئی شکل جو اس سے بہتر ہو۔ ساری دنیا کے غنیمت اور فلاسفہ لکھ نہیں سکتے۔

پھر دل کی طرف آؤ۔ کہ یہی حضرت ساری دنیا کے بادشاہ ہیں۔ بدن انسان اپنی کی ملکیت ہے۔ انہی کے وجود سے یہ ملکیت قائم ہے یہی حرارت غریبی کا منبع اور روح حیوانی کا مقام ہے۔ جن سارے بدن کو قبضہ زندگی پہنچتا ہے۔ انسان کی سعادت یا شقاوت اپنی حضرت پر موقوف ہے۔ معرفت الہی اپنی کا کام ہے۔ تصور ذات الہی باوجود اس کے بے حدود ہے پائان ہونے کے اپنی کا کام ہے۔

ارض و سما کہیں تیری وسعت کو پاسکے

بیراہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

انسان کے دل کو دیکھو۔ اندر تعالیٰ نے کس خوبی کے ساتھ اُسے بنایا ہے۔ اس کی شکل صفا و دم نہایت۔ اور باہر کی طرف اس کے دو حصے ہیں ایک حصہ جو کہ اوپر ہے رگوں سے ملا ہے اور دوسرا حصہ بائیں پستی کی طرف جھکا ہے اور اُس پر چڑھتا رہتا ہے۔ اندر کی طرف دل میں دو قسم کے خول یا خانے ہیں۔ جہاں سے کہ رگیں بدن کے حصوں میں خون لے جاتی ہیں۔ ایک قسم کے خانے خاص دل میں ہیں۔ ان میں سے ہر ایک خانہ دوسری قسم کے خالوں میں سے اپنے والے سے ملا ہوا ہے۔ دائرہ اوپر والے خانے میں۔ ایک بڑی رگ کے وسیلے سے سرور بدن کے اوپر کے حصوں میں سے خون آتا ہے۔ اور اسی طرح سے اس میں خون بدن کے نیچے کے حصوں میں سے رگوں کے وسیلے سے پھیلتا آتا ہے یہ رگیں ایک رگ میں خون جمع کرتی رہتی ہیں۔ اور وہ رگ اس خانہ سے ملی ہوئی ہے۔ اور یہ خانہ جب کہ خون سے خوب بھر جاتا ہے تب سُکھ جاتا ہے اور اس کی سُکھنے کی حرکت سے سارا خون نیچے والے خانے میں چلا جاتا ہے۔ اور یہ خانہ بھی سُکھ جاتا ہے اور خون کو ایک اور رگ میں پہنچاتا ہے۔ جو خون کو پھیپھڑے میں لیجاتی ہے

ہاں خون تبدیل پاتا ہے اور پھر رگوں کے وسیلے سے اوپر والے باہنے خانہ میں  
جاتا ہے اور وہاں سے نیچے والے باہنے خانہ میں آتا ہے اور اُسکے سکڑنے سے  
وہ ایک اور رگ میں چلا جاتا ہے اور اُسکے پھیلنے سے پھر بدن کے تمام  
عضوں میں پہنچتا ہے۔ وہاں سے اوپر والے باہنے خانہ میں پھر چلا جاتا ہے  
اسی طرح سے خون ہمیشہ پھرتا رہتا ہے۔ جیتے جی نہ دل کا دھڑکنا بند ہوتا ہے  
اور نہ اس خون کا دورہ تندرستی کی حالت میں دل ایک منٹ میں شروع  
سکڑتا ہے اور ہر دفعہ ایک چھٹانک خون آگے کی طرف دوڑ جاتا ہے +

دل میں بہت سی عجیب باتیں ہیں۔ اور اُس کی بناوٹ اور طاقت کی  
تعریف کرنے وقت ضرور اُس ذات کی محنت میں غور کرنا چاہئے جس نے دل کو  
بنایا۔ جس وقت دل کا دھڑکنا بند ہو جاتا ہے۔ خون کا پھرنابھی رک جاتا ہے۔  
اور خلقت بدن کے تمام کام بند ہو جاتے ہیں۔ اور یہ کارخانہ جس وحکت سے  
رکھ رکھنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ دل کے قریب ہی معدہ و جگر ہیں۔ معدہ اس لئے  
بنایا۔ کہ جو غذا معدوم کے ذریعہ سے اُس میں پہنچے اپنی گرمی سے اُسے پکاؤ +  
جگر اس لئے بنا ہے کہ معدہ سے جو غذائے منہضہ اُس میں پہنچے۔ ان سے  
ایک انداز پر خون کے جگر کا کرسے کہ وہ اعضا کی غذا کے قابل ہو +

تلی، اس لئے بنتی ہے کہ جگر میں پکے ہوئے خون کے نیچے جو پھٹ رہ جاتا  
ہے وہ پھٹ مائیدی کے کھرچن کی مانند سودا ہو جاتا ہے۔ اُسے جگر سے  
لے لے +

پتا اس لئے ہے کہ جگر میں پکی ہوئی غذا کے اوپر جو زرد زرد پھین ہوتا ہے  
جسے صفرا کہتے ہیں اُسے خون پر سے کھینچ لے۔ اور جب خون جگر کے باہر  
نکلتا ہے پتلا اور بے قوام ہوتا ہے +

گر وہ اس لئے ہے کہ پانی کو لوہے سے کھینچ لے تاکہ بغیر سودا اور صفرا کے  
قوام ہو کر خون خالص رگوں میں جلے۔ اگرچے پر کچھ آفت پہنچ جائے تو  
صفرا خون میں رہ جاتا ہے۔ اور صفرا وی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اگر تلی میں  
کچھ خلل ہوتا ہے تو سودا خون میں ملا رہ جاتا ہے اور سودا وی بیماریاں پیدا  
ہو جاتی ہیں۔ اگر گڑھے کو کچھ آفت پہنچ جائے تو خون میں پاتی رہ جاتا ہے  
اور اسکی سفاکی بیاہی پیدا ہو جاتی ہے +

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کے ظاہری و باطنی اعضا میں سے ہر ایک کو ایک ایک کام کے لئے پیدا کیا ہے کہ بغیر اسکے بدن کی کئی ٹھیک نہیں چل سکتی۔ سچ ہے من عرف نفسه فقد عرف ربه جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا گویا خدا کو پہچان لیا۔

پس دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کس حکمت و صنعت سے پیدا کیا انسان کی بناوٹ میں اللہ تعالیٰ کی کیسی شان و حکمت چمک رہی ہے کہ دیکھنے والا بے اختیار فتنارک اللہ احسن الخالقین پکار اُٹھتا ہے۔ اپر اللہ تعالیٰ کی بے نیازی اور استغنا کی شان کو دیکھو کہ ایسے پر صنعت و حکمت مخلوق کو آن کی آن میں فنا کر دیتا ہے۔ پھر چراغ لے کر دھندلے سے کہیں اُسکا پتہ نہیں آوی کامنا سچ پوچھو تو نہایت ہی خوفناک اور جبرست انگیز ہے کہ ابھی چلتا پھرتا سنتا بولتا۔ سمجھتا پتیا خوشیاں کر رہا تھا۔ یکایک ایسا ساکن اور بیہوش ہو گیا۔ کہ کسی بات کی خبر نہیں۔ سب اُسکی خاطر دتے ہیں۔ پیٹتے ہیں چلاقی ہیں۔ کسی کی آواز نہیں سنتا۔ یا تو ایک پتے کے کھرکے سے چونک پڑتا تھا یا اب ایسا بے حس و حرکت پڑا ہے کہ بجلی کا کرکنا ہو تب بھی اُسے خبر نہ ہو۔ اس سے جبرست انگیز تو نہ خدا تعالیٰ کی شان بکراٹی کا دن اور رات ہو کہ جس وقت دن ہوتا ہے تو یہ کیفیت ہوتی ہے کہ تاریکی کا نام نہیں بتاتا تمام عالم ایسا روشن ہو جاتا ہے کہ غور کرنے سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اب یہ روشنی کہیں جاسکتی ہے؟ لیکن چار پہر کے بعد وہ کالی رات ڈراونی یکایک آجاتی ہے کہ دن کی روشنی کا نشان تک باقی نہیں رہتا وَاِنَّهُمْ لَللَّیْلِ نَسْلَخُ مِنْهُ الْمَهَادَ اِذَا ذَا هُم مَّظْلُوْنَ۔

یا تو تمام دنیا میں اُجالا اندھیل پھل ہو رہی تھی اور سب آدمی چرند پرند وغیرہ اُچھل کود رہے تھے یا اب ایک شائے کا عالم چھایا ہوا ہو اور تمام دنیا میں اندھیر پڑا ہوا ہے گویا کہ کوئی عالم میں نہیں ہے۔ اور دنیا بالکل برباد اور ایک اجڑا جہان ہے۔

اُسوقت ایسی حالت ہوتی ہے کہ یہ خیال بھی نہیں ہوتا کہ اب عالم میں پھر ویسی ہی چمک دکھ ہو جائے گی اور وہی بہار آمد وہی مدنی وقت از سر نو پھر آجائے گی لیکن دس بارہ گھنٹہ کے بعد ایک مٹی حالت پست

جاتی ہے نہ تمام دنیا مردہ پڑی تھی۔ یا اب سب جگہ نور کا عالم اور حیوان چرند پرند  
ایک شور و غل کر رہے ہیں۔ گویا ابھی زندہ ہوئے ہیں۔

یہ طلسم پُر حیرت پُر رور آنکھوں کے سامنے نظر آتا ہے اور یہ تماشاؤں  
عجیب جو ہر روز دیکھا جاتا ہے واقعی دانشمندوں کے لئے بڑا غور کے قابل  
اور قدرت الہی کا ایک عجیب نشان ہے ان فی خلق السموات والارض  
واختلاف الليل والنهار الايات لا اولى الا للباب +

انسان کا یہ ایک فطرتی خاصہ ہے کہ جس شے کو وہ ہر روز اپنی نظر  
سے دیکھتا ہے اُس سے تعجب نہیں ہوتا اور نہ اُس پر حیرت کی نگاہ ڈالتا  
ہے۔ کیسا ہی قدرت کا کرشمہ ہو۔ اُس کے ہر قدرت دیکھنے سے ایک معمولی بات  
ہو جاتی ہے۔ ورنہ دنیا کا ذرہ ذرہ۔ اور بات بات قدرت الہی کا ایک  
زبردست نشان ہے وکائن من ایتۃ فی السموات والارض میرون  
علیہا وھم عنہا معرضون اور آسمان و زمین میں پیٹیرے ہی نشان  
ہیں جن پر وہ گذرتے ہیں اور اُن سے منہ پھیر جاتے ہیں +

ہماری عادت یہی واقعہ ہوئی ہے کہ ایک نقش کے دیکھنے سے فوراً  
نقش کا ایک صنعت کے دیکھنے سے ملے القور صانع کا خیال یقین کے  
ساتھ ہمارے دل میں آ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جس نے اس عالم متغیر یعنی  
انسان کو اس صنعت اور حکمت کے ساتھ بنایا۔ جس میں قدرت کے  
بے انتہا نشان اور خدا تعالیٰ کی صنعت کی اعلیٰ درجہ کی شان جلوہ گر ہے  
اُس احسن الخالقین عزیز و حکیم کی فوق العوق صنعت و حکمت پر واقعی  
دلیل یقین اور ثبوت یہی ہے +

اب عالم کبیر کی طرف ایک نگاہ ڈالو اور غور کرو۔ اللہ تعالیٰ تو انشا  
میں فرماتا ہے ان فی خلق السموات والارض واختلاف الليل والنهار الايات  
لاولى الا للباب ۱، الذین یدکرون اللہ قیاماً و قعوداً و علی جنوبہم و  
تیمکون فی خلق السموات والارض۔ دنیا ما خلقت هذا باطلا سجاتک  
فقدنا عذاب النار۔ قیاماً آسمان و زمین کی پیدا یں اور دن رات کے اوتارنے  
کے لئے میں دانشمندوں کے لئے بڑے زبردست نشان قدرت ہیں



جو خدا کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹوں پر لیٹے یا دو کرتے ہیں۔ اور آسمانی اور زمین کی پیدائش میں غور کرنے ہیں اور آخر کار اس نتیجہ پر پہنچ جاتی ہیں کہ مزدور اُن کا کوئی نہ کوئی عظیم الشان خالق ہے۔ جس نے اس خوبی اور محنت کے ساتھ ان چیزوں کو بنایا ہے اور بے اختیار پکار اُٹھتے ہیں۔ کہ اوپر وہ لوگ ان میں سے تو نے کوئی چیز بھی بے فائدہ اور فضول پیدا نہیں کی۔ ہر ایک چیز کی پیدائش کسی نہ کسی محنت پر مبنی ہے۔ تیری ذات لغو بات سے پاک ہے۔ تو نے ہر ایک بات میں محنت رکھی ہے۔ پس کہو ایسے خیالات سے بچا۔ کہ ہم تیری نعمتوں اور محنتوں کو فضول سمجھیں۔ ورجنہم کی آگ کے متھن بنیں +

درا خدا تعالیٰ کی عظمت شان اور قدرت عالیہ پر غور کرو۔ سورج ہماری زمین سے ساڑھے بارہ لاکھ گنا بڑا ہے۔ اور ہماری زمین ۸ ہزار میل قطر رکھتی ہے۔ اس سے خیال کرو۔ کہ آفتاب کا جسم کس قدر بڑا ہوگا۔ اور اب دُوربین سے معلوم ہوا ہے کہ وہ باریک باریک ستارے جو رات کو آسمان پر نظر آتے ہیں۔ اور اکثر اُن میں چمکتے ہوئے نقطے معلوم ہوتے ہیں۔ وہ سب سورج کے برابر بلکہ سورج سے بھی بڑے ہیں۔ چنانچہ وہ سفید راستہ جو آسمان پر رات کو دکھائی دیتا ہے اور کہ مکشبان کے نام سے نامزد کیا جاتا ہے وہ اسی قسم کے بے انداز ستاروں سے ملکر بنا ہوا ہے۔ اب اگر ہم اپنے سورج کی طرف غور کریں۔ تو آج تک سات تیارے دریافت ہو چکے ہیں۔ جو سورج کے گرو گروں کرتے ہیں۔ اُن میں سے ایک ہماری زمین ہی ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اس قدر سامان اور اسباب بنا رکھے ہیں۔ جتنے احاطہ کرنا انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ سات کے وقت جبکہ سورج کی عالم گیر روشنی سے محرومی ہوتی ہے۔ ہماری زمین کو چاند سے روشنی پہنچتی ہے والقرہ قدناہ منالحق عادو کا لعدو القدیہ اور چاند کے لئے ہم نے مزیلین قرار دے رکھی ہیں۔ یہاں تک کہ آخر میں وہ پھر گھور کی پُرانی غیبہ شہنی کی طرح باریک ہو جاتا ہے۔ غور کرو اسی طرح باقی سیارات کے بھی کئی کئی چاند ہیں۔ جو انہیں ہمارے روشن کرتے ہیں۔ اب خیال کرو کہ جن سیاروں کو رات کے وقت منور کرنے کے لئے ہماری زمین سے اس قدر بڑے چمکے کر سامان پیش ہیں تو وہاں

ہر جو مخلوق آباد ہو گئی اور قدرت کے جو سامان دلوں پھیلے ہوئے ہونگے  
 انسان اُن کا تصور بھی نہیں کر سکتا +

اب جبکہ ایک سورج کے گرد سات بیارے گردش کر رہے ہیں۔ اور  
 اُن کے گرد مختلف چاند و قمر روشنی دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے پیدا کر رکھو  
 ہیں۔ چاند زمین کے گرد پھرتا ہے اور زمین معہ چاند کے سورج کے گرد۔ اور  
 یہ ہمارا سورج بھی ایک جگہ قیام نہیں بلکہ وہ بھی فضا کے عالم میں آگے بڑھتا  
 چلا جاتا ہے اور تمام ستاروں۔ چاندوں اور دُور ستاروں کو اپنے جلد میں  
 ساتھ رکھتا ہوا ساڑھے سترہ ہزار میں فی گھنٹہ کی رفتار سے اس چیز عالم  
 میں نہایت سرعت کے ساتھ آگے دوڑ رہا ہے۔ اور ابھی نہیں معلوم  
 کہ یہ کس اور بڑے نظام عالم کا جزو ہے۔ دانشمندان تجریدی مستقر لہا ذالک  
 تقدیر العزیز العظیم -

اسی طرح وہ بے انت اور ان گنت سورج جو رات کو آسمان کی زینت  
 نظر آتے ہیں۔ اور اُنکے گرد کتنے بے انت و بے انت اور بے عدد و وسیع  
 ستارے اور پھر ان سے چھوٹے ستارے ہونگے جو سب کے سب اپنے  
 محوروں کے گرد گردش میں ہیں۔ اور سب کے سب اس خلا میں ہیں جولا انتہا  
 دور تک زمین سے اوپر ہے جس کو سما سمطان یا جوت کہتے ہیں۔ مگر کوئی  
 ایک دوسرے سے ٹکڑ نہیں کھاتا اور اُسکو ان گنت زمانہ ہو چکا ہے کہ وہ  
 اپنا اپنا کام باور کر رہے ہیں۔ لا النفس بینتی لہا ان قد دلک القمر لایل  
 سابق النهار کل فی ذلک لیسھون +

اب ہم دیکھتے ہیں کہ جو چیزیں ساری والی یا چلتے والی یا گھومنے والی  
 انسان نے بنائی ہیں۔ وہ ایک دوسری سے کسی نہ کسی وقت ٹکڑ کھاتی ہیں۔  
 اور بگڑ جاتی ہیں۔ مثلاً بچے جو لٹ پھرتے ہیں۔ تو وہ ایک دوسرے سے ٹکڑ  
 جاتے ہیں۔ گاڑیاں آپس میں بھرتی ہیں۔ ٹکڑ سے گھڑوں سے اور گدو  
 گدھوں سے یہاں کہیں کہیں میں ٹکڑ کھاتی ہیں۔ اور جہاز آپس  
 میں ٹکڑ جاتے ہیں۔ حالانکہ اُنکے واسطے انسان کی طرف سے بڑا بھاری  
 لطف سورج ہی کو چھوٹے۔ کہ دو چاند لگائے اور رات دن سے پہلے آسکتی ہے۔

ایک ستارہ ایک ایک ستارہ گھوم رہا ہے +

ہر قسم و تہ سے ہے۔ اب حادثہ وقوع میں نہ آئے مگر پھر بھی کبھی نہ کبھی  
اب وقوع ہو سکتی ہے۔ اور کچھ عرصہ کے بعد ان مصنوعی چیزوں سے  
پڑنے اور ہونے کی گنجائش کر سکتے اور بیکار ہو جاتے ہیں۔ اگر ان سب سواہی  
کی چیزوں کو بلا ارادہ یونہی چھوڑ دیا جائے۔ تو اول تو ان کا چلنا مشکل اور  
بغرض محال اگر چاہیں بھی تو سچنا محال۔ ایک دوسرے سے ٹکرا کر سب فنا  
ہو جائیں گے۔

غور! وہ یہ لا انتہا تمام اجرام سماوی جو آکاش میں حرکت کرتے ہیں  
اور سب کے سب بے جان ہیں جن میں حس و حرکت اور اپنی ہستی  
ایک کا شعور نہیں۔ اگر ان کا انتظام و انصرام کرنے والا کوئی عظیم الشان  
قادر برحق اور حکیم مطلق نہ ہوتا۔ تو اول تو ان اجرام کا وجود ہی نہ ہوتا۔ اور  
اگر بغرض محال ہوتا بھی۔ تو آپس میں ٹکرا کر لمحۃ البعد میں چکنا چور ہو جاتا۔  
بس اس سے ظاہر ہے کہ ضرور کوئی ایسی بڑی عظیم الشان اور فوق العز  
طاقت موجود ہے جس کی قوت ارادیہ کا یہ سب ظہور ہے۔

اب ہم دیکھتے ہیں۔ کہ یہ انسان کی کادیکڑی کی کادیکڑیوں وغیرہ زمین کے  
سہارے پر چل کر بھی ٹھوکریں کھاتی اور ٹکڑیں لڑتی ہیں۔ اور ایک اونٹ  
سے اونٹ کوئی بھی انسان بغیر سہارے کے خلا میں قائم نہیں رہ سکتا فوراً  
زمین پر گر پڑتی ہے۔ چہ جائیکہ اُسکو متحرک کر سکے۔ یقیناً اُس سے اُس صلح  
حقیقی اور قیوم عالمین کی داد اور امداد فوق العز و فوق قدرت کا پتہ لگ  
سکتا ہے کہ کس طرح سے اُس نے بلا کسی سہارے کے (بغیر عمل) ان اجرام سماوی  
کو ان کے بیچ و بیچ حرکتوں کے باوجود بغیر کسی حادثہ کے ہونے کے تمام  
رکھتا ہے ومن اياته ان تقوم السماء والارض بامرہ ان الله يمسك السموات  
والارض ان تزدلا ولن لالئ ان امسکما من احد من عبده۔ الله الذی  
دفع السموات بغیر عمدتہنما ثباتهنما علی العرش اور خدا کی قدرت کی  
نشانی میں سے یہ ہے کہ آسمان و زمین اُن کے حکم سے قائم ہیں۔ یقیناً  
انے ہی آسمانوں اور زمین کو تمام رکھا ہے۔ اور اگر وہ اپنی جگہ سے  
ہیں تو پھر اُس کے سوا کوئی بھی نہیں جو اُن کو اس طرح پر تمام سکے  
وہی عز و شان ذات ہے جس نے سمان کو بغیر ستونوں کے کھڑا کیا۔ پھر وہ

عقل و سماعت پر جا براجا

ایسا ہی خوردبین کے ذریعہ سے جو بیش معلوم ہوئی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہوا میں جو مختلف قسم کے بیشمار ذرات ہیں۔ جب باہر سے کسی سوراخ میں سے دھوپ کمرہ کے اندر پڑتی ہے تو بہت سے ذرات رکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ مٹی کے ذرات ہیں۔ جو دھوپ کمرہ اڑتے پھرتے ہیں۔ مگر ان ذرات کے خوردبین سے دیکھنے پر معلوم ہوا ہے کہ وہ قریباً سب جائز ہیں۔ اور وہ خدا تعالیٰ کی مخفی مخلوق ہی جو ہر سانس کے ساتھ ہمارے معلوم کئے بغیر ہمارے اندر جاتے ہیں اور باہر آتے رہتے ہیں۔ ان میں سے بعض ایسے ہیں جو مختلف امراض کو پیدا کرتے ہیں۔ اور اتنی ننھی سی جان تو ہے مگر انسان پر مستطاب جاتے ہیں کہ بعض ایسے بھی ہیں جو انسان پر مضر ہونے والے ذرات کو کھاتے اور کھاتے رہ جاتے ہیں۔ اور ان چھوٹے چھوٹے ذرات کا ہی منہ نہایت بڑا اور معدہ بھی اور اور دیگر اعضا بھی ان کی صنعت نہایت نیک و نیکو ہوتے ہیں جو کسی قدرتی چیز کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ یہاں تک کہ انسان ایک گھاس کا ٹکڑا ہی نہیں بنا سکتا۔ مٹی کا پر نہیں بنا سکتا۔ اور جب کہ کوئی چیز خود بخود نہیں تو یہ علت اجسام بھی ضرور ہیں اور سور و فوق و فوق و فوق طاقت کی ایجاد ہیں۔ جو اس کی بے پادائیگی اور غیر محدود قدرت کو ظاہر کر رہے ہیں۔

پانی کی ایک بوند کیا شے ہے ایک قطرہ آب کو خوردبین سے نیچے رکھ کر دیکھو تو اس میں ایک نئی ہی دنیا معدوم ہوتی ہے۔ اس میں کئی طرح کے کیرے اور جان دار سمیٹی ہوئی چیزیں ہیں۔ اگر ایک قطرہ آب کی بناوٹ اور ماہیت و خواص وغیرہ پر بحث کی جائے۔ تو پانی کی ایک بوند سے کئی کئی بڑے کریمیاں خچ ہوتی ہیں۔ اسی طرح سے اگر ان سب قطروں کے خواص اور ماہیت لکھی جائے جسے کہ ساتوں سمندر کے برابر سہاٹی خچ ہو جائے گی۔ اور ابھی ان کے خواص و صفات بالکل ختم نہ ہوتے۔ ایسا ہی اگر کسی درخت کی مٹی کی نسبت مفصل لکھیں۔ کھلے ہوئے درخت سے ایسی بناوٹ

تہ کیا کیا اُس میں پردے درہستے ہیں کیا کیا اُس میں پرورش کا بہان  
 ہے اور اُن میں بھی ایسی دنیاں و دنیاویاں ہیں۔ جیسے کہ انسان میں  
 شہواتین اور وریدین اور بہ کس طرح وہ زمین سے اپنی غذا حاصل  
 کرتی ہے اور کس منہ کے ذریعہ سے غذا کا (رِس چوس) لیتی ہے اور  
 کس پیچیدہ سے وہ اس غذا اور رطوبت کو صاف کرتی ہے۔ اور پھر  
 کس طرح سے وہ اوپر سے بری ہو جاتی ہے۔ اور کس طرح سے سُرخ۔ سفید۔  
 ادوی اور زرد رنگ کے پھول نکلتے ہیں۔ اور اُس کے پتوں اور پھولوں  
 پر وہ خط اور خال کیا مطلب رکھتے ہیں۔ تو ضرور ہے کہ یہ کیفیت کھتے  
 لکھتے اگر اُس بُنی کی قلبیں ثانی جائیں۔ تو وہ کھس کھس کر تفصیل لکھنے  
 سے پشتہ ہی خج ہو جائیں۔ اسی طرح سے اگر اُن ب قلموں کی ماہیت اور  
 بناوٹ وغیرہ کھسی جائے حوزین کے درختوں سے بنی ہیں تو وہ سب کے  
 سب درخت خج ہو جائیں۔ پشتہ اسکے کہ اُن کے خواص ختم ہوں۔ قل  
 لو کان البحر مداداً لکلمات ربی لنفذ البحر قلم ان تنفذ کلمات ربی ولو  
 جُباً بمثل ممدادہ ولوان من شجر قلم لافلام والبحر ممدادہ من بعدہ سبعة  
 البحر ما نفذت کلمات اللہ ان اللہ عزیز حکیم تو کہہ اگر میرے رب کی  
 حکمت کی باتوں کے لکھنے کے لئے سمندر سیاہی ہو جائیں تو وہ اس سے  
 پشتہ ختم ہو جائیں۔ کہ میرے رب کی حکمتیں ختم ہوں۔ اور اگرچہ اسی قدر  
 سیاہی اور مدد کو لے آئیں۔ اگر سارے جہان کے درخت قلبیں بن  
 جائیں۔ اور سمندر اُس کی سیاہی ہو اُس کے بعد سات سمندر اور مدد  
 کے لئے لائے جائیں۔ تو بھی اللہ کی حکمتیں ختم نہ ہونگی۔ یقیناً اللہ تم  
 کو ہی صاحب قدرت اور اعلیٰ درجہ کی حکمتوں کا مالک ہے +  
 عرض کہ غفلت شایع خالق حقیقی میں نہ حیراں باند ہر کہہ دیں  
 اختیار کرد۔ والا معاملہ ہے۔ جب یہ حال ہے کہ صرف زمین کے درختوں  
 اور سمندروں کی ذاتی ماہیت و خواص کے لکھنے میں ان درختوں کے  
 برابر قلبیں اور سمندروں کے برابر سیاہی خج ہو جائے تو پھر مختلف اجزا  
 اصنی و سماوی جس میں لا انتہا تارے تارے چاند چاند۔ حیوانات  
 معنیات، وغیرہ و غیر شمل ہیں۔ اُن کی کیفیت اور اصلی ماہیت لکھنے

کے لئے جس قدر قلیس اور سیاہی درکار ہوں اُسکا دیا ہی اندازہ ہے۔ اُسکی  
اپنی ذات کا علم اور معرفت کا پانا اور بھی محال درمجاں ہے ان فی خلق ہنوت  
والارض واختلات الليل والنهار والظلال النبی تجری فی البحر جانیفغ الناس  
وما انزل الله من السماء من ماء واحیایہ الارض بعد موتها وبث فیہا  
من کل دابة وتصريف الرياح والسحاب المستقرین السماء والارض  
لایات لقوم یعقلون۔ یقین آسمان وزمین کی پیدائش اور دن رات کی آنے  
جانے اور جہازوں میں جو سندر کے اور لوگوں کے فائدہ کی چیزیں (اسباب)  
تجارت یکر چلتے ہیں۔ اور مینہ جو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے برسیا اور اُس کے  
زمین کو اُس کے مرنے کے بعد جدیا اور زمین میں ہر قسم کے جاندار پھیلا دیے  
اور ہواؤں کے ادھر ادھر جانے اور بادل میں جو آسمان وزمین کے درمیان  
حکم الہی میں مسخر ہے۔ البتہ اہل عقل کے لئے قدرت الہی کے بڑی زبردست  
نشان ہیں ۔

وحدت کے ہیں یہ جلوے نقش و نگار ثرت  
گر سیر معرفت کو پاوے شعور تیرا

## فلسفہ الہی

( وحی - الہام اور رسالت )

اس میں کچھ شک نہیں کہ عقل جو قدرت نے سکھو عطا فرمائی ہے وہ ایک  
ایسا چرغ جسم میں ہے جس سے ہم دنیا کی اُن اشیاء کو بھی جہاں تک  
ہمارے نگاہ نہیں پہونچ سکتی اور جو اس کی دُعاں تک رسائی نہیں دیکھ  
سکتے اور معلوم کر سکتے ہیں۔ جو امر ہنوز نمود نہیں پایا اُس کی صورت بنا کر  
یہ عقل کھڑی کر دیتی ہے کہ اگر ایسا کر دے تو ایسا ہو گا ۔

عقل ہی سے انسان دوسرے حیوانات سے ممتاز ہے۔ عقل ہی نے  
اُس کے سر پر افضلیت و اشرافیت کا تلخ پہنا رکھا ہے۔ عقل ہی سے انسان  
اشرف المخلوقات کہلاتا ہے۔ قدرت نے یہ جو ہر نفیس اور گہرے بہا صرف

انسان ہی کو بننے ہے۔ دیگر حیوانات میں یہ درک نہیں ہے۔ نہ وہ کسی چیز کی اصابت، اور حقیقت کو دریافت کر سکتے ہیں۔ صرف اُمکی اتنی ہی سدھ ہے کہ وہ اپنی نرک اور آرام کی چیزوں کو جانتے اور اپنے سفر کو پہنچتے ہیں۔ اُن میں حقیقی اشیاء کے دراک اور ایجادات کا مادہ ہرگز نہیں ہے ایک ہی "ح" کا مکان یا گھونسلہ بنانا، لڑکا فطرتی فاصد ہے۔ وہ جب بناؤں گے۔ اُسی متر کا بناؤں گے۔ اُس سے ترقی نہیں کر سکتے نہ دوسری قسم کا بناؤں گے۔ مگر انسان ہے جو رندہ نئی نئی وضع۔ نئی طرز ہر ایک امر میں اپنی عقل خداود سے کرتا، اور بناتا رہتا ہے۔ انسان کی عقل عالم بالاتر کی اشیاء کو دریافت کرتی ہے۔ اور اُن کی حقیقت معلوم کر کے قسم متر کی اشیاء اور چیزیں بناتی ہے۔ غرض کہ انسان کی عقل غیر محدود اور بیوان کی سمجھ بالکل محدود ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیہ اکبیا۔ زمین پر اُسے آب و گیاہ اُس وقت اُس کے پاس بجز آد عقل کے اور کچھ نہیں تھا۔ عقل ہی سے اُس نے سب کچھ ایجاد کیا۔ رہنے کے لئے مکانات بنائے۔ شہر بسائے۔ لباس بنائے۔ ترکاریاں اور فلی بوٹے۔ طرح طرح کے نفیس کھانے پکائے۔ اور جہالت اور وحشت کی اسفل اسفلین سے نکال کر ترقی اور تہذیب کے اعلیٰ علقین پر جاگزیں ہوا۔ دنیا میں جو کچھ ہیں بہل اور رونق نظر آتی ہے سب عقل ہی کا کرشمہ اور اُسی کا کھیل ہے۔

یہ عجیب عجیب حاییاں اور خوب صورت مکانات قسم قسم کے پھل پھول وخت اور باغات تمام۔ ریل اور قسم متر کے اور ایجادات۔ سمندروں میں آگن بوٹ اور جہازات سب عقل ہی کی نادر اختراعات کا نمونہ ہے اگر عقل نہ ہوتی تو ان میں سے کچھ بھی نہ ہوتا۔ انسان وحشیوں کی طرح اور مردہ مارے مارے پھرا کرتے۔ اُن کے پاس اپنے بچاؤ تک کا کوئی آلہ نہیں تھا یہ سب طلسم شیر و جنگ اور نغمہ مار و تہنگ ہو جاتے۔ اُمکی دنیا میں قیام کی کوئی صورت نہ تھی۔ لیکن عقل سے اُس نے شیروں اپنے قابو میں کر لیا وحشیوں کو اپنا مایع بنا لیا۔ آگ ہوا پانی سے اُس نے وہ کام لیا۔ جسے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ اور ان طلسمات کے مشاہدہ سے خدا نوائے کی

عجیب محنت و تدبیر یاد آتی ہے۔ عقل ہی ہلکے اپنی بہتری اور نیکی کے کاموں کی طرف راغب کرتی اور بُرائی اور بدی کے کاموں سے مصون و محفوظ رکھتی ہے۔ انسان حتی الامکان وہ کام نہیں کرتا۔ جس سے اُسکو تکلیف یا نقصان ہو۔

جب عقل میں فرق آ جاتا ہے تو آدمی دیوانہ ہو جاتا ہے۔ اُسے کچھ ہوش اور سدھ بڑھ نہیں رہتی۔ وہ اپنا نیک و بد نہیں سمجھتا۔ نہ اپنے مال کی حفاظت کا اُسکو خیال ہوتا ہے اور نہ جان کے تلف کا۔ عزت۔ دولت۔ راحت۔ کلفت۔ ذلت کسی کی طرف بھی اُسکی نظر نہیں پڑتی۔ وہ اصل یہ عقل ہماری نہایت درجہ کی محافظہ۔ صلاح کار اور اعلیٰ درجہ کی مفید مطلب ہے۔ لیکن جہاں اس میں جہان بھر کی غویاں اور سرتاپا ٹکٹیاں ہیں۔ وہاں اتنا نقص بھی اُسکو لگا ہوا ہے کہ یہ نقصا سے محفوظ نہیں۔ کتنا ہی غفلت کی اور غییم آدمی ہو مگر بالکل خطا سے وہ بھی محفوظ نہیں۔ بعض دفعہ کوئی ایسی رائے دیتا ہے جو اصلیت سے کوسوں دور اور جس کا نتیجہ نہایت ہی منفرد اور خراب نکلتا ہے۔

یونان کی عقل نہایت ہی مشہور اور مستم ہے۔ بطلمیوس کے حکما میں پرے درجہ کا عقلمند اور دانا حکیم ہوا ہے جس کے مقلد اندھون اور اصطلاحیے مشہور اور نامی فلاسفہ ہو گزرے ہیں۔ اُس کی رائے تھی کہ زمین ساکن ہے اور آسمان کو گردش ہے یہ عقیدہ تمام دنیا میں پھیل گیا۔ اور ہزاروں سال تک لوگ اسی کے قائل رہے۔ اور زمین کے گرنے اور آسمان کی گردش پر سینکڑوں سالے تالیف اور تصنیف ہوئے۔ اور اب تک کروڑوں آدمی اسی بات پر متفق ہیں۔

لیکن بعد میں جو ایک زبردست حکیم فیثاغورث اُس ملک میں پیدا ہوا۔ اُسکی عقل بطلمیوس کے بالکل برخلاف اس جانب آئی کہ زمین ساکن نہیں۔ بلکہ آسمان کے گرد گردش کرتی ہے۔ اور آفتاب۔ زمرہ اور نظام عالم کا سینٹر ہے۔ اُس نے اس مسئلہ کو ایسی روشن دلائل کے ساتھ لوگوں کے ذہن نشین کیا کہ بہت آسانی سے لوگ سمجھ کر دنگ رہ گئے۔ اور کوئی شخص غمہ برہن کے ساتھ اُسکو رد نہ کر سکا۔



کے بعد جو مٹے ہوئے۔ سب سے فہش غوث کی رائے کو پسند کیا۔ اور  
 جلیبت کی رائے کو بالکل قرار دیا۔ نظام فہش غوثی دنیا میں ایسا مقبول  
 اور رایج ہوا کہ آج تمام مہذب دنیا اسی کی گرویدہ ہے۔ مدد مادہ ہے۔ سارا  
 یورپ۔ امریکہ۔ ایشیا کے اکثر ممالک۔ افریقہ کی مہذب قومیں نہ دل سے اس  
 خیال کی قابل ہیں اور آفتاب کو مرکز عام۔ مدد زمین کو ساکن قرار دیتی ہیں۔  
 بایں ہمہ قطعی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ فہش غوث ہی کی رائے بالکل  
 ٹھیک اور بالکل غلطی سے محفوظ ہے۔ ممکن ہے کہ اس میں بھی بعض غلطیاں  
 ہوں جو اپنے وقت پر ظاہر اور مدفاش ہو جائیں۔

ایسا ہی افلاطون کا یہ قول ہے کہ خدا تعالیٰ نے دنیا کو اُس مادہ سے بنایا  
 جو پہلے سے بے ترتیب موجود تھا۔ جس طرح گھار مٹی سے مختلف قسم کے  
 برتن اور کھلونے بنالیتا ہے۔ اسی طرح خدا نے مادہ موجودہ سے دنیا کو  
 پیدا کیا۔ گویا افلاطون آریوں کی طرح مادہ کو قدیم اور خدا تعالیٰ کی خالقیت  
 سے باہر رکھتا ہے اور باوجود اتنا بڑا عقلمند مشہور ہونے کے جس طرح  
 افلاطون نے مرتے وقت ایک بُت کے نام مرغی کی قربانی چڑھوائی۔ اسی  
 طرح یہاں بھی اُس کی عقل ماری گئی اور اُس سے یہ سمجھ نہ آئی کہ جب مادہ  
 سے اپنے مختلف صفات و خواص کے از خود موجود ہے اور اپنے وجود  
 بقا میں ایک موجد کامل اور علت العلل کی ضرورت نہیں رکھتا تو مادی  
 چیز کو جو ہر جا کر مختلف اشیاء کے رہنے کے لئے خدا کی کیا ضرورت ہے  
 وہ بھی اپنے طور پر مادہ کا ظہور اور نیچر کا نقشہ مان لینا چاہئے۔ اُس کے  
 خلاف اس حکیم ربانی اور فلاسفر ذوقِ حضرت لقمان حکیم کا یہ قول ہے کہ  
 دنیا تو مادہ سے بنی۔ مادہ کو کس نے بنایا۔ مادہ کا ظہور بغیر ایک خالق برحق  
 اور موجد کامل کے نہیں ہو سکتا۔ اور اسی سے خدا کی ایجادیت اور  
 خالقیت حقیقی کا اثبات ہوتا ہے۔

تو بات یہ ہے کہ دنیا میں کُل اور اقوال کی عقلمندی نے بارہ چکر کھایا  
 ہے۔ آج کسی امر کی نسبت کچھ رائے ہوتی ہے۔ کل کچھ۔ سمجھا کچھ ہے  
 نکلا کچھ۔ ہٹ تھک ایک چیز کا مادہ کچھ سمجھتے رہے۔ مگر آخر کار کچھ اور  
 نکلا۔ نہ بت کا قانون سمجھ کچھ۔ نہ وہ اور طرح پر شہادت ہوا۔ اُن سے مفہوم

وجہ تہا این قدرت میں ہمیشہ شدید انقلاب واقع ہوتا رہا۔

اس سے معلوم ہوا کہ عقل انسانی خطا سے بالکل محفوظ نہیں۔ اور جس کے واسطے فطرتی خطا لگی ہوئی ہے کہ وہی فعلی بھی کرتی ہے تو اُس پر قطعی اعتقاد نہیں ہو سکتا۔

دنیا میں کوئی عقلمند یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میری عقل کبھی خط نہیں کرتی۔ نہ آج تک کسی نے دعویٰ کیا۔ جس حالت میں عقل کی یہ کیفیت ہے کہ وہ خط سے محفوظ نہیں۔ اور انسان مرکب من الخطاء والنہیان۔ مشہور مقولہ ہے تو ان امور کے لئے جو انسان کی ابدی اور دایمی زندگی میں کام آئے والے ہیں۔ عقل کو کامل رہنا نہیں بنا سکتے۔ نہ اُس پر کلی بھروسہ رکھ سکتے۔

کیونکہ جس حالت میں عقل کی نسبت فطری کا احتمال ہے۔ اور مذہب ایک امر غیبی اور اسرار آہی ہے۔ تو لازم ہوا کہ کوئی چیز عقل کے سوائے انسان کی روحانی اصلاح کے لئے ایسی ہونی چاہئے۔ جو خط سے محفوظ ہو۔ اور وہ ایسی چیز ہو۔ جس میں کسی قسم کا کوئی احتمال نہ رہے۔ اور وہ منجانب اللہ ہو۔ تاکہ سب آدمی اُسکو سمجھ کر یکا یقین کر لیں۔ اور اُس کے اتباع کرنے سے ابدی طیب زندگی حاصل کریں۔

اس کے واسطے قدرت نے بندوبستی اصلاح روحانی کے لئے رفع محبت کی غرض سے الہام کا قاعدہ مقرر فرمایا۔ جس میں خطا کا احتمال تک نہیں۔ کوئی شخص بت پرستی کو اچھا سمجھتا ہے کوئی بُرا۔ کوئی انتقام لینا پسند کرتا ہے۔ کوئی عفو محض۔ کوئی گوشت خوری جائز سمجھتا ہے کوئی ناجائز۔ کوئی ایک چیز کو کھانا حلال جانتا ہے۔ کوئی حرام۔ ایک حکیم ایک فعل کو پسندیدہ اور ثواب سمجھتا ہے۔ دوسرا اُسکو نادم اور گناہ۔ ایک شخص ایک امر کو نیکی سمجھتا ہے دوسرا اُسکو بُرائی۔

ایک فلسفی دیگر حیوانات کی نظیر پیش کر کے اپنی طبعانہ طبیعت سے ذرا وغیرہ جائز سمجھتا ہے۔ دوسرا فعل شنیع۔ کوئی کسی امر کو باعث بخت و بددلی دوسرا اسی امر کو باعث ہلاکت و موزی۔ ایسی اختلاف شدید کی حالت میں انسانی عقل بالکل ششدر اور حیران اور دھندلے اور سرگردان ہے۔ اور حکیم کامل





لوگ سخت سرکش و فریب ہو گئے۔ اور بُت پرستی اور بُطلان پرستی کی طرف میل ہوئے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت خثیث اور ادریسؑ اور نوحؑ کو رسالت کے لئے مخصوص کیا۔

ان بگزیدہ لوگوں کی کوشش سے بہت سے لوگ فطرت الہی پر قائم ہو گئے۔ مگر اشد اوزانہ کے بعد پھر لوگ بگڑ گئے اور اِدھر اِدھر پھیل گئے۔ فداوت کی طرف سے روحانی بارش برآمد ہوئی رہی۔ جہاں بجا اور منوانہ الہام ربانی نازل ہوتا رہا۔ اور یہاں تک کہ وان من ائمتہ الاخلا فیہا نذیر۔ کوئی اہمیت نہ رہی۔ جس میں کوئی نہ کوئی بالواسطہ یا بلا واسطہ دُمانے والا نہ آیا ہو جو لوگ خدا کے اُن مرسلین کی اطاعت کرتے رہے وہ خدا کے مطیع اور حبیب الرحمن کہلائے اور فریق مخالف باغی اور اولیاء الشیطان +

موسیلین الہی نے اپنی طرف سے اصلاح خلق میں بہت کوشش کی اپنی جان تک کی پرواہ نہ کی۔ مگر اُن کی اُمتیں تقلید جاہلانہ پر ایسی اڑیں کہ بہت کم اُن کی طرف متوجہ اور ملتفت ہوتی رہیں +

یہ لوگ حقیقت سے دُور جا پڑے اور آئینی تقلید پر جم گئے۔ انبیاء و نبت کی تکذیب۔ نفیخک اور تردید کرنے لگے۔ اور اُن کی جان کے مانگو ہو گئے۔ اور اُس ضد پر اڑ گئے کہ آجائی طریق کیسا ہی نامعقول۔ ذلیل۔ بیہودہ۔ خراب اور جھوٹا ہو۔ اُسکو ہرگز ہرگز چھوڑنا نہیں چاہتے۔ تحقیق و تفتیش کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ایسی حالت میں اُنکی اصلاح بڑی مشکل ہو جاتی تھی +

اصلی جہالت اور ضلالت کا سبب تقلید آجائی ہے جس کو جہالت نے رنگ برنگ کے جلووں سے وہ رنگ دیا۔ جس کی صورتیں اور طرزیں ہزاروں قسم کی ہم دنیا میں دیکھ رہے ہیں۔ کوئی بُت پرستی پر اڑ گیا۔ کوئی آتش پرستی پر۔ کسی نے تصلیب مسیح کو ذریعہ نجات قرار دیدیا۔ کسم نے کسی بات کو۔ سب لوگ ایک ایک جہل، باطل پر اڑ گئے ہیں +

تقلید آجائی کے برابر کوئی دشمن انسان کا نہیں۔ اس نے لاکھوں کو غارت کر دیا۔ کروڑوں گھر برباد کر دیئے۔ ملک کے ملک تہس نہس ہو گئے۔ حالانکہ انسان کو آنکھیں دی گئیں۔ ہوش و حواس عطا ہوئے۔

سنت تھائی ہے کہ یہ دوسروں کے بھروسے پر نہ رہے۔ اپنی سعی اور محنت سے فواید دیرین حاصل کرے۔ راہ حق کی تلاش کرے۔

انبیاء وہ لوگ ہیں جن کی صداقت اُن کے حالات سے صاف ظاہر ہوتی ہے۔ اُن کا فوق العادہ استغناء۔ بے غرضانہ نصیحت۔ سادگی اور صاف باطنی۔ قوم کی سچی خیر خواہی اور ہمدردی۔ نصیحت مشفقانہ اُن کی صداقت کی صریح شہادت دیتی ہے۔

انبیاء سے جو جو معاملات قوم کے ہوئے وہ ایسے صاف و روشن ہیں جن میں کوئی شبہ کا محل نہیں ہے۔ ملک کے ملک اور قوموں کی قومیں انکی شہادت دے رہی ہیں۔ اگر یہ لوگ خدا کے صادق بندے نہ ہوتے۔ تو قدرت کبھی اُن کے مخالفوں کو تباہ اور ہمدانہ کرتی۔ شہر کے شہر اور بستیوں کی بستیاں یکبارگی خاک میں نہ ملا دیتی۔ انبیاء اور رسول پے درپے اُن لوگوں کے پاس آئے اور اُن کو ہر صبح سبھایا۔ منہ کیا۔ ڈرایا۔ مگر وہ اپنی جھوٹی نفسی کے گھمنے میں انکی تکذیب فلسفیانہ وضع سے کرتے رہے و فرح و افاغ عندھم من العلم و حاق بہم ما كانوا لیستہم و انہم جس کے باعث خدائی قہر اور غضب کے مورد ہوئے۔ غضب الہی اپنی نازل ہوا۔ اور وہ بے نام و نشان دنیا سے جاتے رہے اور عذاب ابدی کے سزاوار ہوئے۔ موزن الہی کے برصاف جو شخص اٹھا مورد غضب الہی اور چٹکا چور ہو گیا۔ یہ امر ان مامولان الہی کی صداقت کا بدیہی ثبوت ہے۔

جب پروردگار نے جہانی اور فانی زندگی کے لئے ایسے ایسے درجہ کے سامان بنا رکھے ہیں۔ قسم قسم کے اسباب مہیا کئے ہیں اور روحانی زندگی جو ابدی اور لا بدال ہے اُس کے لئے قدرت نے کوئی بھی انتظام نہ کیا ہو۔ یہ خیال محال ہے۔

پس الہام الہی کا نازل ہونا۔ انبیاء کا دنیا میں بھیجا جانا۔ پیغامات الہی کا ادا کرنا قدرت کی طرف سے نہایت ضروری تھا۔ جو سلسلہ وحی و رسالت کو بدیہی طور پر ثابت کر رہا ہے۔

یہ سلسلہ وحی و رسالت کا اُسی دن سے شروع ہے۔ جب سے دنیا میں انسان کی پیدائش ہوئی۔ قرآن شریف میں جا بجا اللہ تعالیٰ نے فرمایا



بار اہم رحمت شواتر نازل فرمایا کرتا ہے اسی طرح وقت وقت پر اُسکی روحانی  
 رحمت کی تجربی لگاتار جاری رہی۔ اور وقت وقت پر وحی والہام کا آسمانی  
 منہ بہرہ ہوتا رہا۔ تاہم انبیاء و اوصیاء مذہب میں متفق تھے اور سبچہ وقت  
 اور رسمی باتوں کے اُن سے مذہب میں کچھ تبدیلی نہیں ہوئی۔ اصول توحید  
 اور اخلاف اور اوصیاء باتوں پر سب متفق اور موافق تھے۔ انسانوں نے  
 میں اختلاف و تشدد کیا۔ جو۔ الہم۔ الہی سے روکشی کی۔ اللہ تعالیٰ نے  
 ایک نیکو خیال و بصیرت والا اور اگر انہوں کی نصرت سے آسمانی کتاب اپنی  
 اس بنیاد پر نہ ہو تو اس کی اصلاح کے لئے ایک نئی کتاب بھی بھیج  
 دی۔ جو پہلی کتاب سے موافق اور اُسکی مصدق تھی۔ سب سے آخری بنی  
 حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جیہ فوائد شریفینا نازل ہوا۔ اُس کی حفاظت  
 اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی۔ اور قیامت تک اُسکے ایک لفظ یا شوشہ میں  
 فرق آنے کی مجال نہیں ہے۔ اور۔ اس میں غلطی اور خطا کا امکان ہے۔  
 انا نحن نرسلنا الذکر فہو فی فہم۔ لایاتہ الباطل من بین یدینہ ولا من  
 خلفہ ننزلہ من حکیم مہدیہ۔

## فلسفہ انسانی اور اُسکی حقیقت

فلسفہ حقہ پر صرف انبیاء کا مذہب تسلیم ہے جن میں کبھی کسی اصول میں  
 اختلاف نہیں ہوا۔ توحید۔ رسالت۔ اعمال اور اُن کی سزا جزا اور قیام  
 قیامت میں سبھی کسی نبی کے اختلاف نہیں ہوا۔ اور یہی بڑے اصول مذہب  
 ہیں۔ جو اسلام کی بنا ہیں۔ اور یہی سچا علم الہی ہے۔

اُسکے برخلاف انسانی فلسفہ میں ہمیشہ ہر بات میں علم الہی کے تعلق  
 سخت اختلاف اور تناقض رہا۔ الوہیت۔ اعمال۔ منزلہ۔ جزا اور قیامت وغیرہ  
 میں ہمیشہ ایک دوسرے سے نفی ہے۔ کسی نے خدا کو مانا۔ کسی نے انکار  
 کیا۔ کسی نے اُسے موجد عالم قرار دیا۔ کسی نے آبیوں کی طرح مرنے اُسے مزار  
 انہیں کیا۔ کسی نے تاریخ کو مانا۔ کسی نے انکار کیا۔ کسی نے دنیا کو تعلیم سمجھا  
 کسی نے حادث کو مانا۔ حقیقی اشیاء کو مانا کسی نے مرنے کو تعلیم قرار دیا کسی نے



پہنچا کسی نے کچھ۔ آریوں کو حکما کی باطلیات پر بڑا غور ہے اور وہ حکماء کے اقوال کو اپنے مسائل کی تائید میں اکثر لاتے ہیں۔ چنانچہ پینڈٹ لیکھرام نے اپنے مہوت تناسخ وغیرہ کتابوں کو اپنی حکماء کے اقوال و اہم سے بھر کر اپنی کتابوں کے حجم بے سود بڑھا دیئے ہیں۔ جنکو مسلمان لوگ گورنمنٹ سے بڑھ کر وقعت نہیں دیتے۔

مسلمان لوگ صرف اسلام کو فطرت کے موافق اور فلسفہ حقہ پر مبنی اعتقاد رکھتے ہیں اور الہیات میں صرف فلسفہ انبیاء کو قابل تسلیم یقین کرتے ہیں۔ آریوں اور دہریوں وغیرہ مذاہب باطلہ کو چونکہ فلاسفہ کی تسویلات پر بڑا گھمنڈ ہے اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ کسی قدر فلسفہ مشہورہ حکما کی حقیقت بیان کی جائے۔

فلاسفہ کی عقل صرف مشاہدہ محسوسات تک محدود تھی۔ اس سے بڑھ کر وحی والہام مگر ہر رفاغیہ کے فہم و فہم کا دماغ نہ رکھتے تھے۔ اور اپنی عقل نامنص کے مطابق رنگا رنگ تاویلات و تسویلات بنا کر جہلاء وقت کا دل خوش کیا کرتے تھے۔ اور اپنے فیلسوف وقت کہلاتے تھے۔ مثلاً ان کے وہم و خیال بے بنیاد ان کے دل ہی میں اختلاج کرتے تھے نہ قابل تحریر نہ تھے۔ جب ارسطو بانی مابنی حکمت مشائی پیدا ہوا۔ اس نے گزشتہ فلاسفہ کے عنایات کو جمع و ترتیب کر کے فلسفہ استدلال وضع کیا جس میں سفسطہ وغیرہ کو بھی دخل ہے اسکی نظریں جو حشو و زوائد معلوم ہوئے ایک سخت قلم اٹھا کر دیئے۔ جسے کہ اپنے استاد افلاطون اور استاد استاد سقراط کی رائے کو بھی بیک و بیج و بیج کر کے محذوف کر دیا اس کے سوا اس کے مقلدوں نے جو سشائین کہلاتے تھے۔ وقتاً فوقتاً سلسلہ تالیفات و ترمیم جاری کر کے مذہب فلسفہ کو وسعت دی اور مدت تک یہ فلسفہ اسکندریہ۔ انطاکیہ۔ بیروت۔ اندلس و دمشق و طرابلس و یونان و فارس میں بڑا دیا جاتا رہا۔ جب عرب نے ان مذاہب کو فتح کیا تو ان کے عقائد میں آئے۔ انہوں نے فلسفہ حکما کے نام کو عربی میں لایا۔

دوسری طرف حکما پر گہری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُس میں کوئی یقینی اور متفق علیہ بات نہیں۔ مرث ظن اور قیاس کا فتنہ مشق ہے۔ پہلے فلسفہ استدلال نشی مرت تک ازل تصدیق بناوا۔ پھر فلسفہ استقرا فی وظن چلیا گیا۔

بظلموں نے آسمان کو زمین کے گرد پھرایا۔ فیسٹاغورث نے اُس کو باطل قرار دے کر زمین کو آفتاب کے گرد چکر دلایا۔ انکساغورث اور فلوطرفینس کا قول ہے کہ ارادہ اور فعل اور دیہ اور فاعل ایک ہی چیز ہے۔ کیونکہ ارادہ اور فعل کا بذات خود قیام اور وجود نہیں۔

افلاطون اور ارسطو نے اس بات کو نہیں مانا اور کہہ دیا۔ کہ مادہ  
یا فعل بذات خود قائم و موجود ہیں۔ لیکن مادہ و فعل میں فرق بیان کیا  
اس پر میڈس حکیم نے یوں کہا۔ کہ ان لوگوں کی رائے مادہ کے بارہ  
میں ٹوٹیک ہے۔ مگر غص کے بارے میں غلط ہے۔ کیونکہ مادہ بدون فعل  
نہیں پایا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ بھی غلط نہایت میں فعل یعنی حرکت غمور ہے۔ مادہ  
مادہ ہمیں۔ چنانچہ اس کی تائید مسز کی کہ اس قول سے ہوتی ہے کہ  
کی حرکت بالادہ ہوتی ہے اور ظلمت کی انفاکے یعنی بے مادہ اصل و فعل جلد  
ص ۲۔ ابتدائے عالم کے بارے میں ایکسٹورس کا قول ہے کہ غلط ہے  
صورت سے عالم کی ترکیب ہوتی ہے۔

[illegible]

فیضانِ غورث کا قول تھا کہ خدا راج عالم ہے۔ افسلاطون در پیریں کو  
 قصیم جانتا تھا۔ ایک خدا کو چننا مل ہے۔ دوسرا مادہ گو جو منسل ہے۔

ایبقیورث دنیا کو قدیم قرہ دیتا تھا اسد صلح عالم سے منکر تھا۔ اُنہی کے  
 زعم میں انسانی نسل سور سے اچھ ڈالون کی رائے میں بند سے شروع ہوئی  
 کہ بتدریج تہذیب و تربیت پاکر صورت موجودہ تک پہنچی۔ سونسطالی اسی  
 قریب قریب کا ہے جن کا یہ اعتقاد ہے کہ آدمی اختلاف خلیق اشید سو قریب  
 قریب ہے۔ اس چیز کی حقیقت نفس ظاہریہ موافقت نہیں ہو سکتی۔ اُن کے

نزدیک حق و باطل۔ صدق و کذب۔ دلو امر اعتباریہ ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جس کے مزاج میں غلبہ صفا ہو۔ اُس کو شیرینی تلخ معلوم ہوتی ہے اور بعض مزاج کو شیریں محسوس ہوتی ہے۔ نفس الامریق کوئی فرد متحقق نہیں ہوا کہ شیریں کیا ہے اور تلخ کیا چیز۔ اسی طرح اور معلومات پر قیاس کرا چاہتو کہ جن پر حق و باطل کا اطلاق ہم کرتے ہیں۔ وہ بھی امر اعتباری ہے حقیقت نفس الامریہ نہیں ہے کسر اب بقیعۃ بحسبہ الظمان ما انکار مشائخ کے نزدیک دس عقول سے زیادہ نہیں۔ اور اشراقیین کے نزدیک عقول کی کوئی حد مقرر نہیں۔ ہیئت قدیم میں طلوع شہاب کا سبب اجتماعِ دفان قرار دیا گیا ہے۔ جو چیز نار میں پھونچکر مشعل ہو جاتا ہے۔ اور بصورت کو اکب اشکال مختلفہ سے تشکل ہو کر مسوخی ہوتا ہے۔ اہمیت جدید میں اُن کو جسم قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ یورپ کے مجاہد فاجتہات میں چھوٹے بڑے شہاب بہت سے پڑے ہیں۔ اور خاص فرانس کے مجاہد فانی میں ایک بہت بڑا شہاب تھا جس کا وزن تیس من کا ہے۔ جس سے قرآن شریف کی آیت وجعلناہا جواما للشیاطین کی ایک تصدیق ہو رہی ہے۔ فلاسفہ قدیم ہار پھر قرار دیتے تھے۔ اسباب تحقیقات مہرہ سے ۶۳ سے ۸۴ تک پہنچ گئے ہیں۔ اور ابھی ختم نہیں ہوئے۔ فلاسفہ قدیم فلا کو محال سمجھتے تھے۔ اور اب اگر خراج الہوا کے ہار پر تجزیہ کرنے سے معلوم ہوا۔ کہ فلا ممکن ہے۔ اسی طرح تجزیہ خری میں فلا کے باہم سخت درجہ کا تناقض اور اختلاف ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ فلسفہ ہمیشہ بدلتا رہا اور ہمیشہ بدلتا رہے گا۔ ایک حالت پر اُسکو قرار نہ ہوا۔ نہ ہوگا۔ اس کا تون اور تہذیب اختلاف اور تعارض اُس کے بطلان کی کافی دلیل ہے۔

چند خوانی حکمت یونانیاں و حکمت ایانیاں یا ہم بخوان  
پائے استدالایاں چوبیس بود و پائے چوبیس سخت بے تمکین بود  
لیکن فلسفہ انبیاء علیہم السلام ہر زمانہ میں ایک ہی حیثیت پر قیام  
را۔ سب انبیاء کے ایک ہی اصول ہے۔ اُس میں کبھی تغیر و اختلاف نہیں  
ہوا۔ اور نہ ممکن ہے۔ کیونکہ وہ بلا اختلاف حق متفق علم لکھی ہے اور علم لکھی

میں کبھی تغیر و تبدل کو دخل نہیں ہو سکتا۔ فلن نجد لسنة الله تبدلا  
 ولن نجد لسنة الله تحويلا ولو كان من غير عند الله  
 لوجدوا منه اختلافا كثيرا۔

فلسفہ انسانی کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں کہ وہ انسان کے خیالات  
 شعور کا تختہ مشق ہے۔ اور انسان خواہ کیا ہی باکمال ہو ہرگز خطائے مبرا  
 نہیں انسان مرکب من السہم والشیان۔ علم الہی کے مقابلہ میں اس کی  
 کچھ حیثیت نہیں۔ فلاسفہ کی بنیاد پر مبنی فقط علم منطقی۔ ریاضی اور طبیعیات تک  
 محدود تھی۔ اس سے زیادہ مقرر نہیں۔ اور اپنی علوم سے انہوں نے الہیات پر  
 بھی استدلال کیا۔ لیکن یہ استدلال اُن کا محض جس مرکب ہے کیونکہ ہدایات  
 و محسوسات کے احکام مجزوات و معقولات پر ہرگز مطابق نہیں آ سکتے۔ اگر  
 مطابق آ سکتے تو جس طرح اُنکے منطق اور ریاضی و طبیعیات پر اتفاق ہے۔ الہیات  
 میں بھی اُنکا ویس ہی اتفاق ہوتا ہے۔ لیکن الہیات میں اُن کا استدلال احتمالات  
 اور تناقض اور محبطہ نزع ہے کہ کوئی حد نہیں۔ اور چونکہ منطق اور ریاضی  
 اور طبیعیات علوم یقینیہ میں سے نہیں۔ عوام کو مزید مغالطہ گزرتا ہے۔ کہ  
 الہیات میں بھی اُن کا استدلال ٹھیک ہوگا۔ لیکن یہ استدلال سراسر غلط ہے۔  
 ہرگز صحیح نہیں۔ بلکہ الہیات حصہ انبیاء کا ہے۔ کیونکہ الہیات کے موضوعات  
 علم الغیب میں داخل نہیں۔ اور علم الغیب خاصہ علم الغیوب ہے۔ اس کے  
 سوائے دوسرے کو اُس پر اطلاع نہیں وعندہ مفاع الغیب لا یعلمها الا هو  
 "مگر جس کو وہ اپنی طرف سے وحی و الہام کرے۔ عالم الغیب فلا ینظر علی غیبہ  
 احدا الا من اراد فی من رسول۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کے علماء حقانی صحت کے  
 درجہ فلسفہ کو برا سمجھتے اور لفظ حقانی کی بجائے سے دیکھتے تھے۔ ورنہ حقانی فلسفہ  
 کے پرچم سے کسی کا انکار نہیں۔ علماء حقانی اپنے مذہب کی بنا کہ فلسفہ کو حقیر  
 اور غلط پر کبھی نہیں رکھ سکتے۔ وہ گزشتہ کی طرح ہمیشہ جیت جیتا رہا۔ اور  
 جیت رہے تھے۔ اور توں فلسفہ بنام انبیاء کو کافی سمجھتے اور صدق ال سے اُس پر  
 یقین رکھتے تھے۔ میں یہ خیانت میں کسی شخص کو اپنی پیشہ رہنے والی زندگی کو  
 صرف تیار تیار خیانت۔ صحت کا تابع نہیں کرنا چاہئے۔ اور صرف فلسفہ یقینیہ  
 انبیاء پر اعتقاد رکھنا چاہئے۔

حکماً کا تو یہ حال ہے کہ ان کو حیات و روح انسانی اور پیدائش عالمِ ہوا میں بھی اس در تک اختلاف ہے کہ وہ اختلاف بنی مان کے فلسفہ کے بطلان پر کافی دلیل ہے۔ چنانچہ حیات کو سقراط نے محدود اور مود بقاؤ فنا کہا ہے و ظاہر فعل صفحہ ۲۴ (جلد ۲) اور یہ اوصاف بقول فلو طرفیس حکیم کے اُس چیز کے ہیں جو الہی نہیں (جلد ۲ و ۳) اور جو چیز الہی نہیں وہ مخلوق ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حیات مخلوق ہے۔

پھر سقراط حکیم کا قول ہے کہ ہمارے حیات اللہ تعالیٰ کی حیات سے مشابہ ہے۔ باری تعالیٰ کی حیات اُس کی ذاتی ہے اور ہماری حیات ذاتی نہیں۔ اس سے اُس پر فنا آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حیات میں فنا نہیں آتی (دل و نخل صفحہ ۲۴) اور ظاہر ہے کہ فنا اُسی کو ہے جو مخلوق ہے۔

نفس نامطقہ یعنی روح کی نسبت ارسطو نے کہا ہے کہ بدن کے پیدا ہونے کے وقت پیدا ہو جاتی ہے اور بدن کے وجود سے پہلے اُس کا ہونا ممکن نہیں (الایضاً ص ۲۳) اُس سے روح کا قدم اور تنازع باطل ہوتے۔

ارسطو اور اُس کے اُتد افلاطون دونوں کا قول ہے کہ روح جسم سے جدا ہونے کے بعد ہی اپنی اُس خاصیت کے ساتھ باقی اور قائم رہتی ہے جو اُس کو جسم کے لئے سے حاصل ہوتی (دل و نخل ص ۲۳) جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو روح ایک مرتبہ کسی جسم میں داخل ہو چکی۔ اُس کا دوسرے جسم میں جانا محال ہے۔ بعض حکما کا قول ہے کہ ہر ایک انسان کی روح اپنی خاصیت کے ساتھ ایسی خصوصیت رکھتی ہے کہ دوسرے کے ساتھ مشابہ نہیں ہو سکتی۔ (دل و نخل صفحہ ۲۳)

جلد ۲ (۲) اسی حقیقت مشاہدہ بھی ایسا ہی ہے کہ بیشمار انسان اور حیوان ہر وقت میل موجود ہوتے ہیں۔ مگر ہر ایک جنس دوسری جنس سے بلکہ ایک ہی جنس کی ایک جزو دوسری جزو سے جتنے کہ حقیقی بھائی بہن اور باپ بیٹے کی جیسی شکل و صورت و طرز میں بہت فرق ہوتا ہے۔ اور یہ اختلاف اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ ہر ایک روح جسم کی خاصیت میں کوئی ایسا تفاوت ہے۔ جس کی وجہ سے صورت و طرز وغیرہ میں اختلاف ہے۔ اسی واسطے ازو رنگ دُبلے پتلے آدمی کو گندیتے ہیں۔ کہ صفراوی مزاج ہے۔ سفید رنگ دُبلے گندے کو دیکھ کر کہہ دیتے ہیں کہ بلخی مزاج ہے۔ اور سب ہر ایک کی خاصیت

موجباً اختلاف ہے اور ہر ایک کی خاصیت اُس کی ذات سے کبھی جدا نہیں  
ہو سکتی۔ تو ایک روح کا ایک جسم میں رہنے کے بعد دوسرے اُس سے متغایر  
(جنین) کے جنم میں جانا۔ اگر تسلیم کر لیا جائے تو دو متضاد خاصیتوں کا ایک  
جمع ہونا لازم آیا۔ اسی طرح سینکڑوں ہزاروں اجسام میں جانے سے متضاد خواص  
وصفات کا بار بار ایک جا جمع ہونا لازم آئے گا۔ جو خلاف عقل ہے پس آریوں  
کا اوگون باطل ہوا۔ وید کی ترکی تمام ہوئی اور اُن کی فلسفیت ٹھٹھ  
ہوئی +

اور افلاطون نے یہ بھی کہا ہے کہ نیک آدمی کی روح بدن سے جدا ہونے  
کے بعد روحانیوں میں جا ملتی ہے اور ابدی عیش حاصل ہو جاتا ہے اور بد آدمی  
کی روح بدن سے جدا ہونے کے بعد غیبت روحوں میں جا ملتی ہے اور ابدی  
عذاب میں مبتلا ہوتی ہے (دل و خصل ص ۳۳۷ جلد ۲) اس قول سے اوگون  
باطل ہوا اور شریعت اسلام کے موافق علیہین اور سچائیں اور جنت و دوزخ  
کا ثبوت ہوا اور آریوں کا وہ عقیدہ ٹوٹ گیا کہ جو ازلی نہیں ہے وہ ابدی نہیں  
ہے۔ کیونکہ افلاطون نے روح کے عذاب و ثواب کو ابدی کہا اور روح کا حادث  
ہونا آرسطو کے قول سے اوپر لکھا جا چکا ہے۔ اور جب اکثر حکماء کا شفق علیہ  
معتقدہ ہے کہ ازلی اور قدیم حقیقی عزت باری تعالیٰ کی ذات ہے۔ باقی کسی چیز  
کا وجود اس کے ساتھ نہیں (دل و خصل صفحہ ۳۶ جلد ۱۰ صفحہ ۲) تو خواہ  
روح ہو۔ خواہ مادہ۔ خواہ کوئی اور چیز۔ بالاتفاق حکماء کے سب حادث ٹھہرے  
معتقدہ اسلام ہے اور جو حادث ہے وہ ازلی نہیں۔ تو اس اصول کے رد سے  
بالاتفاق حکماء روح ازلی نہیں۔ پس آریوں کا یہ عقیدہ۔ کہ روح مادہ ازلی ہیں۔  
قبول نہ کیا باطل ہوا +

ہم لوگوں کو کچھ عزت نہیں کہ فلسفہ حقہ یعنی قرآن شریف کے اصول  
و مسائل کا ذکر کرتے وقت کسی حکیم یا فلسفی کا قول کوئی پیش کریں۔ کیونکہ اُن کی  
سب باتیں قیاسی۔ ظنی اور اُنکل بچو ہیں اور قیاس اور ظن ہمارے نزدیک  
کوئی حجت نہیں ہے اِن الظن لا یغنی عن الحق شیئاً +

مگر آریہ وغیرہ جو شور مچا رکھا ہے۔ کہ ہم قرآن فلسفی ہیں۔ اور قرآن کی باتیں  
ظن و حکمت ہیں۔ اس لئے اقوال مجاہد کا ذکر کیا گیا۔ تاکہ عام طور ظاہر و ثبات

ثابت ہو جائے کہ آریہ لوگ جس طرح صداقت مذہب کے دعویٰ میں خالی ہاتھ ہیں اسی طرح حکمت و فلسفہ کے شور و غوغا میں بھی نہسے و موصول کے پل ہیں۔ اور قرآن کریم جس طرح اپنی فصاحت و بلاغت اور حسن ہدایت اور استحکام قواعد شریعت اور تاثیرات میں یکتا اور مثال ہے اسی طرح حکمت حق سے بھی ملامت ملے گی۔ بلکہ جس نے غور کیا ہے جان لیا ہے۔ اور جب کبھی تعصب سے خالی ہو کر غور کرے گا تو جان لے گا کہ اصل حکمت کی بات وہی ہے جو قرآن کے موافق ہے اور جو بات قرآن کے موافق نہیں وہ حکمت سے نہیں۔ اگرچہ کیسے ہی فلاسفہ کی زبان یا قلم سے نکلی ہو۔ کیونکہ قیاس الہام الہی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا حکام کی باتیں قیاسی اور ظنی ہیں اور قرآن پاک کی باتیں قطعی اور یقینی اور حقیقی فلسفہ اور سائنس ہیں۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے: **وَأَنْتُمْ أَعْلَمُ الْإِسْلَامَ** کیا تم زیادہ جانتے والے ہو یا اللہ تعالیٰ ایات الکتاب الحکیم یہ حکمت و وحی کتاب کی آیات ہیں۔ **وَالْقُرْآنُ الْحَکِیْمُ** اور یہ قرآن شریف سراسر فلسفہ حقانی اور حکمت ربانی ہے **تَنْزِیلُ الْکِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِیزِ الْحَکِیْمِ** یہ کتاب اُس اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے جو کامل قدرتوں اور کامل حکمتوں والا ہے۔ **لَا یَاْتِلُهُ الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِیلُ مِنْ حَکِیْمٍ حَمِیدٍ** اس کتاب میں آج بچے کبھی غلطی کا دخل ہی نہیں۔ اس لئے کہ یہ کامل حکمت اور اعلیٰ درجہ کی تحریروں والے خدا کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ اور بھی قرآن شریف میں: **مِثْبُوتٍ عَلَیْهِ عِلْمٌ** جیسا بھی ارشاد ہے۔ تو بات یہ ہے کہ اس قسم کی آیات حکماء دنیاوی اور فلسفیان ظاہری ہی کے ہر میں آتی ہیں۔ جبکہ فلسفہ محض قیاسات جیسا اور شکل پتہ ہے۔

اور ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَرَحُوا بِمَآ عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ وَكَانَ بَیْنَهُمْ مَا كَانُوا بِهِ لَیْسَتْهُمْ سُبُحُونَ (مومن ۸۴)** جب کبھی کوئی رسول و مہدی یا نبی لایا ہے۔ لوگ انہیں باتوں پر مغرور رہے۔ جیسا کہ اپنے نزدیک علم اور فلسفہ خیال کرتے تھے اور آخر کار اس خود پندی کا وبال اُنہیں پڑتا رہا ہے۔ پس جس طرح نادان بچے اشراف و فضول سرکھات کرتے ہیں تو اُن کے ہندو یوں کہہ دیتے ہیں کہ بچہ تم بچے ہو۔ اس بات سے تکذیبی غرض ہے۔

اسی طرح سورہ یحییٰ امیر اہل میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **وَمَا أَوْتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِیلًا**

ہم تم اپنے علم کو کیا سمجھتے تھے۔ تنکو تو بہت ہی کم علم دیا گیا ہے۔ تم اپنی ضرورت کو دیکھو۔ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کی حقیقت کو کہاں تک جان سکو گے۔ اور فی حقیقت بات بھی یوں ہی نکلتی ہے۔ ہزار ہا نامی گرامی فلاسفر و سائنس دان اور ریاضی دان ان باتوں کی ہنگ و دو میں مرت کئے گئے۔ لیکن پتہ کسی کو نہ ملا۔ ایک کی بات کو دوسرا رد کرتا چلا آیا ہے۔ زیادہ نہیں تو شے غور از ضرور سے تنکون عالم اور مدوش و قدم عالم۔ حرکت و سکون۔ علت و معلول۔ قد و دنیا وغیرہ ہی کی بحث کو دیکھ کر دماغی و عقلی منہ جلد ۲۔ صفحہ ۱۱۴-۱۱۵۔ ۶۳۷-۶۳۸ جلد اول۔ اور پڑے پڑے حکماء نے خود اقرار کیا ہے کہ ہماری عقلیں اس بھید کو نہیں پاسکتیں۔ کہ جہاں کس چیز سے بنا۔ انسان کو صرف یہ کہنا چاہئے۔ کہ پاری تعالیٰ نے جو کچھ چاہا اور جس طور پر چاہا بنا دیا۔ دیکھو قول حکیم کسٹوفالسی و حکیم ذیتون اکبر وغیرہ۔ (دغل و خل منہ) ۱۱ وغیرہ ۴

اور اس دماغ کے فلسفی کلم کلام اور بے تحلف کہہ رہے ہیں کہ نئی تحقیقات نے پورے فلسفہ کو غلط کر دیا۔ اور اس نئی کا یہ حال ہے کہ ابھی اس میں بھی بہت اختلاف اور باہم بدو بدل ہے۔ پس دنیاوی فلسفہ جو محض قیاس پر مبنی اور تضاد و تاویں کا مجموعہ ہے۔ نصف حقہ انبیاء کا کسی طرح بطل نہیں ہو سکتا اور غلطہ انبیاء ہمیشہ ہر حال میں ماننے کے لائق ہے ۴

## کلام ربانی میں انسانی ہستی کے آغاز و انجام کا ذکر

هل اتى على الانسان حين من الالام  
لم يكن شيئا مذكورا۔ انما خلقنا  
الانسان من نطفة امشاج نفتليه  
فجعلناه سميعا بصيرا۔ انا  
من الله رب العالمين  
انسان پر زمانہ میں ایک وقت  
آیا بھی آچکا ہے۔ جب کہ وہ کوئی شے  
تھی نہ تھی۔ ہم نے انسان کو مزہ و حیات  
کے مرکب نطفہ سے بنایا۔ ہم رحم میں



ہدیناہ السبیل اما شا کرا واما انہ کی حالتیں بدلتے رہے پس اُسے  
کھنوراء مستند دیکھتا بنایا۔ ہم نے اُسے دین کا

راستہ دکھا دیا۔ پھر باتو ایسے اختیار سے شکر گزار ہے یا ناظکوا

یا ایہا الناس ان کنتم فی ریب من  
البعث فان اخلقکم من تراب ثم  
من نطفۃ ثم من علقة ثم من مضغۃ  
مخلقة و غیر محفۃ لنسبہن لکم ولقتر  
فی الارحام ماشاء الی اجل مسمی  
ثم نخرجکم طفلا ثم لتبلغوا اشدکم  
ومنکم من یتوفی من قبل ومنکم من  
یرد الی ازل العمر لکیلا یعلم من بعد  
علم شینا و تری الارض هامدة  
فاذا انزلنا علیہا الما مہتزت وربت  
وانبتت من کل زوج زوجہ و ذالک  
ہا ان اللہ ھو الحق و انہ لیلحی الموتی و انہ علی  
کل شیء قذیر و ان الساعة اتیت لا ریب  
فیہا و ان اللہ یمیت من فی القیور

پچھے آؤں کو سو مہینوں تک زندہ رہے۔ اور اللہ مخاطب تو زمین کو دیکھتا ہے کہ  
جس میں جو کچھ ہے پھر جب ہم اُس پر بھی برسات دیتے ہیں تو وہ لپٹنے  
اور اُبھرنے لگتی ہے اسی طرح کی ٹوٹنا دیکھ لگی کہ اچھاتی ہے۔ یہ سب تصرفات  
اُس بات کی دلیل ہیں کہ اللہ برحق ہے اور اُس کی کہ وہ مُردوں کو جلاتے گا اور  
اُنہ کی کہ اللہ تعالیٰ تمام اہل جہنم کو جلد اُٹھائے گا۔

طاہر آدمی کہ پہلے اس کا سلسلہ پرکھ کر مٹی سے انسان کی قضا پیدا ہوتی ہے وہ اُس کو کھانا اور اُس سے خوب چیزیں  
پیش کرتی ہیں اور انہ مٹی پر مڑنے کی منی عورت کے رحم میں جاتی ہے۔ اور انہی میں آپس میں آمیت  
اور احباب کا کھانا ہے پھر خون کا لہر اُٹھتا ہے پھر زیادہ ریت بہ کر بٹی بن جاتا ہے۔ اس کے بعد پھر پھر  
خدا تعالیٰ کی محبت اور اللہ کی رحمت کے مطابق دین کا کھانا تیار ہو جاتا ہے۔ یہ سب  
معاذ اللہ اور اللہ کے تعالیٰ ہوتا ہے۔ یہ سب اللہ کے تعالیٰ ہی ہوتا ہے۔ یہ سب اللہ ہی ہوتا ہے۔

فَوَهَبْنَا لَهُمُ الْغَيْبَ وَالشَّهَادَةَ الْعَزِيزَةَ  
 لِمَنْ جَاءَهُمْ مِنْهُ وَبَدَّلْنَاهُ بِمَنْ جَاءَهُمْ  
 خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ  
 مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ مَاءٍ مَهِينٍ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ  
 وَكُفْرًا فِيهِ مِنْ رُوحِهِ وَجَعَلْنَاهُ لِكُلِّ شَيْءٍ  
 قَدْرًا وَأَلْبَسْنَاهُ لَبَاسًا قَبِيلًا مَا يَشْكُرُونَ  
 اُس کے قالب کو درست کیا اور اُس میں اپنی طرف سے روح پھونکی اور تہا رہے  
 نئے نئے کان دیکھنے کو آنکھیں اور سمجھنے کو دل بنایا۔ اس پر بھی تم شکر گزار  
 کم کرتے ہو +

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ قَرَابٍ ثُمَّ مِنْ  
 نَطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا  
 ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشَدَّكُمْ ثُمَّ لَتَكُونُوا فِي رَحْمَةٍ  
 وَمِنْكُمْ مَنْ يَتُوفَىٰ مِنْ قَبْلِ وَلَتَبْلُغُوا أَجَلَ  
 مُّسَمًّى وَلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ (۲۰)  
 ہو جاؤ۔ اور تم میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو ان وقتوں سے پہلے مر جاتے ہیں  
 اور تم کو تم ایک وقت مقررہ (موت) تک پہنچاؤ۔ اور تو کہ خدا کی قدرت کو سمجھو  
 واللہ اخر حکہ من بطون اہل انکھ اور خدا نے تمکو تہا رہی ہذا کے پیشوں  
 لا تعلمون ثبیتاً وجعل لکم السمع والابصار  
 والالامۃ لعلکم تشکرون (۲۱)  
 تھے۔ اور اُس نے تہا رہے کان آنکھیں

اور دل پیدا کئے۔ تو کہ تم خدا کا شکر کرو +  
 يُخْرِجُكُمْ مِنْ بَيْتٍ مِنْ الْمِيتَةِ وَيُخْرِجُكُمْ مِنْ  
 بَيْتٍ مِنْ الْأَرْضِ بَعْدَ مَوْتِكُمْ وَلَكُمْ  
 تَخْرُجُونَ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُمْ مِنْ  
 قَرَابٍ ثُمَّ إِذَا أَنْتُمْ لِبَشَرٍ تَشْتَرُونَ  
 وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ أَنْفُسَكُمْ  
 وَأَبْوَاجًا لَتَسْكُنُوا فِيهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ  
 مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ  
 يَعْقِلُونَ  
 وہی زندہ (جائداد) کو مردہ (نطفہ) سے  
 نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے اور زمین  
 کو اُس کے مرنے کے بعد زندہ کر دیتا ہے  
 اور اسی طرح تم قبروں سے نکل پڑو گے  
 اور خدا کی قدرت کے نشانوں میں سے  
 یہ ہے کہ اُس نے تمکو مٹی سے بنایا۔ اور  
 اس تم انسان ہو جو ہر طرف پہنچاؤ

یخرج ائحی من المیت و یخرج ائحی من الارض بعد من تہا و کذا لک  
 تخرجون و من آیاتہ ان خلقکم من قراب ثم اذا انتم لبشر تشترون  
 و من آیاتہ ان خلق لکم انفسکم و ابواجا لکون فیہا و جعل بینکم  
 مودة و رحمة ان فی ذلک لآیات لکون یعقلون  
 وہی زندہ (جائداد) کو مردہ (نطفہ) سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے اور زمین کو اُس کے مرنے کے بعد زندہ کر دیتا ہے اور اسی طرح تم قبروں سے نکل پڑو گے اور خدا کی قدرت کے نشانوں میں سے یہ ہے کہ اُس نے تمکو مٹی سے بنایا۔ اور اس تم انسان ہو جو ہر طرف پہنچاؤ

بیٹھ کر وہ ایاۃ خلق السموات والارض واختلاف السنن والوانام ان فی ذلک لآیت للعلیین

ہو۔ اور اسی کے نشانات قدرت میں ہی ہے کہ اُس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس کی بیبیاں پیدا کیں۔ تاکہ تمکو آبی طرف رغبت کرنے سے چین لے۔ اور تمہارے درمیان پیار اور اخلاص پیدا کیا یقیناً اس بات میں سوچنے والوں کے لئے بڑے نشانات قدرت ہیں۔ اور اسی کے قدرت کے نشانات میں سے زمین و آسمان کا پیدا کرنا اور تمہاری زبانوں اور نگوں کا اختلا ہے۔ یقیناً اہل علم کے لئے اس میں بڑے نشان ہیں +

اللہ الذی خلقکم من ضعف ثم جعل من بعد ضعف قوۃ ثم جعل من بعد قوۃ ضعیفۃ لعلکم توعیون

اور وہی ذات ہے برقی جس نے تم کو کمزور حالت سے جو ماں کے پیٹ میں برقی قوۃ ضعیفہ بنائی مایہ شاہو ہے بنا کر رکھا۔ پھر کمزوری کے بعد تم میں قوت جوانی پیدا کی۔ پھر قوت جوانی کے بعد کمزوری اور پھنسا پا پیدا کیا۔ جو چاہتا ہے کہ اسے اور وہی علم اور قدرت والا ہو +

هو اعلم بکما ذالک من الارض واذ انتم اجنت فی بطون امہاتکم فلا تزکرا انفسکم هو اعلم بن الخلق رحمہ

نفسوں کو پاک اور مطہر مت کہو۔ خدا خوب جانتا ہے جو وقتی اس پر ہر گاہ ہو +

هو الذی یصورکم فی الارحام کیف یشاء لا اله الا هو العزیز الحکیم

وہی اور ہے جو ماؤں کے رحم میں جس طرح پر اسکی حکمت تقاضا کرتی ہے انسان کی تصویر بناتا ہے اُس کے سوائے کوئی معبود برقی نہیں۔ وہی اعلیٰ حکمت والا اور قدرت والا ہے +

خلق السموات والارض بالحق وصورکم فاحسن صورکم والیہ المصیر (نشان)

تو کیسی اچھی صورتیں بنائیں۔ اور سب کی بعور اللہ کی طرف ہے +

فلینظر الانسان مسداً خلق وخلق من ماء دافق ینخرج من بین الصلب والخصیۃ

انسان کو چاہئے کہ وہ غور کرے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ پیدا کیا ہے پانی سے جو اُپھل کر نکلتا ہے اور نکلتا ہے +

والله خلقكم من ثواب ثور من نطفة  
فرب جعلكم ازواجاً وما تحمل من انثى  
ولا تضع الا يعلمه وما يعمر من معمر  
لا ينقص من عمر الا في كتاب - ان  
ذلك على الله يسير

ہے اور نہ کسی کی عمر کم کی جاتی ہے۔ مگر یہ سب کتابِ علمِ الہی میں موجود ہے۔ یعنی خدا کے علم و حکمت سے ہوتا ہے۔ اور کچھ شک نہیں ہے کہ یہ سب اللہ کے نزدیک ایک سہل سی بات ہے۔

يخلقكم في بطون امهاتكم خلقاً من  
بعد خلق في ظلمات ثلاث ذاك  
الله ربكم له ملك لا اله الا هو فاني  
مبصر

ہے۔ اس کے سوا کوئی پوجا کے لائق نہیں۔ پھر تم کو صر پھرے چلے جاسے ہو +  
ان تکفروا ان الله خلق منكم ذواتاً  
لعبادا لا تكفروا ان تذكروا يد الله  
لكم ولا تزدوا له وذر احوالى ثور الى  
ربكم ورجعكم فیتبكم بما كنتم  
وانه عليم بذات الصدور

خبریں پھر تم سب کا رجوع تمہارے رب کی طرف ہے پھر وہ تم کو تمہارے حال پر مطلع کر دے گا۔ بلاشبہ وہ سینہ کے اندر کی باتوں سے واقف ہے +

طہ حاشیہ (۴) بظاہر جو بڑا نامی گرامی حکیم ہے، شہرہ ہے کہ کسی مرد کی جبرائیل کی طرح میں ہوتی ہو  
اچھے سنگین جو کائنات کے پچھلے عرصہ میں پیدا ہوئے ہیں ان میں آتی ہے اور ان سے  
نوجوں میں اور اس کا سلسلہ سلسلہ مرد اور عورت کے خلیج میں۔ غرضیکہ مٹی کا تمام راستہ پیدا دینے کی ضرورت  
پچھلے میں ہے فصل کتب میں جیکو۔ ایک جائزہ کے بعد عصری حالت دہاتی ہے کہ پہلے نطفہ دہا ہے پھر تھراپہ  
ہوتی پھر اس میں پڑیاں اور ہل پیدا ہوتے ہیں۔ اس میں انصاف اور عیروں سے اس بات کی طرف اشارہ ہے پڑ  
ہوتا ہے اور بیٹ کے بچا جانے (مرد) اور عجم کے اندر جلی جس میں بچہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ وہ آؤں کے  
ساتھ باہر نکلتی ہے ۱۱۶

قتل الإنسان مآلاً وہ من ائ قیسئ انسان کا فرار پر خدا کی لعنت وہ کس قدر  
 خلقه من نطفة خلقه فقد رشح خلقه من نطفة خلقه  
 السبیل یسرہ۔ اور امانتہ فاقبہ وہ نطفہ (تخیر) سے کہ پہلے اُسے بنایا پھر اُس  
 ثم اذا شاء انشره کلاماً یقض ما کہ نے ایک قانون بانڈھ دیا۔ پھر ہدایت  
 مروه فلینظر الانسان الی طعامه انا پانے کا راستہ اُس کے لئے آسان کر دیا۔  
 صینا الاما صبا ثم شققنا الارض پھر ایک وقت خاص تک زندہ رکھ کر دے  
 شقاء فابیتنا ینہا حیاہ وعبیاء مارویا۔ پھر اُس کو قبر (عالم ہنخ) میں لے جا  
 قضبا وزینونا۔ وخلقنا وحدانی غلباہ کما پھر حسب چاہت محاسبے و دوبارہ اُٹھا کر اُٹھا  
 یولکھ را با متاع الکرو الانما مکھ کرے گا۔ سنو! انسان نے اس حکم کی تعمیل

نہیں کی جو خدا نے دیا تھا۔ تو چاہئے کہ اور نہیں تو اپنے کھانے ہی کی طرف  
 خیال کرے کہ ہم نے اوپر سے بیہہ برسیا۔ پھر ہم ہی نے زمین کو پھاڑا۔ پھر ہم نے  
 زمین میں سب کچھ بکھریا۔ یعنی غلہ، لکڑ اور ترکاریاں اور کھجوریں اور گنے گنے باغ  
 اور میوے اور چار پائے۔ یہ سب اس لئے کہ تم کو اور تمہارے چار پاؤں کو قیام دے۔  
 لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ہم نے انسان کو نہایت عمدہ سے عمدہ نقشہ  
 ثم اردناہ اسفل ساقطین۔ پھر پیدا کیا۔ اور تقویم عالم کی متفرق خوبوں

اور نعموں کا ایک ایک حصہ انسان کو عطا فرما کر وہ جہاں جہاں شیعیں عالم  
 اُس کو ہمیں شہریا۔ پھر اُس کی خدمت سے تہا ز کرنے کی وجہ سے ہم نے اُسکو  
 نیچے سے نیچے صبر میں گرا دیا۔ اُن کی مدد مافی اور جہانی مددوں حالتیں پھرین ہو گئیں  
 ثم خلقکم من مادھین فجعلنا فی انکھ اکیا ہنے خیراتی (یعنی منی) سے نہیں  
 خوار تمکین الی قدر معلوم فقد انا ابدا کیا کہ ابتدا میں تم نطفہ تھے، پھر ہم نے  
 فنجعلکم القادون۔ اُس کو آپ وقت مقررہ تک ایک محفوظ

جگہ دیی عورت کے رحم) میں رکھا۔ پھر ہم نے اُسکا ایک اعجازہ (قانون) ٹھیرایا تو ہم کیا  
 خوب ملان کوٹنے والے بن دیہے کیسے پابستہ قانون ہیں۔ جن میں کبھی اور کسی حال  
 میں فرق نہیں آسکتا۔

ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من اللہ تعالیٰ فرما ہے کہ پہلے تو ہم نے انسان  
 طین ثم جعلناہ نطفۃ فی قرار ملکین۔ کو اسی مادہ سے پیدا کیا جو تمام انواع اور  
 ثم خلقنا النطفۃ علیکھ خلقنا علیکھ اقسام کی ابتدا انھی دنیاات و دنیاات

مُصَنِّعٌ فَخَلَقْنَا الْمَصْنُوعَ عَظَامًا فَكُسُونَا  
 الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنشَأَ خَلْقًا آخَرَ فَبَارَأَ  
 اللَّهُ أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ •

تھیلی جو ساتھ ہی رحم میں بنتی گئی۔ جگہ دی دقار کین کا حفظ اس لئے استعمال کیا۔ تا  
 رحم اور تھیلی دونوں پر اطلاق پاسکے اور پھر ہم نے نطفہ سے علقہ (خون بستہ) بنایا  
 اور علقہ سے مضغہ (دوبئی) بنایا اور مضغہ کے بعض حصوں میں سے ہڈیاں اور  
 ہڈیوں پر پوست پیدا کیا۔ پھر اُس کو ایک اور پیدائش دی یعنی روح اُس میں ڈال  
 دی۔ پس کیا ہی مبارک ہے وہ خدا جو اپنی صنعت کا رسی میں تمام صناعات کو بحال  
 حسن صنعت و کمال عجائبات خلقت بڑھا ہوا ہے •

خداوند لایزال و ایزد متعال نے اپنے یہ قدرت کاملہ سے اس انسان ضعیف  
 البیان کو اشرف المخلوقات بنایا۔ تمام حیوانات و نباتات و جمادات کو اُس کے تابع  
 حکم اور زیر فرمان کیا اور اُس کے بدن میں صنعت گوئی گون و مکت۔ بوتلمون بھریں  
 کہ جس سے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے اور عقل چکر کھاتی ہے۔ انسان ہو یا کوئی اور اکثر  
 جسمانی ساخت میں سب افراد ملتے ہیں۔ صرف قدر و قیامت اور خط و خیال میں فرق  
 ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے گویائی عطا کی۔ اور حیوان اس سے محروم۔ صنایع بہت  
 و حکم مطلق کی صافی کا ملاحظہ کیجئے۔ کہ ایک قطر آب ناپاک سے حضرت انسان کو  
 پیدا کیا۔ اور پھر اُس قطر آب کو تنگ و تاریک مکان لمی میں چکر دیکر اور اپنا کرشمہ  
 قدرت دکھا کر خلقت اقسام کی صورتیں بنادیں۔ پھر اُس کی شان کبریائی اور دست  
 قدرت کی صنعت و کجی کے طریق تناسل ایک قاعدہ و توالد ایک نگر لوگوں کی صورتیں  
 ایک ایک اور جدا جدا •

آل صانیع لطیف کہ بر فرش کائنات • چند میں ہزار صورت الاول نیگار کو  
 هو الذی یصور کمفی الاھام کیف یشاء پھر قاعدہ مطلق کی قدرت کا تماشہ عاینہ  
 ہونے کی بجائی آدم کی ترکیب جسم ایک اعضا و حشاہ ایک۔ مگر چہرہ انسان پر ایسی قدرت  
 چھپائی کہ ایک دوسرے سے شکل کا ملنا محال۔ عضو گوئیائی ایک و طاقت گفٹا۔  
 ایک مگر کوس پر کوس قطعہ زمین پر اوصناع و اطوار و کفکار کا فرق۔ صانیع قدرت نے  
 انسان کے تمام اعضاء انہیں کو زیادہ تر سخت و پایدار بنا کر انہی کے ذریعہ بدن  
 کی شخصی تیار کی اور تمام نازک و نرم احشا و اعضا کو انہیں پر ترتیب دیکر مستحکم

جیسا کہ اس دیکھنے سے ظاہر ہوا کہ وہ سر سے پیر سے ہیں۔ اور ان ٹیڑیوں کو  
بڑیلہ، رباحات یعنی سیبوں کے متبرک کیا ساسی طرح ایک ایک انسان استخوانی قدی  
طرح پر ہوئی۔

پھر یہ اطباء اس بات کا شہد ہے۔ کہ جب خدا تعالیٰ انسانی خلق سے کسی بچہ کو  
رحم میں بنائے گا تو اسے فرماتا ہے: نو پیسہ۔ و عورت کا دلفظ رحم میں ٹھیکہ ہے  
بچہ چند روز کے بعد ان دونوں میں سے انزاج سے کچھ تغیر مادی ہو کر جسے ہوتے  
خون کی طرح ایک چیز بن جاتی ہے جس پر ایک نرم سی علی ہوتی ہے۔ یہ جھلی جیسے جیسے  
بچہ بڑھتا ہے۔ یہ بھی جانی ہے۔ یہاں تک کہ خاکی رنگ کی ایک تھیلی سی ہوجاتی ہے  
جو گھٹری کی طرح نظر آتی ہے۔ اور ایسی تجلی خلقت تک بچہ اُس میں ہوتا ہے۔ پھر  
وہ بچا ہوا خان جس کا نام معد ہے ایک مسطح گوشت ہوجاتا ہے جو انسانی شکل  
کا کچھ خاکہ نہایت دقیق طور پر اپنے اندر رکھتا ہے۔ اس وجہ پر اگرچہ جنین ساقط  
ہو جاتا ہے تو اُس کی طرف یہ نظر غور دیکھنے سے کچھ خطوط انسان بننے کے اُس میں  
ترکعاتی دیتے ہیں۔ چنانچہ بعض بچے اسی حالت میں بھی ساقط ہوجاتے ہیں۔ جن  
میں تو بی کو کبھی یہ اتفاق پیش آتا ہے یا وہ واپس کا کام کرتی ہیں۔ اس حال سے خوب  
واپس پڑتے ہیں۔

بچہ جو تھا مدد وہ ہے جب معد سے بڑیاں بنائی جاتی ہیں۔ جیسا کہ آیت  
فَلَمَّا مَضَتْ عِظَامًا بَيَان فرماتی ہے مگر المصنفہ پر الف لام ہے۔ وہ تخصیص  
کے لئے ہے جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ تمام مصنفہ بھی نہیں بن جاتا۔ بلکہ  
جہاں جہاں بڑیاں درکار ہیں باذن تعالیٰ اسی نرم گوشت کسی قدر صلب ہو کر ٹہری  
کی صورت بن جاتا ہے۔ اور کسی قدر بدستور نرم گوشت رہتا ہے اور اس درجہ  
پر جو ٹھکرہ انسانی شکل کا کھلا کھلا خاکہ تیار ہوجاتا ہے۔ اس خاکہ میں انسان کا اصلی  
وجود جو کچھ بنا چاہئے تھا بن چکا ہے۔ لیکن وہ نجی اُس لحم سے خالی ہوتا ہے۔  
انسان کے لئے بطور ایک موٹے اور شان دار پکیلیے لباس کے ہے۔ جس سے اپنے  
کے تمام خط و خال ظاہر ہوتے ہیں جن پر تاہنگہ اور خوبصورتی پیدا ہوتی ہے اور  
مناسب مصداق پیدا ہوجاتا ہے۔

پانچویں وجہ میں اس خاکہ پر لحم یعنی سونا گوشت بہ رعایت مواقع مناسب  
پیدا ہوتا ہے کہ جب انسان تب وغیرہ سے بیمار رہتا ہے تو فاقہ اور بیماری

کی تخلیف شوق سے وہ گوشت تحلیل ہو جاتا ہے۔ یہ سب اوقات اللہ تعالیٰ کی غرض کی حالت پر پہنچ جاتا ہے۔ جو صورت ڈھانچہ جیسی حالت احوال رہ جاتا ہے۔ جیسے موقوفوں اور مسلوں اور اصحاب ذیابلیس میں مرض کے انتہائی درجہ میں یہ صورت ظاہر ہوتی ہے۔ اور اگر کسی کو حیات مقدر ہوتی ہے تو پھر خدا تعالیٰ اس کے بدن پر گوشت چڑھا دیتا ہے۔ عرض یہ وہی گوشت ہے جس سے خوبصورتی اور تناسب اعضا اور روحی بدن پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ گوشت تیار ہونے کے بعد آہستہ آہستہ جینین پر پڑھتا ہے۔ اور جب جینین اس کا مناسب حصہ لے لیتا ہے تب باوجود تعالیٰ اس میں جان پڑ جاتی ہے۔ تب وہ نباتاتی حالت سے جو صرف نشوونما ہے، منتقل ہو کر حیوانی حالت کی خاموشیت پیدا کر لیتا ہے اور پیٹ میں حرکت کرنے لگتا ہے۔ پھر مدت مہوہ کے بعد رحم سے ٹھکڑا بنا سوراستانی شکل میں نمایاں ہوتا ہے۔

ہے فتبارک اللہ احسن الخالقین +

# انسان اور اس کی ہستی کی تالیف

## انسانی ہستی کے آغاز و انجام

### کا عبرت ناک نظارہ

اللہ اکبر! اللہ کی کیا شان ہے اس نے انسان کو کس چیز سے پیدا کیا اور پھر کیسا بنایا اور بڑھایا کہ اسکی حقیقت پر نظر کر کے دنیا کے سارے غاسق اور حکمران اور لب بندہ اہل ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو قرآن شریف میں فرمایا ہے کہ وفی انفسکم افلا تبصرون نہایتی ذالوں میں بھی قدرت الہی کے عجیب نشان ہیں۔ کیا تم دیکھتے نہیں۔ واقعی قابل غور ہے۔ انسان کی اصلیت کیا ہے اور پھر کیا ہو جاتا ہے۔ یہ امر بڑا ہی تنہد و تفکر کے قابل ہے۔ ہر ایک انسان اگر اپنی زندگی کی تاریخ کے آغاز و انجام پر نظر کرے تو ایک عمر تنگ سبب مشاہدہ کرے گا اور اپنی ابتدا و انتہا اور ہستی ناپائیدار کا نقشہ اس کی آنکھوں سے سامنے آجائے گا اور اللہ تعالیٰ کی فوق الفوق قدرت اور عباد الہی حمت کا نظارہ اس سے نظر



آئے گا۔ اے تعالیٰ نے انسان کو کس طرح اور کس چیز سے پیدا کیا۔ اور پھر آخر  
اُس ذات غنی نے کس وجہ اُس کو فنا کا برقعہ اُٹھا کر نیست و نابود کر دیا۔ یا تو چلتا  
پھرتا۔ ہانپتا۔ جیتا۔ بولتا۔ بات چیت کرتا تھا یا اُس کی ہستی کا نام و نشان تک  
نظر نہیں آتا۔ ومن وراثہم بوزخ الی یوم یبعثون۔ منہا خلقناکھ و منہا نعیمک  
ومنہا نخرجک تالۃ آخری ۛ

## رباعی

اعلان ہے کل من علیہا فان  
کل شیئی ہالک الا وجہہ  
بقی ربک ذوالجلال والا کرہم  
کل نفس ذایقۃ الموت کا جام

جو چیز بنی ہے ہوگی اک روز فنا  
کوئی نہ رہے گا اور۔ ایک ہے راز  
حادث کو کہاں جہاں فانی میں بقا  
باقی جو رہے گی تو ہے اک ذات خدا

ہر وقت کا روان میں آتی ہے صدا  
جہاں ہے یہاں وہ مقام آگئے ہے  
منزل ہے فنا کی مت لگاؤ ڈیرا  
اس سے آگئے ہے وہ بسیرا اپنا

ہرگز نہ رہے کا حق محبوبوں کا  
اللہ کا نام ہی رہے گا دیم  
اک روز مٹے گا نازب خوبوں کا  
کمال سے لگاؤ کیا ہے میوبوں کا

یہ سارے محل اور مکان عالی شان  
لا ریب کہ اک دن بھی ہونگے دیران  
یہ باغ صحن چمن اور یہ دیواں  
الآن کہاں ہے اللہ کی شان

اس باغ جہاں میں دل لگانا افسوس  
کرتے ہی وفا نہیں یہ نگہائے چمن  
نشا دہانی پہ اس باغ کے جانا افسوس  
بلبل کا چمن میں جیہاں افسوس

ہم چاہتے ہیں کہ ان کے ابتدا و انتہا کی ایک مختصر تاریخ انسان غافل کی نظر  
کے سامنے پیش کریں۔ اور اُس کی ہستی کے آغاز و انجام کا ایک عبرت انگ  
نظارہ دکھا کر قادر مطلق کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کا ایک نقشہ دکھائیں اور صلوٰۃ

لکھیں کہ وہ اصل میں کیا تھا۔ اور آخر کار کیا ہو جاتا ہے۔ دنیا میں وہ کس طرح آباد  
 ہے۔ اور پھر آخر کار کس طرح یہاں سے چلا جاتا ہے۔ اور اس کے وجود خدائی کا انجام  
 کیا ہوتا ہے۔ ہر ایک انسان کو مناسب ہے کہ اسے غور سے پڑھے اور اپنے آغاز و  
 انجام پر نظر کر کے عبرت حاصل کرے +

انسان کی پیدائش کا مادہ کیا ہے؟ منی کی ایک ناچیز بوند جو عودت کے رحم میں  
 داخل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر غور کرو۔ انسان کی پیدائش کس چیز  
 سے ہے؟ ان کیڑوں سے جو مرد کی منی میں باذنہ تعالیٰ پیدا ہو جاتے ہیں عورت  
 کی منی میں چھوٹے چھوٹے کیسے ہوتے ہیں اور مرد کی منی میں چھوٹے چھوٹے کیڑے  
 (حیوانات منویہ) جو خوردبین سے اس شکل کے دیکھے جاسکتے ہیں :-

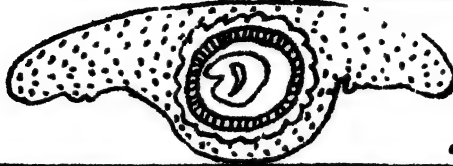


حیوانات منویہ کی شکل



۱۔ اگر ایک قطرہ منی کا پانچ سو مرتبہ ڈالا  
 دکھائی دینے والی خمد چن میں رکھ کر دیکھا جائے  
 تو اس میں ایک عجیب عالم دکھائی دیتا ہے  
 یہی ہککونی جانور چھرتے نظر آتے ہیں۔ ان  
 جانوروں کی شکل نہایت سیدھی سادھی  
 ہوتی ہے یعنی ایک مڑا سا سر اور ایک ٹیکم  
 جس کو ۹ پا کر اور ۹ سر چھرتے ہیں +

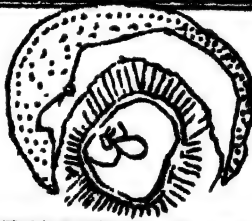
جب یہ دونوں آپس میں مل جاتے ہیں تو مکمل کرار پاتا ہے۔ اور مرد کی منی والا کپڑا عورت کی منی کے کیسے میں گھس جاتا ہے اور وہاں ہی غائب ہو کر خدا کی مہدورت سے نطفہ قرار پاتا ہے۔ اور حمل ٹھیر جاتا ہے۔ اور بعد ازیں جنین پیدا ہوتا ہے۔ جس وقت منی مرد کی عورت کے رحم میں داخل ہو جاتی ہے تو چار روز تک اس قطرہ کی شکل اس طرح قائم رہتی ہے۔



نطفہ کی شکل

چار روز کے

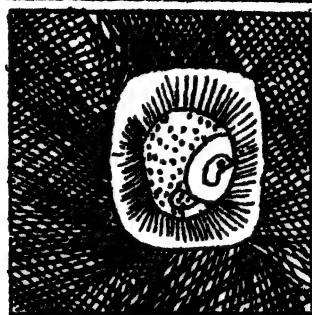
چار دن کے بعد اس قطرہ میں ایک جوش آتا ہے۔ جس سے منی کی حرکت سرخی مائل ہو کر مرد عورت کی قوت عائدہ و منقذہ سے اس میں تین قطرے پیدا ہو جاتے ہیں ایک دل کی جگہ پر دوسرا دماغ اور تیسرے جگر کے مقام پر۔ اور باقی حصہ سے ایک مچھلی وار چیز بنے ان سب کو کھیرے ہوئے ہے اور جسے مشیمہ بھی کہتے ہیں پیدا ہوتی ہے۔ +



اس وقت نطفہ میں روح حیوانی چمکنے لگتی ہے۔ جس کی وجہ سے نطفہ میں قوت آجاتی ہے اور کچھ سرخی مائل جوتا اور دیگر پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس وقت یہ نطفہ ان رگوں کے سبب سے جھپ کے خون کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اس وقت اس وقت کل رگوں کے منہ کھل جاتے ہیں۔ تاکہ اسے غذا پہنچا دیں۔ اس وقت اس کی شکل مثل انڈے کے لمبی اور گول ہوتی ہے۔ +



اس کے بعد چوبیسویں دن تک وہ علقہ بہ شکل ایک بڑی چوٹی یا جھولی  
بکھی کے چو جاتا ہے +



چوبیسویں دن تک  
کی شکل جنین

اور پورے مہینے تک وضع اس کی مثل سانپ کے ہوتی ہے کہ سر کچھ پھولا  
ہوا۔ منہ کی جگہ ذرا سی لکیر۔ آنکھوں کی جگہ بہت چھوٹے چھوٹے سیاہ  
دولغ اور ایک جھلی نہایت نرم معہ بیرونی مریضوں کے باہر کی طرف لپٹا ہوا



مہینہ بھر کے  
جنین کی شکل

جب یہ علقہ پورے ایک مہینے سے گزر کر دوسرے مہینے کے بارہ دن  
لیتا ہے تو یہ علقہ مضغہ یعنی گوشت کا لوتھڑا بن جاتا ہے تاکہ۔ منہ  
کا سوراخ۔ آنکھیں سب نمایاں۔ منہ اور منہ میں فرق۔ بچہ کے جسم کے  
پونچے۔ انگلیاں اور دونوں ہاتھ ظاہر دونوں پاؤں اور پھر علقہ کے قریب  
چوٹے تللی نات ایک دوسرے سے چپٹے کے لئے موجود جنسی اور ذبیہ  
کی ٹہریوں کی نمود +

جب یہ بیضہ پورے دو ماہ کا ہوتا ہے۔ اس وقت ہڈیوں کا آغاز۔

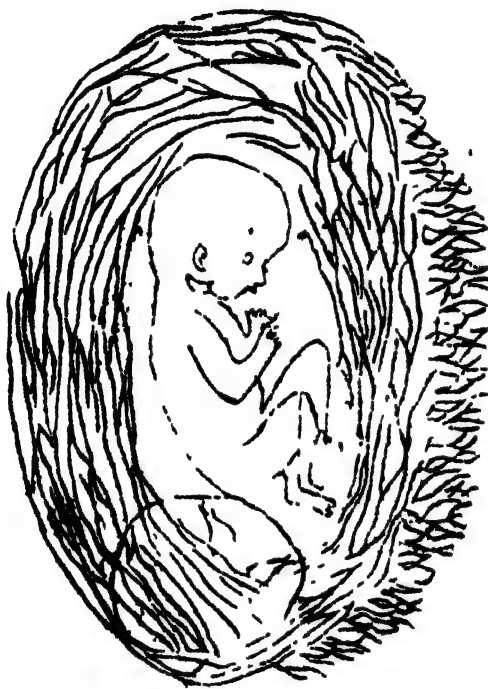
بھروسہ نہ دائرہ ۱۰۰۰ ہر - ناقدہ پیر جسم سے جلد - پیشاب گاہ نمایاں -  
 پاخانہ کی جگہ ایک سیاہ داغ - نئی پھیپڑے اور گردہ کی ٹہپیاں  
 آنتیں پیٹ میں سمائی - ناف کی رگیں اور شریانیں - بل کھاتی اور بائیم  
 چمکتی ہوتی - پسلیوں اور پیشانی کی ہڈیوں کے جتنے کے لئے چھوٹے چھوٹے  
 دانے پیرا - اور جھلی جس کو نفانی کہتے ہیں - درمیان پیشاب گاہ اور  
 ناف کے پائے غلطے کو دفع کرنے کے لئے عامل ہوتی ہے +



دو مہینے کے  
 جنین کی شکل

جب بچہ تیسرے مہینے کا ہوتا ہے - اس وقت سر بڑا - پلکوں کے  
 نیچے سرے آپس میں چپکے ہوئے - آنکھ کی پتلی کی جھلی نمودار - منہ بند  
 انگلیوں پر ایک ایک دو نو پاؤں بہ نسبت دوسرے مہینے  
 کے ذرا پھیلے ہوئے - پیشاب گاہ لمبی - گردے کے اوپر کی ٹہپیاں  
 بنی ہوئیں - دماغ کی مقدار پانچ خطا - حرام مغز کے اوپر کا حصہ ڈیڑھ

خط اور باقی حصہ وسط کا ایک خط کی تین چوتھائی تک۔ دل کے ہر  
چھتے خوب عیاں۔ ناف اور نل کی رگیں ملی ہوئیں۔ شریانیں لعاب  
دار۔ پھول علیحدہ۔ ناف کا پھپھولا غائب اور شریانیں ملی ہوئیں۔  
اسلاما بھلی غذا کی طلب گار +



تیسرے مہینے  
کے جنین  
کی شکل

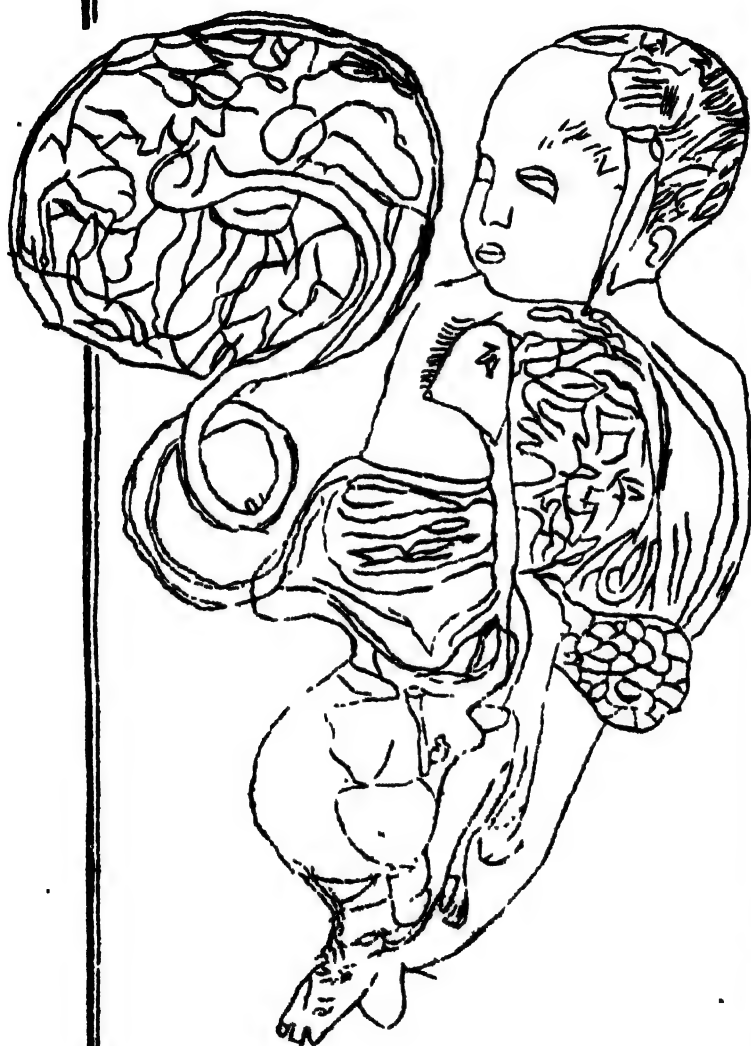
### چوتھے مہینے کے بچہ کی حالت

رنگ بچہ کا گلابی۔ منہ بڑا اور کچھ کھلا ہوا۔ آنکھ کی پتلی کا پتہ خوب عیاں۔  
پیروں کی انگلیوں کے ناخنوں کا آغاز۔ لہکے لٹکی بخوبی پہچان۔ پتلا ہر  
ناف شرمگاہ کے قریب۔ مشہد اسلاما۔ لغانی تینوں لعاب دار جھلیوں  
کا باہم وصل۔ قطن ہنسی کے نیچے کے دانے پیدا۔ امد کانس کی  
نہیں کا آغاز۔ کھل بچہ کی مضبوط +

چوتھے مہینے کے جنین کی حالت



پانچویں مہینے کے بچہ کی حالت  
سر کے بال اور انگلیوں کے ناخن بننے لگتے ہیں.....





چھٹے مہینے کی حالت  
 آنکھوں کے چھپر دکھائی دیتے ہیں اور آنکھ کی پتلی ایک ماسٹ مہلی سے بند  
 ہوتی ہے۔



ساقوں پوشنے کی حالت  
 باب انکھوں کے پھر لگ ہوتے ہیں آنکھ کی پتلی کو بند کرنے والی جھلی غائب  
 ہونے لگتی ہے۔ مگر میں ابھی خستہ نہیں دیکھے جاتے +



آٹھویں مہینے کی حالت  
 بن پورے پورے بن جاتے ہیں اور انگلیوں کے بجاں تک پہنچ جاتے ہیں  
 نشتے رن اور پیٹ کے مابں والی جگہ بھی نمایاں نہیں ہوتی -



نویں مہینے کی حالت  
 اس شہزادیوں سے خوب ڈھکے ہوتا ہے جسے اپنی جگہ پر آ جاتے ہیں جلد پیچے رنگ کی  
 اور شکل شبیہ مثل ہو کر دم سے باہر نکلنے اور دنیا کی ہوا لھانے کے لئے تیار ہوتا ہے +



یہ تھے انسان کا آغاز۔ ابتدا میں وہ ایک مٹی کی جے جان سی بوند تھی جس کی نسبت کوئی یقین نہ کر سکتا تھا۔ کہ یہ کبھی اس صورت شکل کا انسان بن جائے گا۔ اور اب جتنا جاگتا۔ خوبصورت۔ متناسب الاعضاء آدم زاد ہو کر سنگم ماور سے باہر نکل آیا۔ اور ایسا نئی دنیا میں آگیا۔ اسی نئی دنیا میں آتے ہی کچھ دنوں بعد بنگھلا۔ اپنے چوڑوں پر بیٹھنے لگا۔ ہاتھ میں کچھ کچھ پڑنے لگا۔ اما اکیسا آئندہ ہے۔ اور کیا بشاش بشاش نظر آتا ہے کبھی مسکراتا ہے کبھی ہنستا ہے۔ اس کی مسکراہٹ کیسی دلربا ہے۔ اس کا ہنسا کیسا فرحت افزا ہے۔

بچہ بیٹھ کر کھیل رہا ہے



اب اپنے باؤں سے کھڑا ہو گیا۔ چلتا ہے۔ پھرتا ہے۔ اچھلتا ہے۔ کودتا ہے۔ کسی بات کا فکر نہیں۔ کسی امر کا غم نہیں۔ اسکی زندگی ہشتی ہے۔ اور اس کی خوشی حقیقی۔ جس کو وہ پھر ساری عمر نہیں پاسکے گا۔

ایام صبا



اب خود جراتی میں مبتلا رہا ہے۔ ایسا نشہ جراتی میں سرشار ہے کہ کسی کو جرات ہی میں نہیں آتا۔ نہ اپنے فطرت کا خیال ہے نہ کسی طرح کا حائل۔ کہ بچہ کی دنیا میں رہ کر کیا کرنا ہے۔ اور کس غرض سے یہاں یہ جا گیا ہے۔ اپنے غم

میں مست اور اپنی نیند کے نشہ میں متوانا ہو رہا ہے +



اب بیاہ گیا - اور دو پیہ گاڑی میں جوتا گیا - مگر بھی اولاد وغیرہ کا کوئی بکھیرا نہیں اور نئی دامن کی آمد کی خوشی میں محو ہو رہا ہے - کسی خیال میں نہیں پھنسا - اپنے حال میں مست ہے اور اپنے خیال میں سرشار -



اب دیکھو بال بچے پیدا ہوئے - گھر کا فکر پڑا - بچہ کو گود میں لئے چوم رہا ہے اور پیار کر رہا ہے - مگر آخرت سے ایسا غافل ہے کہ بھوکے پیٹ میں یاد نہیں رکھا - دنیا کے جنجال میں پھنس گیا - سمر وقت بال بچوں کا فکر ہے مال اور اولاد کے بکھیروں نے غافل اور بے سدھ کر رکھا ہے - کسی کو دھیان میں نہیں آتا -



مگر یہ بھی دریاؤں کا ایک چڑھاؤ تھا۔ جو وقت معین کے بعد اتر گیا۔ اب ہم سب سے عمر گزر گئی اور وہ تک پہنچ گئی۔ وہ جوش جوانی ہرن ہو چلا۔ بال سفید ہو شروع ہوئے۔ بدن کی روتق کم ہونے لگی۔ دانت زخمت ہونے لگے۔ صورت بگڑنے لگی۔ وہ شوخی اور چلبلاہن سب کا فور ہو گئے۔



سن الخطط

اب حضرت انسان کا ایک اور نظارہ دیکھو۔ سب قوتیں ضعیف ہوئیں۔ سارے اعضا کمزور ہو گئے۔ سنہ اور کھال پر جھڑیاں پڑ گئیں۔ صورت بدل گئی۔ بدن کے سب حصے کمزور اور ڈھیلے ہو گئے۔ لاشی کے سہارے چلنے کا زمانہ آگیا۔ نہ وہ جسم میں توانائی رہی نہ وہ دل میں جوش زور آزمائی۔ دانت زخمت ہو گئے۔ طاقت نے جواب دے دیا۔ اور اول عمر کی طرف لوٹنے لگے۔



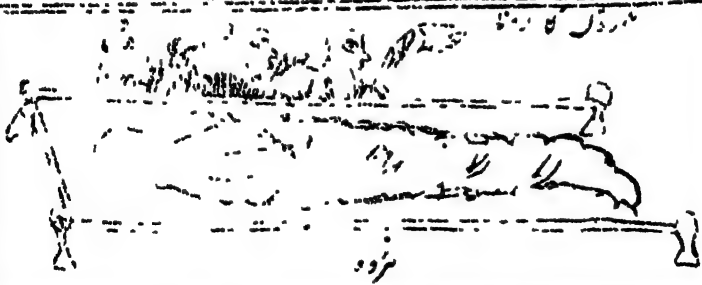
اب ایک اور نظارہ دیکھو۔ وہی حضرت انسان جو جوانی کے جوش میں کبھی بچے بیٹھنے والے نہیں تھے۔ تیکہ لگائے بیٹھے ہیں۔ بچھائے سے بیٹھے اور اٹھائے سے اٹھتے ہیں۔ نہ اٹھنے کا، بڑھ نہ بیٹھنے کا جوش۔ بوڑھے مہاں دم واپسین کا انگ اکڑ رہے ہیں۔ قبر میں پاؤں ٹکائے ہیں۔ فرشتہ ابل کی حیب صورت نکھول کے سامنے ہے۔ عالم ہستی کی دل بستیاؤں پر حسرت کے ساتھ نظر ڈال رہے ہیں۔ دل میں امیدوں کی آس پٹنی ہے اور رہ جاتی ہے۔ آرزوئی کو

صاحبوسیاں خاک میں ملا رہی ہیں۔ متناؤں پر نا امیدوں کی اوس پڑ رہی ہے۔ موت کے اشتیاق میں پہلو بدل رہے ہیں۔ اور جانتے بوجھنے کے بعد نادان اور سنجیدہ انسان سے بچ بن گئے ہیں۔ اور لکھی لا یدلم بعد علم شیتا کے مصداق ہو گئے ہیں۔ اور شکل بھی دیکھتے پہچانی نہیں جاتی۔ گویا کوئی عجیب الحلقہ انسان ہیں۔

شیخوخت



سب سے آخری حیرت ناک نظارہ دیکھتے۔ کہاں گیا چین کا چلبلا پن۔ ایام طغیبت کی شوخیاں۔ عمد شباب کی بے باکیاں اور لمن زبانیاں۔ سب خواب و خیال ہو گئیں۔ اب حضرت انسان لب ہماں میں اور بنیزہ گ پر پڑے سسکیاں لے رہے ہیں۔ یہ زمین واقعی بڑا عجیب ناک اور حیرت ناک ہے۔ جو ہر ایک انسان کو ایک ایک دن میں نظر آئے دلتے ہیں۔



اے حضرت انسان کے مرتے وقت کا وہ سال ایک عجیب دردناک سین ہے کون شخص ہے جو اس پُر درد حالت کا خیال کر کے اپنے آپ میں قائم رہ سکے۔ مرنے کے وقت کا وہ سال کہ آخری سانس اس کے سینہ میں اُسے نکالتی ہے۔ عجیب دردناک ہے۔ وہ سانس ان بیمار واروں اور زنیوں کو



بتاتی ہے۔ کہ اب حضرت سے ہاتھ دھو چکو۔ جو کچھ کہنا ہو۔ کہہ لو۔ یا جس نے دیکھنا ہو دیکھ لو۔ پھر یہ آرزو پوری ہونا محال ہے۔ پیار سے رشتہ داروں کے چہروں کی مایوسی اور اس کے مرنے کا یقین۔ دیکھنے والوں کو خیال ملتا ہے۔ مگر برا وقت ہے ان لوگوں کی بے بسی اور مجبوری جبکہ اسکی جد اشی کا غم بھونکا محال ہے صاف بتلاتی ہے کہ تم کو بھی مر جانا چاہئے۔ مرنے والے کا چاروں طرف حسرت کی آنکھ سے ایک ایک کو گھبرا گھبرا کر دیکھنا۔ اور مایوسی کے حلوں میں ٹرک ٹرک کر ٹھنڈی سانسیں بھرنا۔ اور کہنا کہ ہمارا کہنا سنا معاف کرنا۔ نہایت عبرت فزا ہوتا ہے مائے مائے پیارے اور دلربا چہروں کی طرف آخری نگاہ کرنا اور کہنا کہ تم ہماری محبت کو نہ بھولنا۔ ستم ڈھاتا ہے یونہی آدمی آدمی بات سے اور آدمی اشارہ سے اولا کرتے کرتے ہاتھ پاؤں دو چار بار سمیٹ ایک سخت ہچکی لے کر آنکھ بند کر دیتا پتیلیاں جب اوپر کے چوٹوں میں چمٹ گئیں۔ تو گھر والوں کا اس حسرت نصیب کے چاروں طرف حلقہ باندھ کر رونے کا شور سننے والے کے کپجے کو گداز کر دیتا ہے۔ کوئی اپنی پرانی دوستی اور ہمدردی کا ذکر کر کے ٹھنڈے سانس بھر رہا ہے۔ کوئی سر صاف بٹھا سر کو پیٹ پیٹ کر نرمی ملی اور دردناک آواز سے رو رہا ہے۔ کوئی کھڑا ہوا اس کی عبرت ناک موت پر افسوس کر رہا ہے۔ کہ مائے اٹھی باتیں کی نہیں۔ کوئی اس سے کسی کی آرزوئیں اور تمناؤں کا ذکر چھیڑ رہا ہے۔ کہ اس کے دل میں ایسے ایسے دکھ اور اُمٹکیں ہوتی تھیں۔ جن پر بانی پھر گیا۔ کوئی وصیتوں کے پورا کرنے کے فکر میں ہے۔ کوئی شخص کفن و دفن کے فکر میں لگ گیا۔ قبر کھدائی جا رہی ہے۔ مائے اب تو نہ لانے کے لئے تختے پر ٹٹا دیا گیا۔ لوگوں کی بے اختیار طعنیں نکل گئیں۔ اور داد ملنے لگی۔ کفن پہنا دیا گیا۔ چار ہانٹی پر لٹ کر گورستان کی طرف لے چلے۔ اس وقت کی کیفیت کچھ نہ بوجھو۔ آہ و زاری کی آوازیں بلند ہوتیں۔ پتھر مل بھی موم ہو گئے۔ محلے میں کھڑا جمع گیا۔ مائے اب اس حرمان نصیب کو دہاں لے چلے ہیں۔ یہاں پتھر کبھی واپس نہیں آئیگا۔ مردہ کو گورستان میں لے آئے۔ قبر کھد چکی۔ جنازہ بڑھ کر نقش اس بے کس کی قبر کے پاس لائے۔ اب دفن کرنے

کے لئے لحد کے اندر رکھی گئی۔ پیارے رشتہ دار باپ بیٹے اور بھائی اپنے  
ہاتھوں سے اور مٹی ڈالنے لگے اور مٹی ڈال کر تنہا چھوڑ ٹھنڈی سانس  
بھرتے اور روتے ہوئے اپنے گھر واپس آئے۔

اسے ہے یہ کفن بدن پہ کس نے پہنا

لے جاتے ہیں قبر کو جنازہ کس کا

وہ جس کے تھے ایوان و محل سر بہ فلک

اک قبر کے کونے میں پڑا داویلا

چھوڑا کس نے ہے راج بستان جہاں چھوڑ آئے کسے آج سوئے گورستان  
مدحیف کچھ اعتبار دنیا کا نہیں انسان کے لئے ہے اک یہ عبرت کمال

مردہ نہلایا جا رہا ہے



جنازہ منہا کر کوہستان کی طرف لے جایا ہے



جنازہ پڑھا جا رہا ہے



قبر پر فاتحہ پڑھ رہے ہیں



یہ ہے انسان کی ہستی اور اُس کا انجام۔ یا تو دنیا میں جیتے جاگتے اُچھلتے کودتے ناز و غرور میں کسی کو خیال میں بھی نہ لاتے تھے۔ یا اب قبر کے کونے میں اندھیرا کوٹھڑی میں جاسوئے۔ جہاں سے اب قیامت تک واپسی کی اُمید نہیں۔  
 کچھ دن گزرے کفن بھی میلا ہو گیا۔ قبر کُنڈ ہو گئی۔ اب پہچانا بھی نہیں جاتا۔  
 کہ یہ کس کی قبر ہے؟ یہاں کے مکانوں میں کوئی بھی تیز نہیں۔ کہ یہ امیر کا گھر ہے یا فقیر کا۔ اسے ہے۔ اس قبر میں تو بڑے بڑے سوراخ بھی ہو گئے زینگوں میں ان مکانوں کے دروازوں پر کبھی دربان کو ذرا سی اکھ لگ جانے پر جُرا ہو تا۔ آج ان سوراخوں کے راستے پودار اور مزار خوار جانور اپنے رہنے کے لئے جگہ ڈھونڈ رہے ہیں۔ یا یہ حال تھا کہ ان کے کپڑے پر ایک دھبہ لگ جاتا۔ تو غضب آ جاتا۔ یا اب یہ حال ہے کہ ہزاروں من گدس بڑے ہونٹے بے خبر سورے میں۔ کروٹ بھی بدلنا ناگوار ہے۔ دھبہ اور جھونکے نرم اور نازک بدن لئے گوشت سے اپنی خوراک پیدا کرنے کی تدبیر میں کفن کو پیٹنے سے جاٹ گئے۔ اب بدن بھی خاک میں ملا گئے۔ کان لگا کر سنو تو کچھ آواز بھی آرہی ہے۔ مائے باتیں اور پاؤں کی چاپ کیسی اسانس کی آواز بھی نہیں۔ مگر بڑی کھیاں اور بھڑیں جنہوں نے منی کی ٹھنڈک میں اس شفاف قبر میں چھتا لگایا ہے۔ انکی بھنبھانے کی صدا بہت ہلکا

کرم ہے۔ جن سوراخوں سے چوڑیاں قطار باندھے آتی اور جاتی ہیں۔ ان سوراخوں سے شاید بڑے بڑے مکانات میں ہوا کے لئے روشندا ان۔ بننے کا طرز دیکھا گیا ہے۔ یہ ٹوٹی ہوئی قبر جس پر سوائے مٹی کے دھڑکے اور کچھ نہیں ہے۔ شاید کسی غریب کی ہوگی۔ مگر یہ خیال غلط ہو تو عجب کیا ہے؟ یہاں امیر اور غریب کی قبر کی شناخت ہی کیا ہے؟ قبر میں آئے امیر غریب برابر۔ ذرا اس پچی ٹوٹی قبر کی مٹی اٹھا کر دیکھو۔ اگرچہ ہاتھ بھرے مگر ایک عبرت کا سماں اور دشت خیز نظارہ نظر آئے گا۔ مٹی ہٹا کر دیکھا تو ایک تھمر زمین میں دھنسا ہوا دیکھا جی دیا۔ جس پر اس مڑے کی وفات کی تاریخ لکھی ہوئی تھی۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

اے آٹھ والو! عبرت پکڑو۔ پاس ہی ایک اور قبر تھی۔ اس پر سے مٹی ہٹا کر دیکھا۔ تو ایک تھمر میں کھٹا ہوا دیکھا جی دیا۔ اس پر سے مٹی ہٹا کر دیکھا۔ تو اس کے سرخانے ایک تھمر پر یہ شعر کندہ تھا ایک چھوٹی سی قبر کو دیکھا۔ تو اس کے سرخانے ایک تھمر پر یہ شعر کندہ تھا پنچول تو دو دن بہار جاں فزا دکھلا گئے حسرت اُن غموں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

معلوم ہوا کہ کبھی لاٹھے کی قبر ہے جس کے ماں باپ بٹے دھوٹے اپنے لپٹے جگر کو اس بے کسی اور بے بسی کے عالم میں پھینک گئے۔ ان سب میں زیادہ حسرت اس قبر پر تھی جس پر یہ مصرع کھٹا ہوا تھا۔ اس پر سے مٹی ہٹا کر دیکھا۔ تو اس کے سرخانے ایک تھمر پر یہ شعر کندہ تھا پنچول تو دو دن بہار جاں فزا دکھلا گئے حسرت اُن غموں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

معلوم ہوا کہ کبھی لاٹھے کی قبر ہے جس کے ماں باپ بٹے دھوٹے اپنے لپٹے جگر کو اس بے کسی اور بے بسی کے عالم میں پھینک گئے۔ ان سب میں زیادہ حسرت اس قبر پر تھی جس پر یہ مصرع کھٹا ہوا تھا۔ اس پر سے مٹی ہٹا کر دیکھا۔ تو اس کے سرخانے ایک تھمر پر یہ شعر کندہ تھا پنچول تو دو دن بہار جاں فزا دکھلا گئے حسرت اُن غموں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

معلوم ہوا کہ کبھی لاٹھے کی قبر ہے جس کے ماں باپ بٹے دھوٹے اپنے لپٹے جگر کو اس بے کسی اور بے بسی کے عالم میں پھینک گئے۔ ان سب میں زیادہ حسرت اس قبر پر تھی جس پر یہ مصرع کھٹا ہوا تھا۔ اس پر سے مٹی ہٹا کر دیکھا۔ تو اس کے سرخانے ایک تھمر پر یہ شعر کندہ تھا پنچول تو دو دن بہار جاں فزا دکھلا گئے حسرت اُن غموں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

معلوم ہوا کہ کبھی لاٹھے کی قبر ہے جس کے ماں باپ بٹے دھوٹے اپنے لپٹے جگر کو اس بے کسی اور بے بسی کے عالم میں پھینک گئے۔ ان سب میں زیادہ حسرت اس قبر پر تھی جس پر یہ مصرع کھٹا ہوا تھا۔ اس پر سے مٹی ہٹا کر دیکھا۔ تو اس کے سرخانے ایک تھمر پر یہ شعر کندہ تھا پنچول تو دو دن بہار جاں فزا دکھلا گئے حسرت اُن غموں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

باعث ایجاد کائنات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک کو تو نے اپنا مزا چکھائے بغیر نہ چھوڑا۔

جو ختم الانبیاء ہم رفت دیگر کیت کو ماند  
مگر ذات مقدس قادر قیوم صمدانی

اے موت! تیری بے وفائی کی سائے جہاں میں دھوم مچ رہی ہے۔ فنا کا تو نام تک نہیں جانتی۔ جہاں موقع ملا۔ تو نے انسان کا کھانا گھونٹ لیا۔ وہ داویلا مچاتا رہ گیا۔ تو نے اپنا کام کر لیا۔ لٹے تو انسان کو بیک لنگاہ کیسا قابو کر لیتی ہے کہ کچھ بس نہیں چلتا۔ کچھ بن نہیں پڑتا۔ باب بچے۔ ماں۔ باپ۔ جگم۔ طبیب سب پاس کھڑے رہتے ہیں۔ مگر موت کی گھڑی آئی۔ پھر کسی کا بس نہیں چلتا۔ کسی کو ایک دم کیلئے ٹھہرا کر سکندر کو برعلیٰ حکم داشت دران دم کہ بلذشت و عالم گدازت میسر بنودش کزو عالمے ستانند و فرصت دہشت دے

خدا نے جو چیز بنائی ہے۔ ایک دن اُسے فنا ضرور ہے۔ یہ جتنے جسم ہیں نظر آتے ہیں۔ یہ جتنی خیالی صورتیں ہماری نظروں کے سامنے دوڑتی ہیں ہیں۔ صنایع قدرت نے ازل میں جس وقت اُن کی دلفریب صوتیں بنائی تھیں اُس وقت ان کے قد و قامت کے موافق ایک فنا کا برقعہ ہی تیار کر لیا تھا۔ غیب کے بے مروت فرشتے اُس برقعہ کو لئے منتظر بیٹھے ہیں۔ کہ خدا کا مقرر کیا ہوا وقت آئے اور بڑے کے اڑھائیں۔ فنا کا برقعہ ایک ایسا پردہ سحر باس ہے۔ کہ مذاہب حلالوں کے نزدیک جس کو اڑھا دیا گیا وہ تو سب کو دیکھتا ہے۔ مگر اُسے کوئی نہیں دیکھتا۔ وہ چاہتا ہے کہ لوگ اُسے دیکھیں۔ مگر لٹے یہ بات اُس کے اختیار میں نہیں۔ ہمارے کیسے کیسے عزیز کیسے کیسے دست مریختے ہی دیکھتے فائب ہو گئے۔ ہماری اکھیر دنیا میں انہیں ڈھونڈ آتی ہیں۔ مگر کہیں پتا نہیں لگتا۔ کیا ہماری طرح وہ نہ چاہتے ہونگے کہ ہم سے گھڑی بھر کو اگر عجائبات نہیں ضرور چاہتے ہونگے مگر نیچائے کیا کریں۔ کہ اپنے بس میں نہیں۔ قدرت نے فنا کا برقعہ اڑھا کر خدا جانے کس شہر غموشاں میں ڈال دیا ہے ہستی کا لباس جب قضا نے بخشا + برقعہ فنا کا ساتھ تیار کیا۔ اس اتنا ہے جب میں لباس ہستی

ریتے ہیں وہیں ملک یہ برقع بھی اُدھا۔  
 گذشتہ اجباب اور چھوٹے بڑے دوستوں کو نو خیر الوداع کہہ چکے۔ زیادہ مدت  
 جب ہوتا ہے۔ جب محکمہ قضا و قدر کی سپریم گورنمنٹ کا یہ وادی اور مکی  
 سرکلر نظر سے گذرتا ہے۔ کہ دنیا میں جو کوئی ہے اُسے یہ برقع ایک دن  
 ضرور اُدھنا ہوگا۔ لائے یہ لباس ہر ایک شخص نے زیب بر کیا۔ اور  
 آئندہ بھی ہر ایک شخص کر کے رہیگا۔

کتن بڑا قلق ہوتا ہے اور دل پر کیا کچھ گذر جاتی ہے۔ جب خیال کرتے  
 ہیں کہ یہ پیاری پیاری صورتیں۔ یہ من موہنی موتیں۔ یہ بانی اور پسند  
 کی جگہ خون بہانے والے اجباب۔ یہ ناز بردار ماں باپ۔ یہ توت  
 بازو بھائی۔ سب کے سب اپنی اپنی باری اس لباس کو پہنیں گے  
 ہم دھونڈتے پھریں گے اور اُنکا کہیں پتہ نہ لگیگا۔

کیسے کیسے لوگ گئے۔ اگر ان کو یاد کیا جائے تو ہر ایک کی یاد میں ایک  
 ایک داغ صفو دل پر لگا جاتا ہے۔ کس کس بایہ کے علمبر۔ کس کس  
 رتبہ کے فضلا۔ کیسے کیسے قفلند کیسے کیسے فلسفی دیکھتے ہی دیکھتے اٹھتے چلے  
 گئے۔ کیسے کیسے سحرالبیان اسپیکر۔ جادو نگار انشا پرداز ہر فن کے استاد  
 ہر قسم کے صنایع حینان مر جیس دنیا سے ایک دم زون میں اور پھر  
 جن عطفوان شباب میں اٹھ گئے۔ جن کی موت آج تک زمانہ دور رہا ہے  
 کس نامہ ازاں جہاں کہ تا جرم ازو کا حوال مسافران عالم چلے شد  
 حقیقت میں کوئی نہیں پھرا۔ فطرت کا خاصہ ہی نہیں۔ کہ مرنے کے بعد  
 دوسری دفعہ پھر اس دنیا میں بھیجا جائے۔ آج تک کوئی مردہ لوٹ کر نہیں  
 آیا۔ دم کا راستہ وہی ہے جسکی وہی نہیں۔ موت کا ایسا پردہ ہے۔ کہ جس  
 اسے جتا کے اُدھر کی کیفیتیں جھانک کے نہیں۔ وہیں کا ہو رہا۔ یہ قدرت  
 کا غلبہ ہوا قیوی فریسن ہوس کچھ ایسا طبعی مکان ہے۔ کہ اس کا کوئی  
 آج تک کسی ظاہر نہیں ہوا۔ یہ وہ راز ہے۔ کہ جسکے معلوم کر لینے کی ہوتی ہو  
 دل میں موجود ہے۔ اور مرد داغ اسکی تجسس میں پریشان ہوا جاتا ہے۔  
 جس وقت یہ یاد آتا ہے۔ کہ آج ہم زمین پر چلتے پھرتے ہیں۔ کل زمین کے  
 نیچے ہونگے۔ تو پاؤں کے نیچے کی زمین نکل جاتی ہے۔ صرف یہی نہ ہوگا۔

کہ ہم مٹی کے ایک بھاری بوجھ کے نیچے دبے ہونگے۔ بلکہ موت ہم کو اس  
 پست ناک مقام میں لے جائے گی۔ جہاں نہ کوئی دوست ہوگا جس کے  
 آگے اپنا درد دل ظاہر کریں۔ نہ کوئی مونس ہوگا جس سے حال پر درد آسنو  
 بہائے۔ نہ ہماری ہمدردی بی بی ہوگی۔ جو ہم کو جان سے زیادہ پیاری ہے  
 اور جسکی درد مندیوں پر بڑی بڑی نازک حالتوں میں ہمارے دل کو قرار  
 آگیا ہے۔ نہ یہ سامنے کھیلنے والے بچے ہونگے۔ جنکی میٹھی میٹھی باتیں  
 اور پیاری پیاری صوتیں ہماری زندگی کی خوشی اور ہماری آنکھوں کی  
 ٹھنڈک ہیں۔ ہم ہر طرح کی سختیوں اپنے اوپر کھیلے ہیں۔ مگر انہیں تکلیف  
 نہیں پہنچنے دیتے۔ نہ باز برداروں ہوگی جو ہماری آنے فکر پر بے چین ہو  
 جاتی ہے۔ نہ مہربان باپ ہوگا۔ جو ہمارے فکروں کے پیچھے اپنے تئیں  
 شائے دیتا ہے۔ نہ یہ عالیشان مکان ہوگا۔ جس کو بلوغِ جنت سے تشبیہ  
 دیتے ہیں۔ اور نہ یہ نازک اور گدگد کچھونا ہوگا۔ جس پر ہم آرام سے سوتے ہیں  
 نہ یہ بڑی تکلیف انگ ہوگا۔ جو ہر وقت ہمارے لئے بکھارا ہوا ہے۔ نہ نوکر ہونگے  
 جو ہمارے آؤنے آؤنے اشاروں پر دوڑتے ہیں۔ نہ مال اور اسباب ہوگا۔ جو حقیقت  
 ہمارا سرواڑہ ناز ہے اور جسکی وجہ سے ہم اپنے تئیں بہت بڑا امیر سمجھتے ہیں۔  
 اور غریبوں پر ہزاروں ظلم کرتے ہیں۔ مگر کوئی دم نہیں مار سکتا۔ یہ سب  
 خیالات جس گھڑی ہمارے دماغ پر جمع ہو جاتے ہیں۔ اور بے تابوں کی  
 ہجوم سے دماغ پریشان ہونے لگتا ہے اس وقت میں ہم پر کچھ ایسی حالت  
 جاری ہو جاتی ہے۔ کہ یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ ہم کون ہیں۔ اس میں اس  
 گھڑی ہم بالکل اپنے تئیں بھول جاتے ہیں۔  
 بڑے بڑے اپنے مکانات اور نہایت ہی ولفریب باغوں کے سینے جو بڑوں  
 میں لاکھوں روپیہ جمع کر کے اس قابل ہوئے تھے۔ کہ اب وہاں کوئی اپنے  
 نازک پاؤں کا نشان بنائے۔ اور ان کے ہوا دار کمروں میں جھک کر پلٹ  
 نظارہ کے فرسے اٹھائے۔ یونہی پڑے رہ گئے۔ اور بنانے والوں کو بڑی  
 الجھ سے دیکھنے تک کا موقع نہ ملا۔ کہ نقل مکان کی ضرورت ہوگئی۔ اسکے  
 دل کے صفت پر حسرت خیالات جو اس وقت اسکے دل پر گزرتے ہیں  
 کچھ دہی جاتا ہے۔ جو اسکا ہم خیال ہے۔ لئے میں نے اسی واسطے روپیہ لکھا



تھا۔ کہ میں اس سال کی بہار کی فصل کا سال بھی نہ دیکھوں۔ لئے میں اپنی طبیعت کے موافق فلاں کرہ میں فوج بھی نہ لگا سکا۔ کر مینے کی تیاری ہو گئی۔ افسوس وہ ہوا دہشتے جس کے سب دروازے باغ کی طرف میں جگے چوترے کے سامنے سے نہر جاری چل رہی ہے۔ اب نہیں معلوم میرے بعد کے قابض اسکو کس مصروف کے لئے قرار دیں گے۔

حیف وہ چشمِ زندن صحبت یا ر آخر شد + لئے محلِ سیرِ ندیم و بہارِ آخر شد یہ دردِ ناک حالتیں جو دنیا میں انسان پر وارد ہو رہی ہیں۔ یہ حسرتِ ناک سال جو ہزارِ انسانوں پر عینِ جلّی میں ہی آجاتا ہے۔ اگر اُس کا کوئی بدل نہیں تو انسان سے یہ نصیب دنیا میں کوئی نہیں۔ ان حسرتِ ناک اور دردِ ناک حالتوں میں اگر انسان غم و الم کوئی چیز ہلکا کر سکتی ہے۔ تو وہ دوسری دنیا کا یقین ہے۔ جہاں اسکو اس دنیا کی تکالیف کا معاوضہ اور ان چھوڑی ہوئی نعمتوں کا بدل مل سکتا ہے۔ ایک مرنے والا جسکو اپنے مرنے کے بعد ایک نئی زندگی کی امید ہے۔ اسبابِ دنیاوی۔ محل اور مکانات بیویوں اور بال بچوں کی مفارقت پر ایسا سخت صدمہ قلب پر محسوس نہیں کرتا۔ جیسا کہ آخرت سے منکر اور دوسری دنیا سے ناامید۔ دوسری دنیا کا یقین کرنے والا ایک جدا ہوتا ہے اور جدا ہونے کا اُسے افسوس بھی ہوتا ہے۔ مگر آئندہ اس سے بڑھ کر راحتوں کی امید پر دنیا اور اسبابِ دنیا کے چھٹنے کی پروا نہیں کرتا۔ اسکو اپنے دل پر محبوبوں کے چھٹ جانا کا غم ہوتا ہے۔ مگر اسکو یہ امید ہوتی ہے۔ کہ میں اس سے بھی زیادہ حسین اور ہادفا ماہ جبینوں سے مل جاؤں گا۔ عالیشان عمارات جنہیں رہنے کی اس کو بہت غرضی ہوئی تھی۔ ان کے چھوٹ جانے کا اُسے غم ہوتا ہے مگر اسکا یہ پکا یقین کہ اُسے اس سے بدتر جہاں بہتر عالیشان مکانات ملیں گے۔ جگے نقشے اسکے مذہبی عقیدہ کے آئینہ کے سامنے آ رہے ہیں۔ اسکے اس غم کو غلط کر دیتے ہیں۔

ایک ناامید قائل کو ہر (دہریہ) اپنے ساتھ تمام اہل دنیا کی آرزوں۔ اور متناؤں کا خون کرنا چاہتا ہے۔ وہ مذہبِ والوں سے کہتا ہے تمہیں دھوکا ہے۔ مرنے کے بعد کچھ نہیں۔ نہ جنت ہے نہ دوزخ

ہے نہ آرام ہے نہ بقاء ہے۔ مرنا فنا ہونا ہے۔ زندگی کیسی اور دوسرا  
عالم کیا۔ جو لوگ موت کا پردہ اٹھا کے اُدھر کی دلچسپیاں دیکھنا چاہتے  
ہیں۔ اُن کو وہ بہکانا ہے اور کہتا ہے۔ جستجوئے بیفائدہ سے کیا حاصل  
جو کچھ کرنا ہے۔ دنیا میں کرلو۔ جس قدر چین اڑانا ہے اس عالم میں اڑالو  
مگر اصل میں دیکھئے تو وہ اپنے تمیں بالکل نا امید کئے دیتا ہے۔ اگر دنیا  
میں وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ تو جانو ہمیشہ کے لئے ناکام رہا۔

مر جتنے کا ہول جکے خیال سے انسان کے رفتے کھڑے ہو جاتے ہیں  
اور دنیا کے عیش و آرام سے علمدگی کا خیال جو دل و دماغ سے دونوں کو  
لپٹے سے باہر کر دیتا ہے انسان کو ایک ایسی اُمید دلا کر مطمئن کر دیتے ہیں  
کہ وہ خوف و دہشت بہت کچھ ہلکی ہو جاتی ہے۔ بڑے بڑے صدمے  
اور مصیبتیں جو انسان کی زندگی کے تلخ کرینے کو کافی ہیں۔ انسان ان  
کو ایک بالا ترا اُمید کے بھروسے پر بہ آسانی برداشت کر لیتا ہے۔ اگر  
انسان کے مرنے کے بعد کوئی اور مہنتی نہیں جو اس زندگی کا نفع لے لیا  
ہو سکے۔ تو انسان جیسے جی مر گیا۔ اور اس سے بدنصیب دنیا میں کوئی نہ  
در حقیقت تمام مصیبتوں کو ہلکا کرنے والا اس دوسری دنیا کا خیال  
ہے جس میں ہیں اُن مصائب و تکالیف کا کافی معاوضہ ملیگا۔ اور تمام کھوپ  
اور مشکلات پر ساتھ جینے والا۔ اُسے وقت میں کام آنے والا۔ وہ اللہ ہے۔ بڑے  
ہلکے اس دنیائے فانی میں پیدا کیا۔ اگر تپے دل سے اس پر یقین رکھیں گے  
تو وہ ہلکے ضرور ضرور اس دنیا کی تکالیف اور مصائب کا کافی بدلہ عطا فرما دے گا  
فرض کرو ایک جہاز ڈوب رہا ہے۔ آندھی کا زور ہے۔ موجیں چھیڑ رہی ہیں  
رہی ہیں اور سمندر دشمن غوغا کی طرح ڈھارا رہا ہے۔ کہ اب طعمہ ننگ جہاز  
کہ ہوئے۔ ایسے نازک وقت میں یہ بات دیکھنے کے قابل ہے۔ کہ جو لوگ  
جہاز پر سوار ہیں اُن کے دل کس طرف متوجہ ہیں۔ اور وہ کیا کر رہے ہیں۔  
کپتان اور خلاصی جہاز کے سنبھالنے کی تدبیریں کر رہے ہیں۔ اور چاروں طرف  
گھبراتے ہوئے دوشے دوشے پھرتے ہیں۔ اور اس فکر میں ہیں۔ کہ کسی طرح  
اُتے تھیں اور اپنے ساتھ ہلے مسافروں کو اس آفت پہنچانک سے بچائیں۔  
مسافروں میں سے بھی میں میرے دوست ہے۔ وہ تو کپتان کی مدد کا

ہے۔ مگر باقی سب کے سب بے اختیار ہو کر اسی ایک ذات کی طرف متوجہ ہیں۔ جو ہر موقع پر انسان کو آفات و بلیات سے بچا سکتا ہے۔ وہ نہایت رقت کے ساتھ آہ و زاری کر رہے ہیں۔ اور اپنے گذشتہ گناہوں کی معافی چاہتے ہیں۔ اُن کو یقین کامل ہے کہ اُن کا بچانے والا اُن کے پاس ہے۔ وہ انکی فریاد کو سُن رہا ہے۔ اور ہر طرح اُنکے اختیار میں ہے کہ ان بیماریوں آفت نصیبوں کو بچائے۔ اُس اضطراب اور مایوسی کے وقت اگر انکو کوئی اُمید ہے۔ تو اُس اپنے فریاد رس سے۔ کوئی تدبیر کرتا ہے کوئی کوشش کرتا ہے۔ مگر وہ لوگ سوائے اپنے بچانے والے کے کسی کی اُمتی پر بھروسہ نہیں کرتے۔

## عبرت

اوپر جو نظارہ انسان کو اُسکی ہستی بے بنود کا دکھلایا گیا ہے۔ واقعی قابل غور ہے۔ انسان کیسا فاضل بیٹھا ہے اور دنیا کے کاموں میں غرق ہو رہا ہے کسے کیسے خیالات اُسکے دل میں جاگزین ہیں۔ کیسی کیسی آرزوئیں گود میں لئے بیٹھا ہے۔ لیکن جس محنت خدا کی طرف سے بلاوا آتا ہے سب کچھ چھوڑ چھاڑ خدا کی طرف چلا جاتا ہے۔ اور بعد حسرت لاکھوں تنائیں دل میں لیکر بے بس و بے کس قبور میں ہا سوتا ہے۔ ماں باپ زن و فرزند سب سے ایسا جاتا ہے کہ نہ اُسکو انکی خبر اور نہ اُنکو اُسکی اطلاع جنگی خاطر یہ اپنی جان قربان کرتا تھا۔ اور رات دن اُن کے آرام کے لئے سر کھپاتا تھا اور کچھ پروا اس بات کی نہیں تھی۔ کہ ایک دن یہ محبت اور دل لگی میری جان کا دیال ہوگی۔ وہ کچھ بھی اُسکی غمگساری اور ہمدردی نہیں کر سکتے۔ اس وقت صرف وہ ہوتا ہے اور اُنکے اعمال۔ نہ کوئی اُسکا رفیق ہوتا نہ کوئی اُسکا عزیز۔ یہ سب ظاہری دنیا سازی کی باتیں ہیں اور غفلت کا پردہ آنکھوں پر پڑا ہوا ہے۔ عاقبت کی خبر تو خدا جانے دنیا میں بھی اور وقت پر انسان کا کوئی ہمدرد اور غمخوار نہیں۔ جب تک اُنکے فائدہ کو محنت ہے دشمن بھی دوست اور انتہا پیچھے کے مہربان ہیں۔ جس وقت تنگی آتی۔ گھر کے عزیز و اقارب بھی اُنکے دیکھنے تک کے رعا دار نہیں رہتے۔

وہ بھی ہر دم تحقیر اور خوار نگاہ سے دیکھنے لگتے ہیں۔ خود اپنے زن و فرزند کو بیمار خاطر گذرتا ہے۔ یہ سب کہنے کی باتیں ہیں۔ سب غرض کے آشنا اور وقت پر دھوکا دینے والے ہیں۔ آدمی ناسخ اور بے فائدہ انہی محبت کے نشے میں دیوانہ ہو رہا ہے۔ دنیا میں سچا دوست ایک بھی نہیں۔ دراصل اسکا اصلی اور سچا دوست جو ہر دم اس کے اچھے بُرے حال کا خبر گیراں ہے اور ہر موقع کا نگران ہے۔ خواہ یہ کسی حال میں ہو۔ اسکو یہ اچھا ہی معلوم دیتا ہے۔ اور وہ اس کے صحیح امور جہانی اور روحانی کا مشغلہ نہ اُس سے کسی چیز کا خواہاں نہ اُس پر نظر ہے کہ مہندو ہے یا مسلمان۔ اپنے خزانہ سے ہر دم بالا مال کر نیچے لئے آمادہ اور دم بدم نگاہِ لطف و کرم زیادہ۔ وہ ذات اُسی خداوند وحدہ لا شریک کی ہے۔ جس نے اسکو پیدا کیا ہے اور عدم سے عالم شہود میں لایا ہے۔ وہی اسکا معاون و مددگار اور بگڑی کا بنانے والا اور وہی اسکو بر ملا سے بچانے والا ہے دنیا میں دل لگانے اور جان فدا کر نیچے قابل اگر کوئی ذات ہے۔ تو وہی ہے۔ جسکا کوئی عدیل نہیں۔ اس کے انعام و اکرام کا معاوضہ جان فدا کرنے سے بھی نہیں ہو سکتا۔ بقول غالبؔ

جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی + حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔  
 بڑی بڑی مشکلات میں اور آن کی آن میں ایسی دشگیری اور فریاد رسی کرتا ہے۔ کہ آدمی کو از خود بالیقین معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ یہ اُسی کا کام ہے۔ اور اُسی کے فضل سے یہ مشکل حل ہوئی ہے۔ اس وقت سارے دہریوں اور فلسفیوں کے خیالات جو خداوند کریم کے منکر ہیں۔ باطل اور کھلم مردود ہو جاتے ہیں۔

فطرت کا جوش جب زور کرتا ہے اور آدمی کو اپنی اصلی حالت پر لے آتا ہے تو ہر ایک ملحد اور منکر خدا سے بھی اسکی قدرت کاملہ کا اقرار کرتا دیتا ہے۔

ہے عارفوں کو حیرت اور مشکوکوں کو سکتہ + ہر دل پہ بھارا ہے جب حال تیرا  
 جو لوگ مصائب سفر اٹھاتے ہیں یا جہاد کا سفر کرتے ہیں۔ اُن سے کہیں  
 پہنچنی چاہئے۔

اس قدرت کے دیکھنے کا اکتھ بہت ہی زیادہ اتفاق پڑتا ہے۔ اور جو  
اہل باطن عرف باللہ ہیں۔ وہ قدرت کے جلوہ میں ہر دم محو رہتے ہیں۔ یوں

ہر جاتی سے جلوہ تیسرا لیکن  
دیکھا تو کہیں نظر نہ آیا  
تجسس ہی سزا ہے کبریائی  
کرسی کا نہ عرش کا یہ پلا

جو لوگ خدا سے غافل ہیں۔ اور دنیا میں منہمک ہیں۔ آخر دوزخ کا ایندھن  
بہر گئے۔ ان کا مال سانب اور بچوں کو انہیں کاٹے گا۔ دنیا کی خوشی  
زیرِ زور ہو اؤ ہوس طوق۔ بڑے کام ضررِ جہنم اور زقوم ہو کر ان کو لایموت  
فیہا ولا یحییٰ کا مزا چکھائیں گے۔ دوزخ کے انتہاء گنہگار میں وا دیا  
یکار ہیں گے۔ مگر کوئی انہی پکار کو نہیں سنے گا۔ فلا صر یخ لہم ولا ہم  
ینقذون ۛ وقالوا یا ملک لیتقض علینا ربک قال انکم  
ما کنون ۛ دوزخ کا ہیبت ناک نظارہ ۛ انسانی بڑے کاموں کا انجام۔



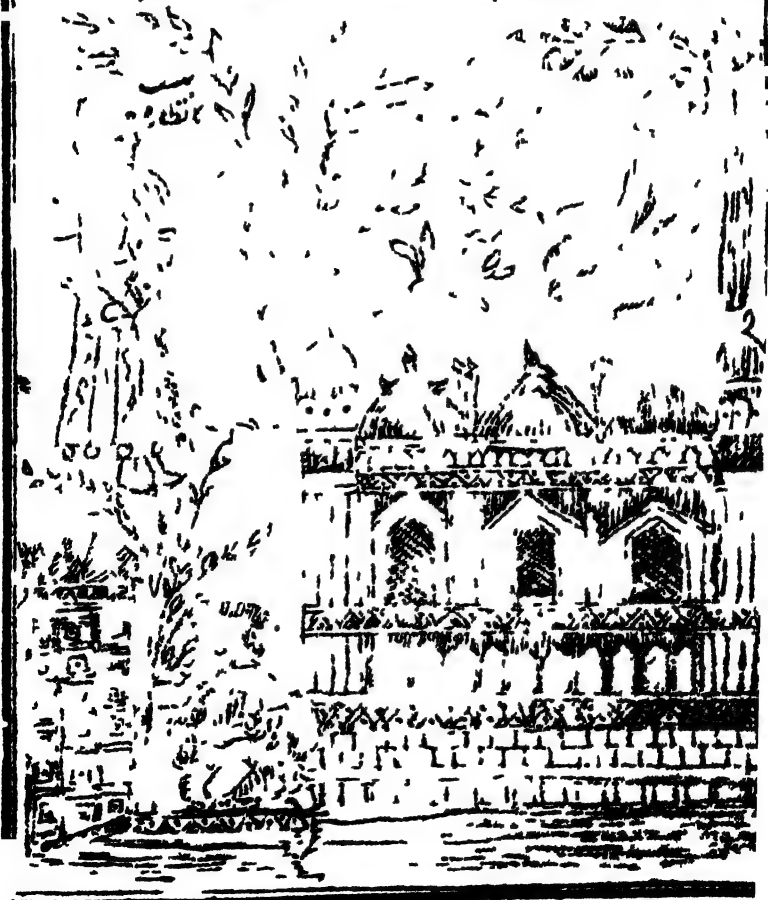


گروہ یہاں چند روزہ زندگی میں دنیا کے مزے اڑائیں اور جو اچھی چیزیں وہ  
ایک معین وقت تک چنک کر اُنکو موت نہیں آتی۔ بخوبی کھل لیں۔ مگر  
مے بعد وہ یہی فریاد کریں گے۔ کہ ختم کیا اچھا ہوتا۔ جو دنیا میں ہم مٹی ہوئے  
پلیسٹنی کنت خرابا۔

وہ حکومت اور دولت اور وہ جیش جب خاک میں۔ تو کچھ یاد نہیں آویگا  
صرف ایک خواب و خیال رہ جائیگا۔ بسکتی ہی کہیں گے کہ چکو پائیسے پاپ

دور مردوں اور دنیا کے جاہل نے برباد کیا جبکہ ہم خوش سمجھتے تھے۔ وہ ملر نہیں تھا۔  
 جسکو امرت خیال کیا تھا وہ نہ مر ملا تھا۔

کاش! اس دولت و ثروت کے عوض ہم دنیا میں محتاج اور بیل ہوتے غلام کرتے۔ ہر قسم کے صیبا  
 اٹھاتے۔ لوگ مکہ و بیل جاتے۔ دولت و ثروت و حکومت کچھ بہکونہ و بیکاتی۔ مگر خدا نے واحد کی عبادت  
 کرتے! اس صیبت پریش پھٹتے لیکن اسوقت کافروں کچھ قایدہ نہ دیتا۔ اور اس پھٹانے سے کچھ  
 حاصل نہ ہوگا۔ اگر وہ خدا کی مرضی کے تابع ہونگے! اسکے احکام کو مانیں گے کلام ربانی کو حق جانکر اس پر پورے  
 ہوئے کار بند ہونگے خدا کے ساتھ رہیں گے تو یقیناً انکو خدا کا وصال نصیب ہوگا۔ اور جنت بخیر  
 منجھتا ہلاک نہ رہیں! ان کو ملے جہان بشت کی ہر قسم کی نعمت ان کیلئے موجود ہونگی۔ جو قصور  
 خادہم غلام۔ خدمت میں فرم ہونگے۔ اور ابد الابد تک خدا کی رضا مندی اس پر نازل ہوگی۔



# شرف انسانی

آدم کو ملک کئے تھے کیا خاک بنے گا  
سمجھے نہ کہ سہ ما قدم اور اک بنے گا

اللہ تبارک و تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا آدَمَ وَجَعَلْنَاهُ فِي الْإِلَهِ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُ أَكْثَرَ مِمَّا خَلَقْنَا أَتَقَضِبُلَاظِ (نبی اسرائیل) اور ہم نے نبی آدم کو بزرگی دی ہے۔ اور اسکو بحر و بر میں سوار کیا اور ستھری چیزیں اسکے کھانے کو دیں اور اپنی بہت سی مخلوقات پر اسے ایک خاص قسم کی فضیلت دی۔

اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ انسان ایک قسم کا حیوان ہی ہے۔ اور منطق والے اسے ذہن حیوانی ہی میں داخل کرتے ہیں۔ اور فی الواقع اگر انسان اپنی حیوانی حالت میں ہی چھوڑا جاتا۔ تو وہ حیوان تو کیہ۔ حیوانوں سے گیا گدا تھا۔ نہ تو آواز جانوروں کی طرح اُس کے لئے پیٹ بھرنے کا سامان آسانی سے میسر آتا ہے۔ نہ بدن دھانکنے کا بغیر مانا مانا بننے کے ہم پہنچتا ہے نہ جسم پر پوشیدہ اور شرم سے۔ نہ بدن پر پر ہیں۔ بدن سے اپنے نہیں گرمی میری برسات کی آفات درپا ہے۔ نہ آگے پاس کوئی آگ تیز ہے کہ درند جانوروں سے بچا پاسکے۔ غرض اگر انسان اپنی حیوانی حالت میں چھوڑ دیا جاتا۔ تو اسکا زمین پر قیام محال تھا۔ نہ کچھ کھانے کو تھا نہ پینے کو۔ نہ جان بچانے کو۔ ایک دم میں فقر نہنگ اجل ہوتا۔ اور پھر اس کا چراغ لیڈر دھندلنے سے پتہ تک نہ ملتا۔ لیکن خدا کی شان دیکھئے اللہ تعالیٰ نے اس کو وہ چیزیں ایسی عطا فرمائی ہیں جن کے ذریعہ سے وہ ساری مخلوقات پر شرف رکھتا ہے۔ تمام حیوانات پر حکومت کرتا ہے۔ سب سے شائستگی اور تہذیب میں بڑھ گیا ہے۔ وہ وہ چیزیں کیا ہیں؟ عقل اور منطق۔ حیوانی عقل میں افزایش کی قابلیت نہیں ہوتی۔ جو علم اسکو ابتدا سے حاصل ہے ہمیشہ وہی رہتا ہے اول نسل میں حیوانوں کے علم کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ جو احاد عم کا ان کے لئے مقرر ہے



اس سے نہ آگے ایک قدم بڑھا سکیں نہ پیچھے ایک قدم ہٹا سکیں۔ اُن کو خدا کی طرف سے ترقی کا مادہ عطا نہیں ہوا۔ کُتو اب جیسے چلی وردی بیٹے کا میں کامیں کرتا بھڑتا ہے شرج میں بھی اسی طرح کیا کرتا تھا۔ کبھیوں نے جنتِ داناتی سے اپنی پہلی نسل میں خوبصورت چھٹا بنایا تھا ویسا ہی بنائی چلی آئی میں اور بنائی چلی جائیگی۔ اسپس بال برابر فرق نہوگا۔ جنے جس طرح اول روز گھوسلا بنایا تھا ویسا ہی سدا بنائیگا۔ کوئی اور جانور اسکا گھوسلا دیکھ کر ویسا نہیں بنا سکتا۔ خلاصہ یہ کہ حیوانات کی ترقی ایک ہی نسل میں اپنے معراج پر پہنچ جاتی ہے۔ بخلاف انسانوں کے کہ پشت در پشت ترقی کی پیڑھی پر خرقا ہے جانور اس نعمت سے محروم ہیں کہ اپنے خیالات اپنی اولاد کو پہنچائیں اور انسانوں کی طرح آپس باتیں نہیں کر سکتے نہ اپنے خیالات دوسرے کو بتا سکتے ہیں نہ ترقی کی عقل رکھتے ہیں گو ان حیوانوں کی قابلیت اور استعداد میں فرق ہوتا ہے کوئی کتہ دوسرے کتے کی نسبت زیادہ سمجھدار ہوتا ہے اور اسپس سیکھنے کی قابلیت زیادہ ہوتی ہے مگر قوتِ ناطقہ کے نہ ہونے کی وجہ سے اپنی تعلیم سے دوسرے کو کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔

اسکے برخلاف انسان اپنی قوتِ ناطقہ کی وجہ سے اپنے علم سے دوسرے کو فائدہ پہنچاتا ہے اپنی ترقی کو آئندہ نسل کے لئے چھوڑتا ہے۔ اور دن بدن ترقی کے میدان میں قوم کے بڑھتا ہوا جاتا ہے اور جمعی نہیں معلوم کہ وہ کب تک ترقی کے جائزہ مان دو جوہروں (عقل و منطق) کی بدولت آئی یہ شان ہوگئی ہے کہ ساری دنیا کا بادشاہ ہوگیا۔ شیریں کو قید کرنا درنعل کو اپنا حیدر بنانا۔ آسانی باؤل کی جبروین اور زمین پر حکومت کرتا اور ہر ایک شے کو مسخر کئے ہوئے ہے کانوں کے جواہر ہیں تو اسکی زیب و زینت کیلئے دیاؤں کے سونے میں تو ہر ایک زیبائش اور آرائش کے واسطے بانوں کے پھول اسکا داغ معطر کرنے کے واسطے ہتھکڑیوں کے دخت اسکے کاٹنے کے واسطے اور اسباب آسائش بنانے کے پانی اسکے گھر کی چکی پینے کے لئے لوندی یا اسکے جہاز کشتی کے بادبانوں کی تین دھواں اسکی گاڑی ریل پر چلانے کے لئے اور سینکڑوں خدمت کرنے کے واسطے خادم یا غلام بجلی اسکی پیغام رسانی کے لئے کاتب اور ایسا قلم کو انگلیوں کے اشارے پر چلے اور چاروں طرف تمام عالم میں لمحہ بھر میں پیغام رسانی کرے۔

خلاصہ یہ ہے کہ انسان ساری دنیا کا بادشاہ اور سب جہان اسکا خدمتگذار اور فرمانبردار بن گیا ہے۔

• بات یہ ہے کہ انسان کے شرف کا موجب یہ ہے کہ وہ مرکب جنین و کلیت ہے اور غیر منہا ہی علوم کی استعداد رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے و عبادہ الاسماء کلہا عندہ و آدم کو کل اسماء کھائے۔ خواہ اس بتلائے اور اسکو غیبیہ اور آگ سے حصہ دیا اور یہی امر ملائکہ پر انسان کے شرف اور استحقاق فی الارض کا موجب ہے۔ پھر انسانوں کے شرف کا ایک بڑا موجب اسکی ظاہری شکل و صورت اور من یہ ہے۔ جو جمیع حیوانات سے ممتاز ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ سورہ تین میں ارشاد فرماتا ہے لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ یعنی انسان کو نہایت ہی عمدہ صورت اور طویل دل میں پیدا کیا اسواسطے کہ اسکا ظاہر دیکھا جائے۔ تو کمال حسن و جمال کے۔ موصوف ہے۔ عمدہ وقامت۔ اور اعضا کی خوبی میں معتدل۔ نہ اونٹ کی سی۔ اسکی گردن لمبی ہے۔ نہ کھوسے کی سی نہایت چھوٹی۔ نہ خرطوم فیل کی طرح نکلا ہوا۔ نہ بکرت کی سی۔ نہ چو پاؤں کی طرح بے معلوم۔ اسی طرح اگر سب اعضا میں غور کی جائے تو انسان کی خلقت سب سے احسن تقویم (عمدہ سے عمدہ نقشہ میں نظر آئیگی۔ اسواسطے حضرت امام شافعیؒ کے زمانہ میں ایک شخص نے اپنی عورت سے کہا تم۔ ان لا تکن احسن من لفرات طاق۔ اگر چاند سے زیادہ حسین نہیں ہوگی۔ تو میں نے تجھے طلاق دی۔ سب علماء و مجتہدین اس مسئلہ میں حیران رہ گئے۔ اور طلاق پڑھنے کا حکم دیا جب یہ استفتاء حضرت امام شافعیؒ کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا طلاق مانع نہیں ہوگی۔ اسلئے کہ اسکی عورت انسان ہے اور انسان کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ کہ میں نے احسن صورت میں پیدا کیا ہے۔ اگر چاند کی صورت اس سے اچھی ہوتی تو احسن تقویم اسکی تعریف میں وارد نہوتا۔ ولنعم ما قبل ما دحا یا من یشبہا بالنص والبدل ابل انت ہا حیہا من ابن النضر۔ خال فرق و جنتہا فی نحلک من نظام الدار من فیہا من ابن للبدل اجفان۔ ملکہ بالبحر والظہر لجرى فی جرائشہا۔ یعنی نہیں تو تو تعریف کرنے والا ہے وہ کہ تشبیہ دیتا ہے تو انسان کو سورج اور چاند سے بلکہ تو سب کو خفایا

ہے اس کا۔ کہاں جہ سوچ کے تل رخسارہ پر اور ہنسنے میں لڑی موتیوں کی  
منہ میں اسکے کہاں ہے اور کہاں ہیں چاند کی پلکیں سرمہ والیاں جادو بھری  
اور فتح و نصرت جانی ہے کفاروں میں اسکے۔ اور ظاہر بات ہے کہ چاند میں  
سوائے روشنی اور چمک کے اور کچھ نہیں ہے۔ اور یہ نسخہ جامع ہے۔ نقاشی  
کی زکاتوں کا اور طرح طرح کی اشکال کا چنانچہ کہا گیا ہے کہ من ماہ ندیدہ ام کلہ  
من سرو ندیدہ ام قبا پوش۔ یعنی میں نے چاند کو نہیں دیکھا تو پی پہنے ہوئے  
اور سرو کو نہیں دیکھا۔ بیش نے قبا پہنے ہوئے۔

اور انسانی ذیل ڈول کا احسن تقویم میں ہونا اس وجہ سے بھی ہے کہ کوئی صورت  
دنیا میں لائق عبادت و غفلت تہنیت کثرت کے نہیں ہے۔ جیسی کہ انسان کی شکل  
ہے قیام اور رکوع اور مجبود وغیرہ سب اُس سے ہو سکتا ہے۔ اگر اس کے  
حسن کا بیان تفصیل کیا جائے جیسا کہ علم تشریح میں ہے۔ تو اسکو دفتر کے  
دفتر و دھاریوں۔ غ۔ کرو۔ تمام حیوانات اپنے منہ خدا کی طرف لیجا کر کھانا کھاتے  
ہیں۔ مگر یہ اتنے المخلوقات برسی عزت و حرمت کے ساتھ کھانے کو اپنے  
کے پاس لاکر کھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ کہ فی انفسکم  
افلا تعبرون۔ اور تمہاری جانوں میں خدا کی قدرت کے نشان ہیں۔ کیا تم  
دیکھتے نہیں۔ اسکی تفسیر میں حکیم ربانی رسول خدائی صلعم نے ارشاد فرمایا  
ہے کہ سن حرف نغمہ فقد عرف رب۔ جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا پس  
خدا کو پہچان لیا۔ حقیقت میں انسان کے وجود کے اندر قدرت الہی کے  
استقدر نشان ہیں کہ اگر قیامت تک الہی تفتیش و تحقیق میں لگا رہے تاکہ  
وہ کبھی ہمتا پذیر نہیں ہو سکتے۔ نہ بدن روح کے عجائبات پر وہ احاطہ تمام  
کر سکتا ہے۔

انفس کہ انسان غافل کبھی اپنے بدن کی بناوٹ اور نفس کی حالت پر غور  
نہیں کرتا۔ وہ وہ اپنے چھوٹے سے بدن ہی کے اندر ایک عالم کبیر کے  
نشانات پا سکتا ہے۔ اور ساری دنیا کا تہذیب اپنے اندر دیکھ سکتا ہے۔  
وَعَلِمَ أَنَّكَ جَرَمٌ صَغِيرٌ رَفِيعٌ أَنْظَرِي الْعَالَمَ الْأَكْبَرُ

اور تو خیال کرتا ہے کہ تو ایک چھوٹا سا جسم ہے مگر حال یہ ہے کہ تیرے اندر  
علم کبیر منظوی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے جو قرآن شریف میں فرمایا ہے کہ "یعنی انسان کو حسن لکھویم میں پیدا کیا ہے۔ اس سے یہی مطلب ہے کہ اسکی ترکیب و تنظیم اور بناوٹ وغیرہ سطح کی ہے کہ اسکی ذات عجاہبات قدرت کے تمام نمونوں پر مشتمل ہے اور وجود انسانی عالم کبیر شیون پر مشتمل ہے۔ اگر اسکے باطن کے مقبول کی طرف غور کیا جائے تو عالم کبیر کی ایک تصویر نظر آتی ہے۔ اور تقویم عالم کی متفرق خوبیاں اور حسنوں کی صنعت اپنے اندر رکھتا ہوا عالم صغیر کہلاتا ہے چنانچہ جو کچھ عالم کبیر میں موجود ہے اسکی ذمہ اس عالم صغیر میں بھی موجود ہے اور عالم کبیر کے تمام شیون اور صفات اور خواص اور کیفیات اس میں بھری ہوئی ہیں جیسا کہ اس کی طاقتوں اور قوتوں سے اسکا ثبوت ملتا ہے کہ ہر ایک چیز کی طاقت کا یہ نمونہ ظاہر کر سکتا ہے۔

چنانچہ سوچ کی طرح میکاشفات آئینہ کی روشنی اور توحید الہی کی گری پلنے دل میں رکھتا ہے اور دوسروں کو اس سے مستفیض کرتا ہے۔ چاند کی طرح حضرت اعلیٰ سے ایمانات فائدہ کا نو دیتا ہے اور دوسرے انسان کامل سے نور معرفت کا استفادہ کرتا ہے دن کی طرح روشن اور نورانی بن کر لوگوں کو نیکی اور بھلائی کی راہیں دکھاتا ہے۔ اللہ کی طرح قصد و ارادہ گناہگاروں کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ اور نیکوں کو آزماؤں پہنچاتا ہے۔ آسمان کی طرح ہر ایک حاجت مند کو اپنے ساتھ لئے جلد دیتا ہے۔ اور دنیا پر اپنے فیضان کی بارشیں برساتا ہے۔ زمین کی طرح سالانہ سے ہر ایک کی آزمائش کے لئے بطور فرس بن جاتا ہے۔ اور سب کو اپنی گناہ عافیت میں پالتا ہے اور طرح طرح کے روحانی میوے لٹکے لئے پیش کرتا ہے۔ حق اللہ اور حق العباد کو کمال کے نقطہ تک پہنچاتا ہے۔ خدا میں محو ہوتا اور مخلوق خدا کا سچا خادم بن جاتا ہے۔ اور نیک قوبہ ارادہ کا منشا ہو سکتا ہے۔

غرض جو کچھ عالم کبیر میں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا۔ عالم صغیر یعنی بدن انسانی میں اسکا نمونہ موجود ہے۔ ہڈی ہڈی پینا مال۔ نباتات۔ طائر آسمانی۔ اس قدر آگے نہیں۔ بلکہ جہان میں جس قسم کی مخلوق ہے۔ جیسے سمندر۔ گناہ جلیلا۔ جہاں۔ شیطان۔ ذشت۔ حق سبکی مثال انسان کے بدن میں موجود ہے۔ گھانے اور حراج پر مہر ایس جہانی خصلت ہے۔ غصہ کے وقت ستم

شیر۔ بھینسے کا کام کرتا ہے۔ کرو حیلہ سے لوگوں میں فساد ڈال دیتا کرتا ہے۔  
 ہمیں شیطانی کام ہیں۔ علم کو دوست رکھنا۔ بُرے کاموں سے پرہیز کرنا  
 لوگوں کی بہتری چاہنا۔ ذلیل کاموں سے بچ کر عزت دار رہنا۔ ہر کام میں حق کو  
 پہچان کر خوش ہونا۔ جمل و نادانی کو عبث جاننا۔ اس میں ملکی صفت ہے  
 بلکہ جو جو پیشہ جہان میں ہے اُن سب کے نمونے انسان کے جسم میں  
 موجود ہیں۔ جو قوت کے معده میں کھانا ہضم کرتی ہے گویا باورچی ہے۔  
 اور جو قوت کے خالص کھانے کو جگر میں اور بھوک کو انتڑیوں میں پہنچاتی ہے  
 گویا گاندھی ہے۔ اور جو قوت کے کھانے کو مگر میں خون کے رنگ پر کر دیتی ہے  
 گویا رنگ پزیر ہے۔ اور جو قوت کے خون کو عورت کی چھاتیوں میں سفید دودھ اور  
 مرد کے نصیوں میں مٹی کو سفید کر دیتی ہے گویا دھوبی ہے۔ اور جو قوت کے غذا  
 کو ہر عضو میں کھینچ کر پہنچاتی ہے گویا بندھانی ہے اور جو قوت کے پانی کو جگر کی  
 کھینچ کر گردے میں نشانہ میں بہا دیتی ہے گویا متقا ہے۔ اور جو قوت بھوک  
 کو پیٹ سے باہر گرا دیتی ہے گویا حلال خور ہے اور جو قوت سودا اور فرا  
 کو اندر اس واسطے پیدا کر دیتی ہے کہ بدن سیہ اور خراب ہو گویا مفید جملہ  
 ہے۔ اور جو قوت صفرا وغیرہ بیماریوں کو دور کرتی ہے گویا منصف ندی ہے  
 پھر دیکھو اور غور کرو۔ بدن انسانی ایک مملکت کی مثل ہے جس میں درج  
 بنن کا حواری اور بادشاہ ہے بحقل وزیر۔ اخلاق فاضلہ شریف علیہ  
 مملکات دیہ۔ کچے۔ شہدے۔ اعضاء نمایاں جیسے ہاتھ پاؤں وغیرہ  
 اسکے لشکر حواس۔ ہر کارے خواہش۔ شہر کی عال۔ غصہ کو توال۔ بادشاہ  
 مل کو مملکت کے واسطے ان سب کی ضرورت ہے۔ لیکن خواہش جو گویا عال ہے  
 جھوٹی اور نیابتی کرنے والی ہے۔ وزیر عقل جو کہتا ہے اس کے برخلاف ہی کرتا  
 چاہتی ہے کہ سلطنت میں جتنا مال ہے۔ سب خرچ لے کے بہانے لے لے  
 اور غصہ جو کو توال ہے۔ سخت تند خو اور طرار ہے۔ اُسے مار ڈالنا۔ اور زخمی  
 کرنا ہی اچھا معلوم ہوتا ہے۔ جس طرح اور بادشاہ سب باتوں میں اپنے وزیر  
 سے مشورہ کرتا ہے اور جھوٹے لالچی عال کا کان ٹھونڈے رکھتا ہے۔ اور  
 کے برخلاف اسکا گناہ نہیں مانتا۔ کو توال کو ایٹھے رکھتا ہے اُسے نیابتی کر  
 دے کے رکھے اور کو توال کو بھی دیکھتی رکھتا ہے کہ قدم حد سے نہ بڑھائے۔

مرد نہ انتظام ملک میں خلل واقع ہو۔ اسی طرح سلطان دل بھی اگر وزیر عقل سے مشورہ کر کے کام کرے۔ اور عامل کو نوال (حواس اور غصہ) کو مطیع کرے۔ اور وزیر عقل کا محکوم بنائے۔ اور عقل کو اسکا تابع نہ بنائے۔ تو بدن کی سلطنت کا انتظام درست رہتا ہے اور انسان اپنی سعادت کی راہ چلکر بارگاہ الوہیت میں جلدی اور بے روک ٹوک پہنچ جاتا ہے۔ اور اگر عقل کو غصہ اور خواہش کے زیر کر لیا۔ تو ملک بدن خاک سیاہ ہو جاتا ہے۔ بادشاہ بد بخت اور ہیشیہ کے لئے تباہ ہو جاتا ہے۔

پھر انسان کے شرف و کمال کی بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ زمین میں خلیفہ اللہ ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ کا نائب اس کی صفات کا منظر۔ اور نعل ربوبیت جس میں صفات الہی جلوہ گر ہیں۔ غرضکہ انسان میں اس قدر کمالات و خواص پائے جاتے ہیں اور وہ اس قدر اعلیٰ طاقتیں اور قوتیں۔ خصتیں اور خصوصیتیں اپنے اندر رکھتا ہے کہ اگر ایک انسان توائے سبعیہ و ہیمیہ کا کلیجہ ہو کر حیوانوں کی طرح خورد و نوش اور حفظ نفسانی میں عمر بسر کر کے ذمہ رد نہ اسفل سافلیں کا مصداق نہ بن جائے تو تمام عالم کے تفریق کمالات و صفات پر ایک واثرہ کی طرح محیط ہو سکتا ہے اور عالم ماسوت سے نکل کر جبروت۔ ملکوت۔ لاہوت تک پہنچ سکتا ہے۔ اور غیر متناہی قیام اور مدایح کے سراج پر چڑھ سکتا ہے +

## انسان کو اللہ تعالیٰ نے کیوں پیدا کیا ؟

اگر اللہ تعالیٰ کے کام معلل بہ اغراض نہیں ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کو اپنے کسی کام میں کوئی ذاتی غرض ملحوظ نہیں۔ کیونکر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ غرض مند اور صاحب نیلج شہیرتا۔ لیکن اسکا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمة۔ حکیم کا فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں بار بار فرماتا ہے وما خلقت السموات والارض باطلا ذلک ظن الدین کفرنا ہم نے آسمان و زمین کو لغو اور فضول نہیں بنایا۔ جس میں کوئی اور مصلحت مرعی نہ تھی مگر جو بلاغ کلمہ خدا تعالیٰ کو توفیق حکمتوں اور بوجہ اللہ تعالیٰ کے قہر و شال ہے

یہ خیال کر آؤ بیش عالم میں کوئی حکمت مد نظر نہیں رکھی گئی اور محض دینی اور فقیہیات کا مجموعہ ہے۔ صرف انہیں لوگوں کا خیال ہو گیا ہے جو خدا اور اسکی صفات کا مد سے بالکل منکر ہیں۔ خدا شناس اور گمانی آدمی جب زمین و آسمان میں نظر کرے گا بے اختیار ہی پکار اٹھے گا دنیا ما خلقت هذا الخلق ليعبدني اذنا عذاب النار۔ خدا یا تو نے جو کچھ بنایا ہے فضول اور لغو نہیں بنایا پیری ذات لغویات سے پاک ہے پس ہکو ایسے خیالات سے بچا جو تیزی معذت کے خلاف ہوں اور عذاب جہنم کے مستحق بنائیں۔

پھر اللہ تعالیٰ سورہ مومنون میں ارشاد فرماتا ہے انما خلقناکم منّا و انکم الینا لاترجعون ذوالی اللہ للک الحق لا اللہ الا هو رب العرش اکرب و من یدع مع اللہ الہا اخر لا برهان له به فانما حسابا عند ربہ انہ لا یعلم الکفرون و قل رب الغفور وادحمہ و انتا خیر الراحمین۔ کیا تم نے خیال کر رکھا ہے کہ ہم نے کھو فضول اور لغو بنایا ہے۔ اور تمہاری آفرینش سے کوئی حکمت اور مصلحت متعلق نہیں اور نہ تم ہماری طرف واپس آؤ گے۔ اللہ جو سچا اور برحق بادشاہ ہے اسکی ذات لغویات اور فضولیات سے بہت بند ہے۔ اسنے سوائے کوئی معبود نہیں ہے بزرگ عرش سلطنت کا وہی مالک ہے۔ اور جو کوئی ایسے عالی قدر خدا کو چھوڑ کر ماسوی اللہ کوئی معبود ٹھہرائے جس کی معبودیت پر اسنے کوئی دلیل ہے ہی نہیں تو حساب اس کے رب کے یہاں ہے۔ بات یہ ہے کہ خدا کی حکمتوں اور قدرتوں کے انکار کرنے والوں کا کبھی انجام بخیر نہیں ہوتا۔ اور اسے نبیؐ تو کہہ دے بار خدا یا تو مجھے اپنی مغفرت اور رحمت کے سایہ تلے لے آ۔ اور ایسے خیالات بالکل غلط سے بچا تو سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے +

پس بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو لغو اور فضول نہیں بنایا۔ بلکہ اسکی پیدائش اور خلقت کے متعلق ضرور کوئی نہ کوئی حکمت اور مصلحت لکھی ہے۔ وہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود ہی فرماتا ہے۔ و ما خلقت الجن و الانس الا ليعبدون۔ اور میں نے جن اور انسان کو نہیں بنایا مگر صرف

اس لئے کہ میری عبادت کریں۔ تمام اعضاء اور قوتوں روحانی اور جسمانی کو میری مرضی کے موافق رکھ دیں۔ مجھے محبوب حقیقی سمجھیں۔ میری عظمت کے قابل ہوں۔ میری قدرتوں اور صنعتوں پر غور کریں۔ متفکروں کی خلق اللہ ہوا و الارض۔ زمین و آسمان کی خلقت میں فکر کریں۔ حقائق قدرت کو دریافت کریں اور خدا تعالیٰ کی باریک ترین حکمتوں کو معلوم کریں۔ صاف یگانہ چھوڑیں۔ کہ مٹا خلقت۔ ہذا باطل لا خدا ونا تو نے یہ سب کچھ فصول اور لغو نہیں بنایا۔ بلکہ آفرینش عالم میں کمال و بد کی حکمتیں اور ضعیف محظوظ رکھی ہیں جسکی تھما نہیں پائی جاتی۔ اور اس طرح انکی معرفت تازہ ہو کر بے اختیار انکے منہ سے نکلتا ہے۔ کہ سبحان اللہ تیری قدرتوں اور حکمتوں کا کئی حساب نہیں۔ تو نے ہر ایک بات میں گونا گون حکمتوں اور بولچوں کو نہیں غلو و رمی رکھی ہیں یوں مصنوعات سے صانع کی طرف مخلوقات سے خالق کی طرف حرکت اشیاء سے حکیم حقیقی کی طرف لے بیجاتے اور دل و جان سے اس کی حمد و ثنا کے گیت گاتے اور بروقت اس کے ذکر سے رہ رہ کر اللہ ہوتے ہیں۔ یذکرون اللہ قیاماً و قعوداً و علیٰ جہہ بہم۔ اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کھڑوں پر بیٹھے یاد کرتے ہیں اور دینا دینا پکارتے ہیں۔ رجال تلمیہم تجارت ولا بیع عن ذکر اللہ۔ اُن اللہ کے بندوں کو نہ تجارت نہ بیوار نہ بیع اللہ کی یاد سے روک سکتی ہے۔ والذین امنوا تطہن قلوبہم یذکرو اللہ الا یذکرو اللہ تطہن القلوب۔ خدا کو اُن کا پورا یقین ہوتا ہے اُن کے دل یاد رکھی نہیں تسلی یافتہ ہوتے ہیں۔ غفلت۔ شان الہی کو دیکھ کر اُن کے دل متاثر ہو جاتے ہیں۔ اذا ذکر اللہ وجلت قلوبہم۔ وہ اللہ کا کو یاد کرتے اور اُسی کا دم بھرتے ہیں۔ جسکی یہ نادر حکمتیں اور گونا گون قدرتیں ہیں انسان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے کہ اسکی رحمتوں کا مزا چکے۔ اُس کے حکموں کو بجا لائے۔ سچے دل سے اسکی عبادت کرے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے جو اعضا اور قوتیں عطا فرمائی ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ ہی کے حوالے کرے ہر ایک عضو اور قوت کو فطرت کے موافق کام میں لائے۔ اور خدا تعالیٰ سے جو غیر ممکن حاصل کرے۔ اور ابدی وصال اور رضوان الہی سے



# زِائِضُ الْإِنْسَانِ

## امانت الہی یا فطرت اللہ

آسمان بار امانت نتوانست کشید تو وہ اس خالق بنام من ویمانہ زوند  
 اللہ تعالیٰ نے قرآن شہسور میں فرمایا ہے انا عرضنا لالامانة على السموات  
 والارض والجبال فاقبضن ان يحملنها، اشفقن منها وحملها الانسان انه كان  
 ظلوما جهولا۔ یعنی امانت وہ ذمہ داری کو آسمان وزمین و پہاڑوں پر پیش کیا۔ تو  
 انہوں نے اس بوجھ کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے۔ اور اللہ  
 نے اُسے اٹھا لیا۔ بے شک وہ ظلم و جہول تھا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نہایت عمدہ تشبیہ کے پیرایہ میں انسان کو الہی  
 قوانین (یعنی فرائض) کی طرف متوجہ کیا ہے۔ حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے جس قسم  
 کی فطرت انسان کی پیدا کی ہے اور جس قسم کی ذمہ داری اس سے مطلوب ہے  
 اور کسی چیز سے نہیں۔ یہ استدعا و نجوم میں نہیں تھی۔ قمر میں نہیں تھی۔  
 آفتاب میں نہیں تھی۔ زمین و پہاڑوں اور سمندروں میں نہیں تھی۔ بل۔

یہ فرائض انسانی کو اللہ تعالیٰ امانت سے اس لئے تعبیر فرمایا ہے کہ امانت بھی وقت پر رہیں  
 لینے کے قابل ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے فطرت انسانی میں جس قسم کی خاصیت رکھی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ  
 کے حکم کے موافق دنیا میں ہر ایک کام سر انجام کر سکتا ہے۔ تمام توانے جسمانی اور روحانی کو امانت  
 اسی میں لگا سکتا ہے۔ اسے امانت سے سمجھ فرمایا۔ اور اس خاصیت سے انسان کا کام بین اور  
 برحق ادا و اسی لئے استعمال کرنا امانت کا نوا کرنا ہے۔ انسان کے وہ تمام توانے اور  
 اور علم اور دل اور جان اور حس اور جمیع ضلوع جسمانی اور روحانی جو اللہ نے عطا  
 فرما رکھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ان الله يامركم ان تردوا الامانة الى  
 اهلها کے موافق اُن کو استعمال کرنا اور اپنے اعضا اور توانے کو مرضی الہی کے  
 تابع کر کے رضا الہی میں فنا ہو جانا اس امانت کا اپن کرنا ہے۔

لے ظلم بینے نفس پر سختی کر سکتے وہ۔ جہول بینے خدا کی راہ میں تکلیف کو بھل

یا قوت - الماس - اور پہاڑوں میں نہیں تھی - فرشتوں میں نہیں تھی -  
 عرض وہ کسی چیز ارضی و سماوی میں تھی صرف انسان میں تھی - سو اسی پر  
 اللہ تعالیٰ نے یہ بوجھ ڈالا - اپنی امانت جو خلافت سے عداوت ہے اس کے  
 سپرد کی - تاکہ وہ پورے طور پر اسکی حفاظت کا حق ادا کرے +  
 - یہ امانت کا بوجھ انسان پر ہی ڈالا گیا - اس نے اپنے سر پر اس بار  
 امانت کو اٹھالیا ہے - یہ وہ بار ہے جس کا بجز انسان کے کوئی نہیں

نہیں ہو سکتا +  
 انسان کو جو جسمانی اور روحانی طاقتیں اور حواس ظاہری و باطنی عطا  
 فرمائے گئے ہیں یہ سب امانت ہیں - اور زن و فرزند خویش و برادر جس قسم  
 بنی البشر انسان میں سب کا بار اُنکے ذمے ڈالا گیا ہے - اور ہر ایک حق  
 اُس پر لگایا گیا ہے +

آئینہ امانت - کمان امانت - پاؤں امانت - جملہ اعضا امانت ہیں -  
 کہ اُن کو یہ خدا کے حکم کے موافق اُنکے مناسب کام میں لگائے - بیہوش  
 اور غوہاتوں میں فدا لگا اور خائن کہہ کر یا منکرات میں اُنکو مصروف کیا  
 اور مجرم ہوا - برخلاف دیگر حیوانات کے کہ وہ اس سے بالکل آزاد ہیں اور  
 کوئی بار امانت اُنکے ذمے نہیں ہے +

آسمان - زمین - خاک - باد - آب - آتش - سوج - چاند وغیرہ میں سے  
 کوئی بھی ایسا کچھ میں جلا ہوا نہیں ہے - جیسا کہ انسان ہے پس  
 کے فکر کے سوا لاکھوں طرح کے تعلقات اُسکی جان کو لگے ہوئے ہیں -  
 مخلوقات میں انسان کی ایک خاص حالت ہے - اسکو عقل و شعور  
 ہے - اور اسکی طبیعت میں مختلف تقاضے ہیں اور اپنے اقوال و  
 افعال میں وہ پورا آزاد ہے - اور اس آزادی پر ہی کابعدیت ہے جو زمانہ  
 بھر کے جھگڑے دنیا بھر کے لکھیرے اسکے پیچھے لپک رہے ہیں - اور  
 دنیا میں اکیلا زندگی بسر نہیں کر سکتا - بلکہ وہ دنیا کی طرح ہے - دنیا پالا گیا  
 اجلے جنس میں رہنا پڑتا ہے اور وہ بھی اسکی سی طبیعتیں رکھتے ہیں  
 اور خواہی خواہی لوگوں کے اغراض و معانات میں کشمکش و مانع ہوتی  
 ہے - جس کثرت سے انسان کے تعلقات میں اسی ندرت سے اُسکی

ذمہ داریاں بھی ہیں۔ پس حقوق ہیں خدا کے۔ والدین کے۔ رشتہ داروں کے۔ اولاد کے۔ بی بی کے۔ ہمسائے کے۔ قوم کے۔ حاکم وقت کے۔ اہل معاملہ کے۔ اور اگر ان تمام حقوق پر نظر کی جائے۔ موقع بین انسان پر ذمہ داری کا بڑا بھاری بوجھ ہے۔ جو ہر کسی اوصیٰ یا معاویٰ چیز پر نہیں ہے۔ درود دل کے واسطے بیکار انسان کو۔ ورنہ طاقت کے لئے کچھ نہ تھے کڑواہیاں + اور جبکہ ان تمام ذمہ داریوں کے مقابلہ میں عقل و فہمی ہے جو انسان کو دینا میں اسے کس طرح رہنا چاہئے اور مراہم کے ساتھ کیسا بڑاؤ کرنا چاہئے اور اسکو نیکی و بدی دونوں کے درمیان کیسے امتیاز ہے اور غفل کو زیادہ روشن کرنے کے لئے خدا نے وقتاً فوقتاً پیغمبر بھیجے ہیں اور کتابیں نازل فرمائی ہیں جسے چاہئے ہر ذمہ داری کا بڑا بوجھ ڈالا گیا وہیں اسے ہلکا کرنے اور سمجھانے کے لئے عقل و الہام عطا فرمایا گیا +

اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسی روح عطا فرمائی ہے جو ابد اولاد تک رہے گی۔ اور اس دنیا میں جیسا نقش اعمال اس پر مرقم کیا جائیگا۔ ہمیشہ قائم رہے گا۔ انسانی مختلف تعلقات اور یہی کشمکش کی وجہ سے ہی خدا کی طرف سے تعامل ہوتا ہے گناہ کی اصل ہے۔ ان گناہوں کا ارواح پر بڑا اثر ہے۔ جس سے روح کی وہ بستی جو بعد مرگہ ہونے والی ہے بستی یا جنتی ہوئے۔ انسان کے سوا جتنی مخلوقات ہیں انکی ایک خاص حالت ہے۔ انکی طبیعتوں میں مختلف تقاضے نہیں۔ اور نہ فاعل مختار ہیں اور اسی وجہ سے ان پر کسی طرح کی ذمہ داری نہیں بخلاف انسان کے جسکی فطرت سب سے ممتاز اور سب سے زیادہ ذمہ وار ہے +

انسان کی روحانی زندگی کو دونوں جانب سے تعلق ہے جانب اعلیٰ اپنے خالق سے اور جانب ادنیٰ اپنے ہم جنسہ مخلوق سے۔ مخلوق سے اس کے تعلق کا یہ اثر ہے یا ہونا چاہئے کہ وہ اپنے ہم جنسوں سے حسنہ اطلاق کے ساتھ پیش آئے۔ دینی و فنی

خالق سے کسکے خلق کا یہ اثر ہے یا ہونا چاہیے کہ وہ اپنی فرمانبرداری اور  
شکر گزاری میں لگا ہے اور اسکی مرضیات کا طالب و شائق ہے ۔  
اس امر کو آنحضرتؐ نے ایک حدیث میں اس طرح بیان کیا ہے کہ انسان کا حقیقی  
فرض الطاعت لہم اللہ والشقہ علی عبادتہ یعنی خدا کی اطاعت اور  
اُسکے بندوں سے حسن سلوک ۔

آیہ اذاعرضنا الامانة علی السموات الخ میں انسان کے اس فرض میں  
اور ذاتی ذمہ داری و طرف اشارہ ہے کہ انسان اپنے بنی نوع اور خدا سب کو  
حقوق ادا کرے ۔

انسان اگر اپنی روحانی اور عقلی طاقتوں سے کام لے اور اسکے صلہ کے  
میں سر تسلیم جھکا دے ۔ اپنے تئیں بطور قربانی کے اُسکے حکموں کے آگے والد  
تو طاعت اللہ سے بڑھ جاتا ہے ۔ اور دائمی اجر انعام کا مستحق ہو جاتا ہے ۔  
اگر وہ ابن خدا داد طاقتوں سے کام نہ لے حقوق عباد اور حقوق الہی ادا  
نہ کرے تو وہ سب حیوانات سے نیچے درجہ میں گر جاتا ہے ۔ (لہو ردودہ  
اسفل سفلیں) اور بدترین حیوانات سے بدتر ہو جاتا ہے ۔ اولئک  
کا الانعام بل هم اضل اولئک هم العافلون ۔

اگر قانون قدرت کے صفحات پر نظر ڈالی جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے  
کہ انسان کی فطرت بمقابلہ نباتات و حیوانات کے امانت برداری اور ذمہ داری  
کے خاص طور پر مہیا ہے ۔

نباتات و اشجار وغیرہ کو حکیم علی الاطلاق نے حیوانی افعال و ادراکات عطا  
میں فرمائے ۔ تو انکے وجود بقائے شخصی و نوعی کے لئے ایسے اسباب پیدا کر دئے  
جس میں انکے امامے فاعل کا دخل نہیں ہے ۔ کوئی غم بیزی کرتے کوئی  
وقت یا جود لگائے ۔

گھٹتیں وغیرہ نہ کہ پھل وغیرہ تک پہنچائیں اور ان پھلوں کے جفت چنے  
سے تازہ پھل نکالے ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ومن کل شئی خلقنا ذلک  
لکم تذکرون (جتنے ہر چیز میں ہیں تو اللہ و تامل کا طریقہ جدید ہے  
جو زمانہ پیدا کئے تاکہ تم نصیحت پڑو ۔ اکی خدا شئی ہو چلی اور سوا  
وہ اور مریض کے فدیہ چنے سے سر تک پہنچے ۔ تو کھو جو حاصل

اور انکے مخصوص مدفع کا قیام ہو۔

حیوانات چرند و برند وغیرہ میں افعال و حرکات آزادی اللہ تعالیٰ نے وہی رکھے ہیں تو انکو خط شخصی کے لئے یہ الہام طبعی ہوتا ہے کہ چل پھر کر اپنی غذا اور دیگر ضروریات زندگی تلاش کریں وہ اس الہام پر عمل کرتے ہیں اور چل پھر کر اپنا رزق اور دیگر ضروریات زندگی تلاش کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وما من دابة فی الارض الا علی اللہ رزقها ومن دابة فی السماوات الا علی اللہ رزقها یجناحید الا امم امثالکم وکاین من دابة الا تحمل رزقها اللہ رزقها وایاکم +

انکے بدن کے بال اور پر گرمی کے موسم میں باہر کی گرمی کو اندر نہیں جانے دیتے۔ اور سردی کے موسم میں اندر کی گرمی کو باہر نہیں نکلنے دیتے اور اس طرح گرمی اور سردی کے موسم میں ان کا بچاؤ رہتا ہے۔ اسے سوا عند الضرورت وختوں کے ساتھ یا دیواروں کے ساتھ یا دھوپ وغیرہ میں گرمی و سردی کا از سرخ کر لیتے ہیں۔

پھر ان جانوروں کی پیٹم اور بالوں اور کھالوں سے انسان کا بھی بہت کچھ کام چلتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں انسان پر اس احسان کا اظہار فرمایا ہے۔ ولا انعام خلقنا لکم فیہا دفء و منافع و منها ناکلون باللہ جعل لکم من بیوتہم سکانا و جعل لکم من جلود الانعام بیوتا تستخفونہا یوم کہم ام امنتم من اھوا فیہا و او بارھا و استعراھا ثاتا و مناعا ان حیث اور بقائے نوعی کے لئے انکو یہ طبعی الہام ہوتا ہے۔ کہ رغبت و ارادہ سے زیادہ کی طرف متوجہ اس سے جفت ہو اور اس میں وہ نظر و سنائی کی طبعاً پیروی کریں۔

پھر اللہ تعالیٰ کی قدرت کی طرف غور کرو۔ جن جانوروں کے بچے پیدا ہوتے ہی چلنے پھرنے لگتے ہیں انکو پھل کے بے جگہ تلاش و حصول کرنا حکم نہیں ہوتا اور جن کے بچے ایک عرصہ کے بعد اپنا آپ سمجھ سکیں انکو یہ طبعی الہام ہوتا ہے کہ وہ درختوں یا دیواروں یا زمین میں گھونٹے یا چھتے یا بل بنادیں جسکا ذکر بظہر تمثیل اللہ تعالیٰ نے سورہ نمل میں فرمایا ہے۔ و ادھی ذبک الی الفصل ان اتخذ من لھبیل بیوتا ومن الشجر وما یھشون

شیر و حیوانات کو یہ افغا ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنے بچوں کو دودھ پلائیں۔  
اور ان کے علاوہ انسانوں کو بھی (جو انکو گھاس دانہ دیتے ہیں) انکی غور و  
بروزت کے بغل میں دودھ دیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وان  
لنکرم فی الانعام لعبادة نسقیکم فانی بطونهم من بین فوٹ ودم لبناخالصا  
ساعدا للشاربین۔

اور جو جانور دودھ نہیں پکھٹے اُن کو یہ الہام کر رکھا ہے کہ وہ اپنے منہ  
میں دانہ رکھ کر اسکو نیم ہضم کر کے بچوں کے منہ میں رکھ دیں +

حیوانات میں ان افعال کے سوا اور اکانت کلیہ ضوابط عقلیہ کا مادہ عطا  
نہیں ہوا تو انکو حفظ شخصی و بقائے نوعی کے لئے بجز ان طبعی امور کے  
کسی عقلی امر اور کلی ضابطہ کا الہام نہیں ہوا غرضکہ عقل حیوانی بالکل محدود  
بنائی گئی۔ جو صرف بقائے نوع و حفظ شخصی میں کام آسکتی ہے۔

اب ہم فطرت انسانی کا مطالعہ کرتے ہیں تو اسکو نباتات اور حیوانات  
کی مذکورہ صفات کا جامع اور مجموعہ پاتے ہیں اور اس میں کئی صفات و کمالات  
ایسے پاتے ہیں جکا حیوانات و نباتات میں نشان تک نہیں ہے اسکے مجموع  
صفات پر نظر کر کے ہم یہ سوچتے ہیں کہ منجملہ ان مجموعی صفات کے جو ان  
میں پائی جاتی ہیں کون سی صفات ہیں جو انسانیت کا مناط و مدار ہیں اور انکی  
سبب سے انسان۔ انسان املا نیکا مستحق ہے۔ اگر ہم یہ خیال کریں۔ کہ وہ  
صفت اسکا طول قامت و عظم جسامت و ضخامت ہے تو ہکو خیال آتا ہے  
کہ یہ صفات انسان کی نسبت درختوں۔ پہاڑوں اور دیگر حیوانات میں بلند  
بڑھکر ہیں اگر یہ مدار و مناط انسانیت ہیں تو پہاڑ درخت وغیرہ بطریق اولیٰ  
انسانی لقب کے مستحق ہیں +

اور اگر یہ خیال کیا جائے۔ کہ صرف انسان کے خال و خط کی خوش رنگی  
اور اعلیٰ درجہ کی صفت کی بناوٹ باعث امتیاز ہے تو یہ صفت انسان کی  
صفت کی نسبت پھولوں۔ پتوں میں بڑھکر موجود ہے۔ پس یہ چیزیں کیوں  
انسان کہلائیں۔ اور اگر یہ خیال کیا جائے۔ کہ وہ صفات انسان کا کھانا  
چینا غضب غصوت وغیرہ ہیں تو یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ یہ اوصاف انسان  
سے بڑھکر انکی۔ گھوڑے۔ گدھے۔ خیر۔ بخیر۔ خیر میر اور تندر

میں پائی جاتی ہے۔ پس اگر انسانیت شہوت سے عادت ہے تو بندہ  
انسان سے کامل ہے جو اس صفت میں سب سے بڑھکر ہے۔ اچکے  
بعد خنزیر وغیرہ ساند جانور اور اگر بھار کھانا یا مار ڈال انسانیت کا کام ہے  
تو شیر پھیر یا انسان کھلانے کے زیادہ مستحق ہیں۔ اور اگر بہت کھانا  
ہے تو باقی سب سے زیادہ اس نام کا مستحق ہے +  
اور اگر یہ خیال کیا جائے کہ انسانی جنس و اندولج و اولاد وغیرہ  
الفت و محبت کرنا انسانیت ہے تو ظاہر ہے کہ عام حیوانات و درندوں تک  
اپنی بھینس اور بیوی اور بچوں سے فطرتاً الفت اور پیار رکھتے ہیں۔ گدھا  
گدھی کو پیار کرتا ہے۔ کتا کتیا کو۔ گائے اپنے بچوں کو چومتی چاتی ہے۔  
شیر مادہ اپنے بچوں کو دودھ دیتی ہے یہ اوصاف انسانیت ہے تو وہ جاننا  
زیادہ تر انسان کھلانے کے مستحق ہوتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب انسانیت سے کوئی  
دور میں اور سب اوصاف سے بڑھکر کم صفات انسان میں دیے بھی پاتے  
ہیں۔ جو بظاہر نظر حیوانات و جمادات میں پائے نہیں جاتے۔ جیسے عجیب عجیب  
صفتیں بنانا بہادری دکھانا وغیرہ +

عام لوگ جنکی نظر صرف پر ہوتی ہے یعلمون ظہراً من الحیوة الدنیا  
وہم عن الاخرۃ غافلون۔ اور ان کا مبلغ علم اور مقصد اعظم صرف یہی  
عالم ہوتا ہے۔ و ذالک مبلغہ من العلم۔ انہی اوصاف کو مناٹ انسانیت  
سمجھتے ہیں۔ اسبواسطے جمہور خلائق انہی صفات و صنعت کی عقل و محاطت  
میں شب و روز سرگرم ہیں۔ اور جنہیں یہ صفت ہیں وہ انسان کامل اور  
مہذب تہذیب یافتہ خیال کئے جاتے ہیں۔ مگر خیال کیا جائے تو یہ صفات بھی  
مدار و مناٹ انسانیت نہیں کیونکہ ان اوصاف کا اثر اصل اصول بھی دیگر  
حیوانات میں پایا جاتا ہے مثلاً بہادری کا اصل اصول غصہ کرنا اور طاقت قائم  
ہونا۔ سختی اور مصیبت میں ثابت قدم رہنا بہتر ہے۔ حیوانات میں پایا جاتا ہے  
ایسا ہی عجیب عجیب صناعات بھی بعض حیوانات سے سرزد ہوتی ہیں۔  
دیکھو یا کیسا گھر بناتا ہے جیسے غل رنگ ہوتی ہے۔ شہد کی ٹھکی بنا  
پر کار و صنعتی آلات کے ایسا مس چھت بناتی ہے جو انسان سے  
بدوں آلات تیار ہونا محالات سے ہے۔ اچکے سوا انہی میں سے نظر نہیں

اس سے معلوم ہوا کہ صرف صنائع وغیرہ اوصاف انسانیت کا مدانیہ نہیں ہو سکتے۔ بلکہ انسانیت کا مدار اُن ہی صفات پر جس کا سبب مرجع و مانع دو خاصیتیں ہیں۔

ایک قوت عقلیہ جو ادراک کلیات و عبارات ہے۔ اور اس کی نظر سے انسان کو مطلق یعنی مدرك کلیات کہا جاتا ہے۔ اس قوت کی دو شاخیں ہیں ایک وہ جس کو نظام بشری اور دنیاوی سے تعلق ہے اور انہی کے مشتمل اس نظام بشری و دنیاوی کیلئے قواعد و ضوابط استنباط کرنا اس کا کام ہے۔ اس شاخ کی نظر سے انسان کے لئے تمدن اور قانون تمدن کی ضرورت ثابت ہوتی ہے دوسری شاخ وہ جس کو غیب الغیب سے تعلق ہے اور مورد علوم و ضوابط دینی و کاشف امور روحانی ہونا اس کا فعل و اثر ہے۔ اس شاخ کی نظر سے انسان کے لئے نبوت اور وجود انبیاء کی ضرورت ثابت ہوتی ہے۔ جو غیب الغیب سے اس کا تعلق ہے۔ دوسری قوت عقلیہ ہے اس کی بھی دو شاخیں ہیں ایک اعمال کو بطریق ارادہ و اختیار وجود میں لانا جس عمل انسان کو بہائم و حیوانات کے افعال سے تمیز ہوتی ہے۔ یہ قوت علیہ ہر ایک انسان میں موجود و تحقیق ہے) بہ چند حیوانات و بہائم بھی عمدہ عمدہ افعال و ہناعات ظہور میں لاتے ہیں مگر وہ جو کچھ کرتے ہیں طبعاً و اضطراراً کرتے ہیں۔ ارادتا اختیاراً نہیں کرتے اس پر یہ دلیل ہے کہ انسان جو فعل کرتا ہے اس کا اثر و رنگ اس کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ بخلاف حیوانات و بہائم کے کہ وہاں اثر و رنگ پیدا نہیں ہوتا۔

انسان جس کام کو اچھا سمجھ کر کرتا ہے اُس سے اس کے دل پر قوت و لوازمیت و سرور پیدا ہوتا ہے اور جس کام کو وہ بُرا سمجھ کر علی میں کرتا ہے اس سے اس کے دل پر نفرت و کدورت پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ ام حیوانات و بہائم سے مشابہہ میں نہیں آتا۔ اُن سے جو کچھ ہوتا ہے طبعاً ہوتا ہے نہ اُن کو اپنے اچھے کام کی بہتری کا علم و خیال ہوتا ہے نہ بُرے کام کا اثر اُن کے دل پر فوراً و سرور ظاہر کرتا ہے اور نہ بُرے کام کی بُرائی کا علم ہوتا ہے۔ اُن سے بُرائی کا اثر نفرت و کدورت ان کے دل پر ظاہر ہوتی ہے



دوسری شاخ قوتِ عملیہ کی روحانی حالات اور عالی مقامات ہیں۔  
 جیسے اپنے پروردگار سے انس و محبت رکھنا اس پر بھروسہ کرنا۔ روحانی اخلاق  
 کی حمایت یہ شاخ قوتِ عملیہ کامل اور پران افراد میں پائی جاتی ہے جو  
 روحانیت میں کامل اور صاحبِ کشف و الہام ہوتے ہیں۔  
 ان دونوں صفاتِ خاصہ اور انکی شاخوں کا صرف انسان میں پایا جاتا  
 اور باقی حیوانات کا ان سے محروم ہونا مشاہدہ و تجربہ سے ثابت ہے اور  
 سوائے ان لوگوں کے کہ آیت اولیٰ الذلک کا لافاعمال ہم یتبعون و  
 یاکلون کما تاكل الانعام فن کے موافق حال ہے اور کوئی اس سے  
 انکار نہیں کر سکتا۔

پہلی دو شاخوں کے وجود پر انسان کا تمدن و طرزِ معاشرت شاہدِ حال  
 ہے۔ ہم صاف مشاہدہ کرتے ہیں کہ انسان اگرچہ کھانے پینے معاشرت  
 کرنے سردی کے وقت دھوپ میں بیٹھنے آگ تپانے اور گرمی کے وقت  
 سائے میں بیٹھنے وغیرہ طبعی کاموں میں اور حیوانات کے ساتھ شرکت رکھتا  
 ہے مگر وہ ان سب باتوں میں تین طرح سے صریح امتیاز رکھتا ہے۔  
 اول یہ کہ ان کاموں کے لئے اسکے دل میں باعثِ محرک ایک کٹی  
 لائے پیدا ہوتی ہے جو ان کاموں کا نشیب و فراز و انجام و آغاز اسکو بتا  
 دیتی ہے۔ اس طرح کی کٹی رائے حیوانات کے افعال طبعی میں پائی نہیں  
 جاتی انکو صرف طبعی جذبات ہوتے ہیں۔  
 دوسرے یہ کہ انسان اپنے کام میں حسنِ تہذیب اور شائستگی مد نظر رکھتا  
 ہے۔ لباسِ عمدہ سے عمدہ چاہتا ہے۔ مکان بہتر سے بہتر بناتا ہے۔  
 عورت حسین تلاش کرتا ہے علیٰ ہذا القیاس یہ بات دیگر حیوانات میں پائی  
 نہیں جاتی۔ انکو صرف دفعِ ضرورت و قضا حاجت طبعاً مطلوب ہوتی جو  
 تیسرے یہ کہ وہ ضوابط و قواعد حسنِ معاشرت کو دوسرے نبی نوع  
 سے اخذ کرتا ہے۔ اور نوعِ انسان میں افادہ و استفادہ و تعلیم برابر جاری  
 ہے اور بر بات میں ترقی اور تہذیب کا سرچشمہ جمع ہو جاتا ہے۔  
 اسیں قوتِ عقلی و عملی کی دوسری دونوں شاخیں جو عالمِ غیب اور روحانیت  
 سے متعلق ہیں وہ بھی مشاہدہ حال انسان سے ثابت ہیں ہم صاف

مشاہدہ کرتے ہیں کہ بعضے انسان ایسے علوم و قوانین بیان کرتے ہیں جن کو  
مظاہری نظام دنیاوی سے اخذ نہیں کیا جاسکتا۔ خواہ کیسی ہی قوت فکری  
مرد کریں۔ ایسا ہی ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ اپنے خالق و مالک سے  
ایسا پیار رکھتے ہیں کہ چورو بیٹے اور روپیہ پیسہ بھی نہیں رکھتے۔  
اور خدا پر ایسا بھروسا رکھتے ہیں کہ اپنی قوت بازو دست زور اور اشیاء  
پر نہیں رکھتے۔

انہی دو شاخوں کے اعلیٰ محل و موصوف حکما روحانی یعنی انبیاء علیہم  
السلام ہیں جن کا تعلق روحانی اور عام غیب سے ہے اور کشف اور رزق  
والہام سے انسان کے اعلیٰ معراج پر پہنچنے کا موجب ہیں۔

انسان کی قوت عقلیہ و عیبیہ کی پہلی دو شاخیں اسکو مدنی الطبع ہونا ثابت  
کرتی ہے اور یہ مدنی الطبع ہونا اسکو کسی قانون تمدن کا تابع بناتا ہے۔ اور  
قانون کے لئے مقصد کی ضرورت ہے۔ اسی سے یونان کے حکما و فلاسفہ نے نبی  
اور نبوت کی ضرورت ثابت کی ہے۔ جو الہام الہی سے امور تمدن کو حاصل کرتے  
ہیں اور وہی تمام دنیا کی عقول پر حاوی اور سب کے لئے مکتفی ہو سکتا ہو  
اور نبی کی بات کو انسان دلی محبت سے مانتا ہے نہ جبر و اکراہ سے۔

دوسری دونو شاخوں سے انسان عالم غیب کے اسرار پر مطلع ہو سکتا  
ہے۔ اعلیٰ درجہ کی روحانی ترقی ہو سکتا ابدی راحت کا مورد ہو سکتا ہو  
اور خدا کے ابدی وصال سے متلذذ ہو سکتا ہے۔ اور یہی بات انسان  
کی آفرینش کا موجب اور اسکی شرف و فضیلت کا باعث ہے۔  
دنیا میں جس قدر علوم پائے جاتے ہیں جیسے طب - طبیعیات - ریاضی -

الہیات وغیرہ سب الہامی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضرت آدم  
پر اتقا کئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے و علم آدم الاسماء کلہا۔ اس کے بعد  
اس تعلیم کے شاگرد (مقلد) نے بھی بہت کی بیشی کر کے ترقی و تہذیب کو فلک  
الافلاک کی عظمت پر پہنچایا۔ اور ابھی نہیں معلوم کہ کہاں تک پہنچے گی۔  
انسانوں کے اصول و قوانین دنیاوی دو ہیں۔ جسمانی اور روحانی۔ جس  
صحیح ہے وہ سب الہامی ہے۔ اور جو غلط ہے وہ انسانی۔

ان غلط اصول کی نتیجہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے وقتاً فوقتاً معلم اؤں

(حضرت آدمؑ) کے قائم مقام بہت سے انبیاء کو بھیجا تا کہ وہ دنیاوی اور روحانی اصول و قوانین کے اغلاط تعلیم کریں اور ٹھیک آسمانی تعلیم کو قائم رکھیں۔ یہاں تک کہ سب سے آخر قائم المرسلین صلعم کو بھی جنہوں نے سب اغلاط کی تصحیح کرتے ایسا قانون و تمدن و اخلاق (قرآن کریم) مکمل کر کے بھیجا کہ اسکے بعد اب کسی اور قانون و تعلیم کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

حضرت خاتم المرسلین کی بعثت کے بعد دنیا میں ایک دفعہ ایسا ترقی و تہذیب کا آفتاب جلوہ گر ہوا کہ دنیا نے آج تک اسی نظیر دیکھی نہیں تھی۔ اسباب دینی داری اور امورات روحانی میں اعلیٰ سے اعلیٰ ترقی ہو رہی تھی۔ اس تیرہ سو برس کے زمانہ اور پچیس زمانہ کا جو مقابلہ کیا جانا ہے تو تین سو سال کا فرق نظر آتا ہے۔ اور یہ دنیا ایک نئی دنیا معلوم ہوتی ہے۔

بیشک اگلے زمانہ میں بڑے فلسفی اور بڑے ہیئت دان اور اعلیٰ جہ کے حکما گذشتہ۔ لیکن وہ ماضی جس کا نظور تھیں صدی عیسوی کے بعد ہوا۔ عالم پر سوال نہیں کے۔ یہ حکمت۔ یہ علوم۔ یہ منافع۔ یہ زندگی۔ یہ عیش و آسائش کے سامان کسی کے خواب و خیال میں بھی نہ تھے۔

یہ صدقہ اگر انصاف اور محقق کی نگاہ سے دیکھا جائے تو اسی عہد کا آج جس کا مذکور اور نبوت کا اعلان سارے ممالک پر پانچوں وقت بہ آواز بلند کیا جاتا ہے۔ اور وحدہ لاشریک کے بعد اگر دنیا ظاہر میں کوئی اعلیٰ درجہ ہے تو اسی سب سے اعلیٰ اور افضل نبی کے لئے مخصوص ہے۔ جس نے اپنے جلوے سے سارے جہان کو روشن اور نورانی کر دیا۔

پہلے انبیاء اور مرسلین جو زمین پر جلوہ گر ہو گئے۔ وہ مثل ثوابت اور تاروں کے تھے۔ اور وہ اسکے پیش بین اور پیش رو تھے۔ جو برابر علانیہ پیش بینی اور اسکی آمد کی پیش گوئی کرتے رہے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ نے مکہ میں اس کی بعثت کے لئے دعا کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا۔ کہ تمہارے بھائیوں میں تمہاری مثل ایک نبی آئے گا۔ اس کی سیقتو۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے اُسے شجاع۔ حنین۔ فصیح۔ و بلیغ کہہ کر بشارت دی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے چونکہ اُن نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ بہت

ہی قریب تھا اسلئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کھول کھول کر سنایا کہ آسمانی بادشاہت نزدیک ہے۔ سارے جہان کو تسلی دینے والا۔ حق کی روح حقیقی فارقلیط آنے والا ہے۔ اسکے ایک ہاتھ میں آتشی شریعت دوسرے میں تلوار ہوگی۔ بڑے بڑے عالیجاہ بادشاہ اس کے غاشیہ بردار ہوں گے اسکی بادشاہت ابد آباد ہوگی۔

انبیاء کے حالات جن کو یہود و نصاریٰ نے اہل اسلام تسلیم کرتے ہیں اسبات کو گواہ ہیں۔ کہ کوئی نبی ایسا نہیں ہوا۔ جس کو علم و حکمت نہیں عطا کیا گیا۔ اس علم اور حکمت ہی کا یہ ظہور ہے کہ دینا پر اسقدر سامان زندگی نظر آ رہا ہے تابعین نے انبیاء کے نام سے اور غنی الفین نے حکما کے لقب سے انکو پکارا ان انبیاء نے اپنے نورانی جلوے سے نہ فقط دلوں کو روشن کیا۔ بلکہ اپنے علم اور حکمت سے کل لازمہ زندگی کا بہم پہنچایا۔ جس سے یہ ترقی اور روشنی عالم میں پھیلی ہوئی ہے۔ سو دین کے ساتھ ہی علم حکمت عطا ہوا۔ کیونکہ اوویہ اولہ نباتات اور جہادات کی مامیت اتقا ہوئی۔ کسی کو صنعت و حرفت کی۔ جس طرح سے دین اور آئین سلطنت کا سلسلہ جاری کیا گیا۔ اسی طرح علوم و فنون ان کے وسیع سے دنیا میں جاری و ساری ہوئی۔

حضرت آدم علیہ السلام کی ابتدائی طرز معیشت تو یہ بھی۔ کہ کھانے کو پھل پھول۔ میوے۔ پینے کو درختوں کی چھال۔ مکان کی جگہ نیلی آسمان کی چھت یعنی کو سطح زمین کا فرش۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو حقیقی انعام سے مستفیض فرمایا۔ علم الاسماء والخواص ان کو عطا فرمایا۔ تاریخ الحکام میں علامہ سرور دہلی سے منقول ہے کہ آدم علیہ السلام کو خط و کتابت کا علم عطا ہوا۔ (علم بالقلم) اور انہوں نے اکثر علوم میں کتابیں تصنیف کیں۔ اور درس و تدریس کی آغاز کی۔ اور اپنی اولاد کو علوم و فنون کی تعلیم کی۔

اور امام غمس الدین محمد اپنی کتاب نزہۃ القلوب تاریخ حکماء میں رقم فرماتے ہیں کہ صنایع اور پیشوں کے اقتراع اور ترتیب آلات اور اوزار و ہتھیار کی ایجاد کی توفیق اول حضرت آدم کو ہوئی۔ اور انہوں نے اپنی اولاد کو تعلیم دی۔ اور سکھایا۔ اور امام مذکور کا بیان ہے۔ کہ میں نے بعض کتابیں حضرت آدم کی تصنیفات سے دیکھی ہیں۔ اور پڑھی ہیں۔ اور کتب آسمانی میں ہے کہ

آدم کو فرشتہ خدا سے پاک نے زراعت و حیثیت اور وراثت (رگاہنا) اور محنت  
 دینا، اور محنت رانا چھاننا تعلیم کیا۔ اور حضرت حوا کو عجن (آٹا گوندھنا اور نمیر کرنا)  
 اور روٹی پکا، اور کٹا اور کھانا بننا سکھایا۔ اور تنور بھی اس عہد کی ایجاد ہے۔  
 اور اوزار زراعت کے لئے لوہا بھی انہوں نے زمین سے نکالا۔

اور تین روضہ الصفا اور روضہ الاحباب وغیرہ میں مسطور ہے کہ حضرت  
 آدم کے عہد میں مندرجہ ذیل حسب اور طب اور موسیقی اور طبیعیات و الہیات  
 وغیرہ پڑھتے۔ اور بنو اید و خواص ان کو الہام کئے گئے۔ اور کرتہ اور  
 حمامہ درتہ بند اور نصین اوتھ کی ایجاد ہے۔ اور عصا بھی آپ کے عہد  
 سے ہے۔

اور حضرت شیث نے اول مسائل شریعت و علوم حکمت کی تعلیم ابتدا  
 میں شروع فرمائی۔ ان کے صحائف علوم حکمت۔ ریاضی۔ الہیات۔ کیمسٹری سے  
 جڑتھے۔ اور انہوں نے رات دن کو گفتگو پر اس غرض سے تقسیم کیا۔ کہ ہر  
 ساعت پر کیا کیا کام کیا جائے۔ اور کس وقت عبادت الہی کی جائے۔  
 اور قابیل نے شکار کی رسم اقتراح کی۔ اور دفن کرنا کو تو سے سیکھا۔ اور  
 مزایر اور باجے وضع کئے۔ اور شراب ایجاد کی۔

اور حضرت اخنوخ نے دنیا میں بادشاہت ایجاد کی۔ اور کیمورث نے ایران میں  
 بادشاہت کا تاج پہنا۔ تیج۔ تخت۔ گھوڑے کا زین۔ نظام۔ اونی کپڑا اسی  
 عہد کی ایجاد ہے۔

گھر بنانے اور عمارت قینان اور اسکے بیٹے مہلائیل کی ایجاد ہے بابل اور شہر  
 سوس ابتدائی شہر ہیں۔ مہلائیل کے بیٹے نے قدرتی چشموں اور دریائوں اور  
 ندیوں سے فائدہ اٹھانے کی رسم ایجاد کی۔

علم نجوم۔ جتیش۔ رصد۔ حضرت آدم کی ایجاد ہے۔ خط و کتابت میں  
 خوشنویسی کے اصول اور صفت خطاطی میں عمدہ تراش خراش ایجاد کی۔

دنیا میں سب سے پہلے زبان عربی تھی۔ اور عربی اسلام اور ان کے خواص بھی  
 اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو سکھائے۔ عربی سے دنیا کی باقی تمام زبانیں  
 مستخرج ہوئیں۔ عربی زبان کے تمام الفاظ اپنے ساتھ اپنی وجہ تسمیہ رکھتے ہیں۔ جبکہ باقی  
 عربی زبان کے تمام الفاظ اپنے ساتھ اپنی وجہ تسمیہ رکھتے ہیں۔ جبکہ باقی

زبانوں کے تمام الفاظ کوڑھوں اور مبروں کی طرح اپنی اصلیت سے پہچانے نہیں جاتے۔ عربی سے عبرانی لی۔ اس سے ایرانی قیام۔ ایرانی زبان سے ایران زبانیں سنسکرت وغیرہ مستخرج ہوئیں۔  
بُت پرستی کا آغاز قابیل سے اور آتش پرستی کا ازل بابل سے ہوا۔ جنہوں نے حضرت ابراہیم کو آگ میں ڈال دیا تھا۔

حضرت نوحؑ نے فنِ تجارت کو برہمنی روتق دی۔ کشتی۔ جہاز۔ اور جہاز کے دھبے انہیں کی ایجاد ہے۔ (دیکھو روضۃ الصفا بیان حضرت نوح ص)۔

چھپر اور جیسے ترک بن یافت بن نوح کی اختراع ہے۔ اور چین میں یافت بن یثیمی کپڑے سے ریشم کے کپڑے بنانے اختراع کئے۔ چین کا ملک اسی شخص کی طرف منسوب ہے۔ چین میں ریشم کی قدامت اس امر کی ثبوت ہے۔ فنِ مصوری۔ نقاشی۔ رنگ برنگ کے کپڑے یہ بھی چین میں یافت کی ایجاد ہے چین کے بیٹے یاجین نے کستوری دریافت کی۔ اور قسم قسم کی خوشبوئیں منوچلرل شاہ ایران نے دریافت کیں۔ دیکھو تاریخ ملوک الارض۔

سنگ تراشی۔ سنگین ستونوں پر پتھر کی عمارت بنانا۔ حضرت ہود کی قوم حاو کی ایجاد ہے۔ اور ایران میں اول نر منوچر نے کھدوائی۔

ظہورٹ کے زمانہ میں قسم قسم کے ہتھیار اختراع ہوئے۔ اور کنوئیں تیار ہوئے اظہورٹ نے فصیل ایجاد کی۔

آئینہ مصریوں نے ایجاد کیا۔ اور زرہ حضرت داؤدؑ کی ایجاد ہے۔ اور پچی کاری حضرت سلیمان ص کی۔

حضرت دانیال اور اردیا کے عہد میں گاڑی کا رواج ہوا۔ اور ملک خطا موزین کا بیان ہے کہ بادشاہ ہسوانگت نے چھکڑا گاڑی۔ اور رتھ ملک خطا میں ایجاد کیا۔ غبارہ حضرت سلیمان ص کی ایجاد ہے۔

آریہ لوگ جو وسط ایشیا سے ہندوستان میں آئے ہیں اگر وید میں ان آلات کا اور استعمال معنیات کا ذکر موجود ہے تو یہ باتیں دیکھ سے بہت پہلے کی ایجادیں وید میں کسی شے کا ذکر غیر موجود فی الحال ہونے کے محلات سے برعکس آریہ وید والوں کی تمام فنِ زرائع بالکل بیجا ہیں۔ معتبر کتب تاریخ سے انہر من الشمس ہے کہ یہ یہ چیزیں کب کب سے ایجاد ہوئیں۔ درحالیکہ ہنود کی کسی تاریخ

کا کسی کو ذرا بھرا اعتبار نہیں۔ اور وہ فسانہ اور کہانی سے ذرا بھی بڑھ کر نہیں۔  
 چنانچہ تمام موضوعیں بالاتفاق ہندوئی تمام تواریخ کو پاؤں اعتبار سے ساقط جانتے ہیں  
 سب سے پہلا پل حضرت آدم ؑ نے سیلون پر بنایا ہے۔ جسکو اہل جغرافیہ  
 سوم کا پل کہتے ہیں۔ مگر ہنود کا بیان ہے کہ وہ راجہ راجندر جی کا پل ہے۔  
 سوچ کر سن اور جان کر سن کے اسباب کو سب سے پہلے حکیم تالینوس یونانی نے  
 دریافت کیا۔ اور تالینوس حرکت زمین اور سکون آفتاب کا قائل تھا۔ اور  
 تالینوس ۴۰۰ سال بعد بیہوش آدم کے ہوا ہے۔

نن مونی کو علمی طور پر حکیم فیثا غورث نے مرثب کیا۔ اور علم ہندسہ میں  
 سب سے پہلے ایلینوس بخار نے رومی زبان میں ایک کتاب تحریر کی۔ اور  
 آئیکار اقلیدس نے اس علم کو مدون کیا۔  
 تواریخ چین میں لکھا ہے۔ کہ چھاپہ قبل مسیح بادشاہ ادوان ٹی کے  
 عہد میں ایجاد ہوا۔

تاریخ درڑی سے مفہوم ہوتا ہے۔ کہ کاغذ اہل عرب نے اختراع کیا۔ اور  
 ذوالقرنین بادشاہ نے توپ اور بارود کو ایجاد کیا۔ اور اس طرح آہستہ آہستہ شہا  
 ایجاد ہوئی گئیں۔ تفصیل کے لئے دیکھو کتاب تاریخ طرز معاشرت ہندو انگلیش  
 صفحہ ۵۰ تک۔

پہلی صنعتیں جو انگوں کی یادگار ہیں۔ جیسے اہرام مصری۔ دیوار چین۔  
 مصر کی پھول پھلیاں۔ وغیرہ اب تک مبعین کو حیرت میں ڈال رہی ہیں  
 مشائن اور اثرائتیں کے کمالات کس قدر تعجب انگیز اور حیرت خیز ہیں۔  
 یہ سب کچھ انیس انبیا اور مرسلین کی برکات کے نمونے ہیں۔ جو ہم کو  
 نظر آ رہے ہیں۔

لیکن جو ترقی اور روشنی کہ اس تیرہ سو سال میں دنیا میں پھیلی۔ یہ بات  
 کبھی دنیا کو نصیب نہ ہوئی۔ جیسا دریا کا دمانہ کھول دیا جاتا ہے۔ ایسا  
 ہی حال اس تیرہ سو برس میں ہوا۔ کہ علوم اور رحمت الہی کے بحر نامیدا  
 کنار لے اپنا منبع کھول دیا۔ جس سے دنیا نہایت درجے کی ترقی پہنچ  
 خداوند کریم نے حضرت سلیمان کے لئے تانبے کا چشمہ بہا دیا۔ جس سے  
 نغن اور بڑی بڑی دیگیں اور بیل تک تانبے کے بنائے گئے۔ اور ہزاروں

من تانبا میل پر خچ ہوا۔ اور سواری بھی اُنکے لئے وہ عطا فرمائی گئی جو ریل سے زیادہ تیز اور حیرت انگیز تھی۔ اور دو ماہ کا سفر گھنٹوں میں طے کرتی تھی۔ مگر وہ سواری خاص تھی نہ کہ عام۔ احد ہا سہرورد و احنا شہر و دسلنا عن القطر۔

لیکن اس زمانہ میں ایک نہایت بڑے کے سستی اور کار آمد دھات لوہا کوئلہ کا دریا بہا دیا۔ جو تمام دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ جس سے لاکھوں چیزیں قسم قسم کی بنکر عالم میں پھیل رہی ہیں۔ اور سواری وہ عنایت فرمائی جس کے مقابل میں پہلی سواری کو کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ یعنی اس سے اعلیٰ۔ وضع سے شریف تک اس سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ رحمت الہی ہکا نام سے۔ کہ عام ہو۔ سو اس زمانہ میں وہ رحمت مر جگہ اور ہر مقام میں موجود ہے۔ امن ایسا کہ جس کی نظیر نہیں۔ گوہر مٹ انگلشیہ کا زمانہ امن و رفاہ عام کے لئے ضرب المثل ہے۔ اسایش وہ کہ جس کا جواب نہیں ہر ایک فریق آزاد اور ہر ایک قوم اپنے حال میں مست ہے۔

وہ وہ ایجادیں اور صنعتیں دنیا میں پھیلیں۔ جو کبھی خواب و خیال میں بھی نہیں آتی تھیں۔ قدرت نے یہ ذخیرہ اسی وقت کے لئے روز ازل سے محفوظ رکھا تھا اور یہ رحمت اسی رسول عربی کی امت کے لئے مخصوص کی گئی تھی۔ جس پر نبوت کو ختم کرنا منظور تھا۔ وہ وعدہ جو کیا گیا تھا۔ کہ تیرے بھیجنے سے یہی مطلب ہے کہ دنیا کو رحمت سے بھر دیا جائے۔ کیسا سچا اور پورا ہوا۔ اسی وجہ سے رحمة للعالمین کے لقب سے وہ ختم المرسلین پکارا جاتا ہے۔

یہ قرار چکا ہے۔ کہ ہندوستان میں ترقی جس ہوئی ہے۔ اور علوم شائع ہو رہے ہیں۔ یہ یورپ کا پرتو ہے۔ لیکن دیکھنا چاہئے۔ کہ یورپ میں یہ شائستگی کہاں سے آئی۔ اور کس قوم کی بدولت یورپ اس قدر مہذب اور شائستہ ہوا۔ درمیان میں یورپ ۵-۶ سو سال قبل نہایت ہی تاریکی میں پڑا ہوا تھا۔ اور سب اقوام سے بدتر اسکی حالت تھی۔ سو یورپ کے وحشیوں اور جاہلوں کو یہ تہذیب اور شائستگی اہل عرب کی ہاتھ حاصل ہوئی۔ جسکا سارے جہان کے موزعین کو اقرار ہے۔ اور اہل عرب کو



اس قدر ترقی و تہذیب کا فہم شوق اسی امی بنی عربی کی طیس ہے جس کی پاک لبوں سے یہ نکلا تھا۔ کہ اطلبو العلم و لوکان بالعمین تم علم کو تلاش کرو۔ خواہ چین میں ہو۔ اور کلمۃ الحکمت ضالۃ لمومن فہو اخق بہا حیت وجدھا۔ حکمت کی بات مومن کی کم شدہ چیز ہے۔ سو وہ اس کا زیادہ مستحق ہے۔ جہاں اسے پائے۔

جب تک اہل یورپ اپنی تقلید آبائی اور پابندی رسم سے دست بردار نہیں ہوئے اُس وقت تک اُن کو ترقی کا رتبہ نہیں ملا۔ اور وہی جہالت کی گھنٹہ گھنٹاں ان پر بھائی ہوئی تھیں۔ یورپ کی یہ ساری ترقی و شہرت اسی عربی آفتاب کا پرتو ہے۔ جس نے عالم کے روشن کرنے کو آسمان سے جلوہ ڈالا تھا اور جو سارے جہان کے لئے رحمت ہو کر آیا تھا جن لوگوں نے اس رحمت للعالمین کو فہم الہی کا منہ گمان کیا ہے۔ وہ قانونِ فطرت کو ملاحظہ فرمائیں۔

بے شک جب یہ وہ سال تک سرکش اور شریر اور مفسد بندوں نے اس سچے جلیل سلیم اور برزیدہ نبی کا کہنا نہیں مانا۔ اور اسکی جان کے تقدس دشمن ہوئے کہ جسکے باعث وہ اپنا وطن اور پیارا وطن چھوڑ کر جلا وطنی کے لئے مجبور ہوا اور پھر وہاں بھی اشرار مکہ نے اُسکو امن سے بیٹھنے نہ دیا بلکہ چپکے چپکے ایک لشکرِ جبار تیار کر کے مدینہ پر حملہ کی تیاری شروع کر دی۔ جس سے آنحضرت اور آپ کے رفقاء کا بگٹی دنیا سے استیصال ہو جائے ایسی حالت میں کوئی اہل انصاف جھکے کہ چارہ کار بجز کیا تھا۔ اور تلوار کا جواب بجز مرنے یا مارنے کے اور کیا ہو سکتا تھا۔

ہزاروں آدمیوں بلکہ سارے عرب کے مقابلہ پر سو سچاس آدمی بھی کچھ حقیقت رکھتے تھے۔ اور سات تلوار اور تین اونٹ کی بھی کوئی مہم ہوئی ہے۔ اور کسی امید پر کی جاسکتی ہے۔ خدا تعالیٰ پر یکتا کر کے اسے خود بخوار اور جبری لشکر کے مقابلے کے لئے گنتی کے چند آدمی جن کے پاس سات تلواں اور تین اونٹ تھے اپنے ہمراہ لے کر گھر سے باہر نکلا۔

یہ عین مقصدائے انسانیت و جہانرومی تھا۔ کہ وہ اسوقت میں

اپنی اور اپنے معتقدین کی حفاظت کا۔ دوسرے بڑے بڑے کے لئے بجز تلوار باطل ہے۔  
کے اور کیا صورت تھی۔

جو لوگ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اسلام ہر کا منشا ہی یہ ہے۔ کہ دنیا میں  
بزرگ شمشیر مسلمان کیا جائے۔ محض ناوقہیت کا سبب ہے۔ اسلام نہ دنیا  
تلوار کا مقابلہ تلوار سے کیا۔ اور تلوار کے زور سے بیت کب بے فائدہ نہ ہو  
کیا۔ مگر ایک متنفس کو بھی اسلام پر مجبور کر کے کا ہرگز ناشائستہ اسلام میر  
لا اکوالا فی الدین افانتا تکرہ الناس حتی یذولوا مؤمنین۔ اور کسی سبب  
اسلامی تاریخ میں کوئی نظیر ایسی مل سکتی ہے۔ کہ صرف اسلام نہ لانے کے  
سبب کسی شخص کی گردن ماری گئی ہو۔ اگر ایسا منشاء اسلام کا ہوتا۔  
تو اتنے عرصہ تک ہر ملک اور ہر قوم پر مسلمانوں کا غلبہ رہا۔ مخالف  
کا فرقہ کا ایک آدمی بھی دیکھنے کو نہ ملتا۔

جزیرہ اور مغالطہ صاف بتا ہے میں کہ شمشیر اسلامی اسن قائم کرنے  
کیلئے ہے۔ جبراً مسلمان بنانے کے لئے نہیں۔ ورنہ بجز اسلام کسی سے  
کو قبول نہ کیا جاتا۔ بے شک مسلمانوں نے مندر توڑے۔ گرجے گرائے  
ہزاروں لاکھوں مخالفین کو قتل کیا۔ ان کے زن و بچے غلام بنائے۔  
لیکن یہ حل مخالفت کی حالت میں لڑائی کے وقت ہر ایک قوم کا سہرا  
ہے۔ کسی قوم نے جنگ کے موقع پر ہرزائی نہیں کی۔ اسلام پر کین بچھر  
ہے۔ ملکی لڑائیاں جو روئے زمین پر ہوتی ہیں ان پر نظر ڈالو کہ ایک قوم  
بے دوسری قوم کے ساتھ کیا کیا۔

جنگ ما بھارت میں پانڈوں نے کوروں کا گلا کاٹ کر خون تک پیا  
اس خون کو پی کر یہ کہا۔ کہ ایسا میٹھا شربت عمر بھر نہیں پیا۔  
چنگیز خاں جو چوہہ مت کا پابند تھا۔ اس نے بالکل نسل انسان کو  
مقطع ہی کرتا ہوا تھا۔ سوائے قتل عام اور لوٹ مار کے اسے کوئی کام  
ہند نہ تھا۔

آسمانی کتابوں کا مطالعہ کرو۔ پمیل ساری جہالت سے بھر رہی ہے۔  
دیکھو کتاب شمار ۱۱ باب ۷۔ منشا ۲۰ باب ۱۰ دفعہ جہاں جہالت کی ایسی  
ترقیب و تحریر ہے۔ کہ انسان انکو پڑھ کر قہراً اگھتا ہے۔ اور باوجود دنیا

جنگ ہونے کے یہ باب لڑائیاں محض خدا کے حکم سے ہوئیں۔ جیسا کہ آیت ۷ سے ظاہر ہے۔ جیسا کہ یہوداہ نے موسیٰ کو فرمایا تھا۔ اور بدین صا دہ اپنی تفسیر کی جلد سوم صفحہ ۲۲۷ میں لکھتے ہیں کہ موسیٰؑ تو ان جہادات میں کوئی دنیاوی یلوح یا شان و شوکت حاصل کرنے کا طمع نہ تھا۔ بے شک وہ آسمانی مفضل کا امیدوار تھا۔ اور پھر صفحہ ۲۹۲ میں ہے کہ یہ طاقت اور بہادری جو کہ موسیٰؑ نے خدا کے دشمنوں کے مقابلہ پر کی ظاہر کرتی ہے۔ کہ وہ بہت پختہ ایماندار تھا۔ اور تو اس کا نام عبرانی ۱۱ باب ۲۲ وغیرہ میں ان انبیاء کی تعریف کرتے ہیں۔ جنہوں نے خدا کے حکم سے فی سبیل اللہ جہادات کیں۔

اور وید میں تو اس قدر جنگ کی تاکید ہے۔ کہ کچھ ٹھکانا ہی نہیں بڑا وہ بھی مکہ جنگ سے بھر رہا ہے۔ اور پھر ویدی لڑائیاں خدا کے لئے بھی نہیں محض تہمنوں پر فتح حاصل کرنے۔ اور قرب گیری کے لئے جہاد۔ رگ وید منڈل اول سکیف ۳۹ منتر ۱ میں ہے۔ تے و ماہر دار گد ہند اسلحہ آئین ۱۰ باب ۱۰ لفظ ۱۰ نہ لواء میرو مش۔ دھو اھوں لفظ کرنے اور ا کو روکنے کے لئے و بل تعریف اور اس میں ۲۷ ہوں۔ ہوی فوج۔ مسرحب توصف ہو۔ ناک نم اک ہمد۔ تخمار ہ ہ ہو۔ قطع نظر اسکے کہ یہاں آریوں کو محض شیعہ فتح حاصل کرنیکے لئے، غرض جنگ کے واسطے اکسایا جاتا ہے۔ جو شان الہی سے بعید ہے۔ بہاں سے اہل من الشمس ہے۔ کہ وید کے نزول کے وقت ان آریہ لوگوں کے سوائے جو بقول د۔ مذہبی نیت میں پیدا ہوئے۔ دنیا میں اور بھی بہت لوگ تھے (جنکو سورج لوگ ہندوستان کے اصلی باشندے کہتے ہیں) جن پر فقیاب ہونے کے لئے اس قسم کی دعا میں مانگی گئی ہیں۔

ایسا ہی بھروید ادھیائے ۲۰ منتر ۵ میں ہے۔ میں اس محافظ کائنات صاحب جاہ و جلال ہمت رور اور در فاتح کل تمام کائنات کے رہا قادر مطلق اور سب کو قوت عطا کرنے والے برہمن کو جس کے آگے تمام زبردست حاکم مر اطاعت خیر کرتے ہیں اور جو انصاف سے مخلوقات کی حفاظت کو فریاد اندر ہے میں جنگ

میں فتح پانے کے لئے مدعو کو تا ہوں اور پناہ لیتا ہوں۔

ایسا ہی رگوید اس تک اول اوصیائے ۳ درگ ۱۸ متر ۲ میں ہے۔  
لے انسانو! تمہارے آیدہ یعنی توپ بندوں وغیرہ قتل گیر سلو اور تیرا  
کمان تلوار وغیرہ ہتھیار میری عنایت سے مضبوط اور فتح نصیب ہوں۔  
بدکردار دشمنوں کی شکست اور جاری فتح ہو۔ تم مضبوط طاقتور اور کار نمایاں  
کرنے والے ہو۔ تم دشمنوں کی فتح کو نہریت دیکر انہیں روگردان اور پس پا کر  
تمہاری فتح جبار و کار گزار اور ناجی گرامی ہو۔ تاکہ تمہاری عالمگیر حکومت  
روئے زمین پر قائم ہو۔ اور تمہارا حریف نابینا شکست یاب ہو اور بیچارہ دیکھے  
جیسا بیچارے محمود غزنوی مرحوم اور محمد غوری مغفور نے بیچارہ دیکھا۔

اسی طرح انھوں نے وید کا ۱۶ نوواک۔ اورگ۔ ۹ متر ۳ میں پرتان سے  
لے دشمنوں کے مارنے والے اصول جنگ میں ماہر بے خوف و ہراس  
پر جاہ و جلال عزیزو۔ اور جوانمردو! تم سب رعایا کے لوگوں کو خوش رکھا  
پرنیشور کے علم پر چلو۔ تم نے پہلے میدانوں میں دشمنوں کی فوج کو جیتا  
ہے۔ تم نے خواہش کو مغلوب اور روئے زمین کو فتح کرا لے تم دروہ  
تن اور فولاد بازو ہو۔ اپنے زور و شجاعت سے دشمنوں کو تہ  
فتح کو۔ تاکہ تمہارے زور و بازو۔ اور ایشور کے لطف و کرم سے تمہاری  
ہمیشہ فتح ہو۔

مذکورہ بالا حوالجات وید کو دیکھو۔ کس قدر لڑائی کے لئے ترفیب دیکھی  
ہے۔ اور پھر یہ کوئی دینی لڑائی بھی نہیں۔ جو حصول آزادی یا مذہب  
کے لئے ہو۔ بلکہ محض فتح پانا اور سلطنت حاصل کرنے کے لئے لڑائی  
جنگ ہے۔ پس جب وید کا ایشور دنیا کو دنیاوی جنگ کے لئے کسرت  
ہے۔ تو محض دین کے لئے ابتغاء مضیات اللہ جہاد کرنا کیوں جائز ہے۔  
عملی طور پر دیکھو تو ہندوؤں کے اوتار مہاراجہ راجندر جی نے مہاراجہ  
عورت کی خاطر تمام لڑکھ کو غارت کیا۔

یہودیوں اور عیسائیوں نے قہری جنگوں پر وہ وہ ظلم کئے۔ جن کو  
سن کر کلیجہ پھٹتا ہے۔

مسلمانوں نے زن و بچہ کو کبھی قتل نہیں کیا۔ یہودیہ نصیبی کی تہا

سب کو ایک کھیت میں شہید کیا۔

جنت نصر اور کائنات میں اور بون بارٹ کے واقعات کو ملاحظہ کرو  
اسلامی تلوار دہلی علی۔ اور اس نے لوگوں کے مہر زمین پر ادلوں کی طرح گرائے  
مگر وہ تلوار ایک یکتا علی۔ جو رحمت کا مینہ برساتی تھی۔ لوگوں کے خون سے؟  
زمین لالہ گون ہو رہی تھی۔ وہ زبان حال سے بتلا رہی تھی۔ کہ یہاں چمن کھیلگا  
اور وہ بیمار آئینی جو کبھی دیکھی نہ سنی ہوگی +

وہی قتل اور غریزی جسکو آپ منہ قرہلی خیال کرتے ہیں۔ آئندہ نسوکی  
رہی اور زندگی بادرانی کا باعث ہو گیا ہے۔

تج یہ بہار جو نظر آ رہی ہے۔ وہ اسی تلوار کی بدولت ہے۔ جو عربوں  
کے ہاتھ میں تھی۔

وہ ایک مولو فاسد تھا۔ جس نے دنیا کے جسم کو خراب کر رکھا تھا۔ اور  
یہ مواد فاسد کئی صدیوں سے جمع ہو رہا تھا۔

جسم میں جب تک غلط فاسد ہوتا ہے۔ جسم تندرست نہیں رہ سکتا۔ جو  
حبیب قسم قسم کی ادویہ سے غلط فاسد کا اخراج کرتا ہے۔ کس شخص  
سے؟ صرف مریض کی صحت کے لئے! وہ فصد بھی کھلواتا ہے  
سہل دیکر غلط فاسد کا دفعہ کرتا ہے۔ کس مرلو سے؟ صرف بیمار  
کو شفا دینے کے لئے۔

باغبان میوہ دار درختوں کی ڈالیاں چھانت کر برابر کرتا ہے۔ میں  
شفقت سے ہاد مر صر یکبارگی درختوں کو پت چھڑ کر کے نکال کر دیں ہے  
میں ملت سے۔

خزاں بہار کا خاص سبب ہے۔ اگر خزاں نہ ہو۔ تو بہار کا ہونا ناممکن  
اس سے ظاہر ہے کہ فطرت نے یہ قانون جملہ مخلوقات کیلئے بنایا ہے  
جو لوگ معترض ہیں کہ اسلام نے خون کی ندیاں زمین پر بہائیں اور لاکھوں  
جانیں تلف کیں۔ وہ بنظر غور قانون قدرت کو ملاحظہ فرمائیں۔

اب یہ خیالی ہو سکتا ہے۔ کہ جب قانون قدرت یہی ہے کہ وہ مواد  
فاسد اور غلط فاسد کی طرح نافرمان اور سرکشوں کو چھانٹتا رہتا ہے۔ تو پھر  
کیا وجہ ہے۔ کہ اب اُنکا حملہ بند نہیں ہوا۔ اور اسلامی شمشیر میاں میں ہے۔

بے شک اسوقت اسلامی تلوار میان میں ہے۔ اور اس حالت میں  
 وہ میان ہی میں رہنی چاہئے۔ قانون قدرت کسی حالت میں نہیں  
 بدل سکتا۔ مگر وہ کبھی کسی صورت سے اور کبھی کسی طرح سے اپنا  
 عمل کرتا ہے۔

انگلستان میں کوئی مسلمان بادشاہ جہاد کرنے نہیں گیا۔ امریکہ پر  
 کسی نے فوج کشی نہیں کی۔ چین اور افریقہ میں کوئی لشکر کشی نہیں کر  
 رہا۔ ہندوستان میں مدت سے اسلامی تلوار سرنگوں ہے۔

مگر انگلستان کے شہر لور پول میں ایک غازی مسٹر کوٹلم اور امریکہ میں  
 مشروب ایک ایسا مجاہد پیدا ہو گیا۔ کہ لاکھوں فوج بھی وہ کام نہ دیتی  
 جو ان دو جواخروں نے دیا۔ ہزاروں تلواریں اور خنجر وہ کار روانی نہ کرتے  
 جو انکی زبان اور قلم نے کیا۔ ان جواخروں کے قلم اور زبان نے مخالفین  
 کے روبرو اسلام کو سرخرو کر کے دکھا دیا اور ثابت کر دیا۔ کہ دنیا میں فدا  
 مذہب صرف اسلام ہی ہے۔ ان الدین عند اللہ الاسلام۔

افریقہ اور چین میں سرگرمی سے اسلام پھیل رہا ہے۔ ہندوستان میں  
 اسلام دن بدن پھیلتا جاتا ہے۔ اور صدہا رسالے اور اخبار جو روزمرہ  
 شائع ہوتے ہیں۔ جہاد کا کام لے رہے ہیں۔

سفر کی آسانی اور علم کی روانی جہالت کو اٹھاتی اور مٹاتی جاتی ہے۔  
 مختلف علوم اور مختلف اقوام کا میل جول جو اس تابیکی کو دور کرتا ہے۔ جو  
 ہزاروں سال سے دنیا کو گھیرے ہوئے تھی۔ صدہا اشخاص تعلیم پارہیزی  
 کتابوں کے ترجمے اُردو اور انگریزی میں شائع کر لائے ہیں۔ جن کا حال  
 محض پردے میں تھا۔

جو لوگ اپنی مذہبی کتابوں کے حال سے بے خبر اور آباہی تقلید کے  
 زنجیر میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اور اسی سے نکلے اور اسی زنجیر کے توڑنے  
 کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ چونکہ مجھوت کے پاؤں نہیں ہوتے۔ جو  
 جھوٹے مذہب میں وہ خود پسند اور ذلیل اور حقیر ہونے جاتے ہیں۔ اریہ  
 اگرچہ راہ راست پر نہیں گئے۔ مگر بت پرستی سے بیزار اور توحید کی جانب  
 مائل ہو چکے ہیں۔ اور یہ سب زبان شریف کی برکت اور طفیل سے ہے

دردِ ہندوں کو توحید سے کیا مطلب اور دیدوں میں بجز تبت پرستی کے توحید کا  
 کہاں نشان ؟ عیسائی گو جو حق مسلمانی نہیں ہوئے۔ لیکن اسلام کی تصدیق تو  
 پکار پکار کر ہے۔ ایسی حالت میں کیا حاجت شمشیر زنی کی ہے۔  
 قانونِ قدرت ایک دوسرے پرانہ میں عمل کر رہا ہے۔ اور امید  
 کہ آخر کار ساری دنیا کو اضطرارِ اسلام کی طرف جھکنا پڑے گا۔ واللہ  
 غالب علی امرہ ولكن اکثر الناس لا یعلمون :-

## انسانی زندگی اور اس کا مقصد

زندگی کیا ہے ؟ اس کی حقیقت سمجھنے سے انسان کا فہم قاصر ہے۔ کائنات  
 زندگی سے نمٹ رہا ہے۔ ہم پانی۔ مٹی اور ہوا کو جاندار اجسام سے بھرا ہوا جانتے  
 ہیں۔ کروڑوں جاندار پیدا ہوئے۔ زندگی بسر کی اور مر گئے۔ مگر زندگی کا بھید نہ لکھا  
 یہ ایک الٹی راز اور امرِ ربانی ہے۔ جو انسان سمجھ نہیں سکتا۔ جس بات  
 پر بحث ہو سکتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس زندگی کا مقصد کیا ہے ؟  
 زمین کا مالک کون ہے ؟ ظاہراً انسان ہی ہے۔ کیونکہ ایسا معلوم ہوتا ہے  
 کہ ہر ایک شے اُسکے استعمال فائدے اور آرام کے لئے بنائی گئی ہے۔ مگر اس  
 پر بھی وہ یہ محسوس کرتا ہے۔ کہ ایک (اجل کی) تلوار میرے سر پر اڈیڑاں ہے  
 جس سے چارہ نہیں۔

درندوں اور پرندوں کی مختلف ترکیب رکھی گئی ہے۔ اور جو بہشت اُنکو  
 دی گئی ہے اسکی وہ پورے طور پر قدر کرتے ہیں۔ انکی طبعی حاجات۔ خوراک  
 وغیرہ جہانی خوشیوں پر محدود ہے۔ اور جو کہ اس کا سامان بافراط جیتا کر دیا  
 کر دیا گیا ہے۔ وہ بجزی متمتع ہو رہے ہیں۔ انکی دو سب سے بڑی خواہش  
 بھوک اور شہوت ہے اور دونوں خوب طرح پر پوری ہو رہی ہیں۔ کون  
 ہے جس نے سوائے مستثنیٰ حالت کے کسی درند یا پرند یا کبوترے کو  
 کو کبھی ناغوش دیکھا ہو ؟ ان کی حالت جو ہم سے مختلف ہے۔

خالص آرام اور خوشی کی حالت معلوم ہوتی ہے۔ ان میں نہ اخلاق ہے نہ  
 نہ بد اخلاقی۔ جس پر وہ سوچیں۔ اور نہ شک ہے نہ پشیمانی جو ان کو اذیت  
 دے۔ اگر ان کے لئے کچھ ایسی مصیبتیں بھی ہوں۔ جن کا ہم کوئی معاوضہ  
 نہیں دیکھتے۔ جیسا کہ انسان کا غلام ہونا ہی ان کے لئے بڑی مصیبت ہے۔  
 تو یہ غالباً ان کی سرشت کی حالت ان کی تربیت اور کسی ایسے فائدے کے  
 لئے ہے۔ جو اور کسی طرح پر حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن ظاہر اسباب جو  
 کہ ہم دیکھ رہے ہیں۔ وہ یہی ہے۔ کہ سطح زمین پر ان کی حالت بخلان انسان  
 کی حالت کے ایک آرام اور خوشی کی حالت ہے +

کیوں انسان بھی اپنی حالت سے اب ہی حظ حاصل نہیں کرتا؟ دنیا  
 جیسی آؤ جانوروں کے لئے خوش نما اور راحت بخش ہے۔ ویسے ہی انسان  
 کے لئے بھی۔ محنت کے بعد نیند اس کو لطف دیتی ہے۔ جھوک میں چراگ  
 کا پورا مزہ آتا ہے۔ سہاؤنی خوشبو ہے۔ پرندوں کا الاپنا۔ چاند کی چاندنی  
 گرمی میں ہا سحر کے جھونکے۔ سب کے لئے سرور کا باعث ہیں۔

وحشی انسان کی ضرورتیں قریباً سب پوری ہوتی ہیں جو بہت ہی کم ہیں  
 مہذب انسان کی ضرورتیں بہت ہیں۔ اور تمام نہیں تو اکثر ان سے پوری  
 ہو جاتی ہیں۔ اس کی ذات کی آسائش کے لئے اس کو زمین اور سامان  
 معیشت یعنی گھر۔ پارخ۔ چاندی۔ سونا۔ اور کھانے پینے کی چیزیں بافراط  
 اور بلا قیصر اسے دی گئی ہیں۔ مگر ابھی انسان محسوس کرتا ہے۔ مگر یہ  
 آرام اس کی ہستی کا اعلیٰ مقصد نہیں ہے۔ جو تلوار اس کے سر اور زان  
 ہے۔ اس نے ناممکن کر دیا ہے کہ یہ ایسا ہو جو کچھ اسکو دیا گیا ہے اس  
 سے بہ مقابلہ دوسرے جانوروں کے بہت ہی کم لذت حاصل کرتا ہے۔  
 بلکہ تکلیفیں زیادہ ہوتی ہیں۔

پس جب انسان کی یہ عجیب و غریب حالت ہے۔ تو ہم قدرتی طور پر  
 نتیجہ نکالتے ہیں کہ اس کا مقدر دوسرے جانوروں کے مقدر سے باظہور  
 مختلف ہے۔ یہ تمام سے نالا ہے۔ یہی غلط اور صحیح میں تیز کر سکتا ہے  
 صرف یہی اخلاقی نیکی اور اخلاقی بنی کا تصور رکھتا ہے۔ تنہا اسی پر غور  
 ترقیات کی خواہش پائی جاتی ہے۔ اور حیات ابی کی پیاس اُسے لگی ہے



زندگی کی برکتیں یعنی تندرستی خوش مزاجی اور دل جمعی تو ہم سے جو صرف چند کس کو حاصل ہیں۔ لیکن اُس کے مصائب یعنی تکالیف اور امراض و آلام ہم سے بہت شخص عموماً کر رہے ہیں۔ مگر ان دونوں میں سے کوئی بھی نہیں دوڑ میں نہیں روکتی۔ ہماری رفتار جاری ہے۔ نہ خوشیاں ہماری دامن گیر ہوتی ہیں اور نہ آندیشیں جان کی جوکھوں کا خوف دلا کر ہماری سדרاہ ہو سکتی ہیں۔ زمانہ کی رفتار کو ٹھہرانے کیلئے ہم بے فائدہ کوشش کر رہے ہیں۔ پانی کی رُو ہمیں لگے کی جانب بہائے لئے جاتی ہے۔ ان کے زور کو توڑنے کے لئے ہماری تمام جدوجہد بیکار ہے۔ اس وقت ہم دھڑول اور رشتہ وارد سے گھرے ہوئے ہیں۔ دیکھتے دیکھتے تنہا اور اکیلے رہ جاتے ہیں اور کچھ عرصہ کے بعد بالکل ہی تباہ اور برباد ہو جاتے ہیں۔ پھر زندگی کا کیا مقصد ہے؟ ہمیں کس منزل مقصود پر پہنچنا ہے۔

جب ہم اس مے پر خل اور کائنات کو لیکر غور کرتے ہیں۔ تو یہی ہمیں آتا ہے کہ زندگی ایک مدرسہ ہے۔ جس میں اخلاقی اور روحانی تعلیم دی جاتی ہے۔ ہر ایک سانچہ جو اس میں پیش آتا ہے۔ ہمارے لئے تربیتی نفس کا ایک سبق ہے۔ اور تمام عناصر جن کو ہم چاروں طرف دیکھتے ہیں۔ ہمارے معلم ہیں۔ ہمیں اپنے گرد مستقل عناصر اور قوتوں کا جمع نظر آتا ہے۔ اور وہ تمام ہمیں تربیتی کے راستہ میں مدد دینے کے لئے کچھ نہ کچھ فرائض رکھتے اور انہیں بجا لاتے ہیں۔

قول و فاکت۔ خوشی و رنج۔ بیاہ اور موت زندگی کے رشتے وابستہ شکستہ یہ سب سبق ہیں۔ جو اتفاقہ طور پر ہمیں پیش دئے جاتے بلکہ ہماری ہیبت اور نجات کے لئے منضبط کئے گئے ہیں۔ دولت بزرگی اور طاقت کی ہم نقد کرتے ہیں۔ مگر اُسی وقت قدر کے لائق ہیں۔ جب بڑو ہماری اور عمل کا سبق دیں۔ مغربی ہماری اور زحمت کشی سے ہم بھاگتے ہیں۔ لیکن درحقیقت وہ دولت اور بزرگی سے بھی زیادہ قدر کے لائق ہیں۔ کیونکہ وہ ہمارے جذبات کو روکتے اور مغلوب کرتے ہیں۔ ہمیں قلمی اور بڑو باری کا سبق دیتیں۔ اور ہمیشہ کے نہایت مشکل مسائل کے لئے ہمیں تربیت کرتیں۔

پس ہمارے خیال زندگی صرف دل کی آوازائش ہے زندگی میں انسان کا درجہ ہے۔ کہ کام کرے۔ دوسرے جانوروں کی ضروریات کے ساتھ زندگی نے خود ہم پہنچائے ہیں۔ انہیں صرف ان کے حاصل کرنے سے تنگ و دو کرنا پڑتی ہے۔ مگر ایک انسان ہی ہے۔ جو اپنی حاجتوں کو اپنی محنت سے حاصل کرتا ہے۔ اُس کو ایسی طبیعت عطا ہوئی ہے جس کے مقاصد اُس کی زندگی سے بڑھ کر ہیں۔ جو بغیر اندیشہ جواب دہی کے کاہلانہ عیش و عشرت میں بسر کی جاتی ہے۔ درہم اس طبیعت کا سبب جزو ہے۔ جو انسان کو نہ صرف جسمانی بلکہ اپنی اخلاقی ضروریات کے لئے کرنا پڑتا ہے۔ اُن فوریوں کو حاصل کر سکے۔ جن کے ساتھ اُس کی بہبود وابستہ ہے۔ زندگی میں بہت ہی واقعات پیش آتے ہیں۔ جن میں سے کوئی عمل چاہت ہے۔ کسی میں سفیدگی یا صاف دلی یا جیہ اپنی عزت کا پاس یا فراخ حوصلگی دکھانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ لہذا ضرور ہے کہ دل کو اس طرح پر تربیت کیا جائے۔ کہ جب کبھی اس قسم کی کوئی ضرورت پیدا ہو خواہ وہ کیسی ناگہانی کیوں نہ ہو۔ تو وہ اُس کو پورا کر سکے۔ ہماری انسانیت میں ایک مسئلہ ہے جس کا علمی حل فلسفہ الہیہ ہے۔ اور علمی حل پاک اور نیک زندگی ہنسی کا اشارہ یہ ہے۔ کہ آگے بڑھو۔ اور نیکی اور دینیات اور صداقت اور معرفت میں ترقی کرنا وہ مقصد ہے۔ جو ہمیں حاصل کرنا چاہئے۔ خدا نے جیسے ہر ایک کی صفت میں عقل کا جوہر رکھ دیا ہے۔ ویسے ہی کم و بیش سب کو طبعاً نیکی کی جانب رغبت بھی عطا فرمائی ہے۔ اب انسان کا کام ہے۔ کہ جس قدر حصہ اُس کو ملا ہے۔ تربیت کرے اور ترقی دے تخم ہم میں موجود ہے اور ہمارے دل کھیت ہیں اچھی کاشت کرنا انسان کا کام ہے۔

لوگ دنیا میں قدرتی طور پر عیش و آرام کی جستجو کرتے ہیں اور کوئی وجہ نہیں کہ وہ ایسا نہ کریں۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ قدرت ہی کا مقصد ہے کہ ہم سامانِ سنوت سے متمتع ہوں اور بخوبی متمتع ہوں۔ مگر اپنی ضروری طاقتوں کے پورا کرنے کے علاوہ ہم پر اللہ فرایض بھی ہیں جو زیادہ اہم ہیں۔ مثلاً دل کی مدتی سوج کی تربیت اور باطن کی صفائی



بجائیں۔ اور اس چیز محض خدا کے مخالف نہ ہوں۔ جو ہمیں ہر وقت پہنچنے اور گیان عطا کرنے پر آمادہ ہے۔

ایک شخص کے چیتھرنے کس چیز کو دھانتے ہیں۔ ایک انسانی جسم کو اور ایک شہزادی کی شاہی پوشاک۔ وہ بھی ایک انسانی جسم کو۔ مگر آرائش و دونوں کی برابر میں اعتدال پر مبنی اور خوش اعوازی کا اثر۔ تندہی، نیکوئی، زندہ دلی۔ اور خستہ و شردادی بگیری۔ سخاوت و نیک نیتی۔ عاقلانہ نتیجہ۔ دل کی تسکین، دونوں کے واسطے یکساں ہے۔ اسی طرح زندگی کا مصائب بھی یعنی نزع و اقامت کی تطایف اور اراض جو پریشانی، فتن و غور سے پیدا ہوتے ہیں۔ دل کی خوشی۔ جس کا باعث مسرت ہے۔ صبر ہی ہے جو خواہش ہے۔ اور تباہی اور بربادی جو بدخواہی بغصہ نفس کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ دونوں کے لئے مساوی ہے۔ اب انسان کی ہویزیت کہ دونوں یہاں اور یہاں سے جانے کے بعد راحت حاصل کریں۔ اور اسی لئے دونوں کے واسطے مصلحت و راحت کو ایب مازم و مذموم ہے۔ کہ ناممکن ہے۔ کہ ایک کو بجا۔ میں۔ اور دوسرے سے دیدہ نہ اٹھائیں۔ نیک زندگی پناہ اور سہارا ہے۔ دل کو اپنی اصلی بزرگی کے سوائے اور سی بات میں راحت نہیں ملتی۔ یہ سچ ہے کہ جب انسان کی بھوک پیاس بجھ جاتی ہے تو اس کو شل تمام جانوروں کے جہاں خوشی ہوتی ہے۔ اور بخلاف دیگر احسانات کے جب لذیذ غذائیں اس کے حلق کے نیچے اترتی ہیں۔ تو اس کو اذہ بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے۔ اور اس قسم کی خوشی کشمکش لینے والی خوشی نہیں ہے۔ اور اس لئے حیوان تعریف کے قابل نہیں ہیں جو اس کی خوشی بہ نسبت انسان کے جانوروں کو کئی درجہ بڑھ کر حاصل ہے۔ انسان دولت کی نگہبانی سے خوشی حاصل کرتا ہے۔ گناہ اس سے بڑھ کر بڑی مہربانی سے اپنے پیروں کے انبار کی رکھوالی کرتا ہے۔ آدمی کی عبادت اور جلائی سے خوشی حاصل ہوتی ہے۔ لیکن موٹری میں یہ صفت کہیں اس سے بڑھ کر پائی جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی خوشیاں صرف فن لوگوں کی خوشیاں ہیں جن کی عقل اور کائنات بھی بیدار نہیں ہوتی۔ اور عرصہ دراز تک یہ خوشیاں قائم نہیں رہ سکتیں۔ نفسانیت اور بہ اعتدالی کے پنجہ میں

پھنس گئے۔ انواع و اقسام کی تکالیف۔ مراض و آلام نے آکھیرا غرور۔  
 افسانہ اور بے اعتدالی کے ذوالیہ بن گئے۔

اس کے پر فلاد۔ دل کی نئی خوشیاں ہمیشہ بڑھتی اور ترقی کرتی ہیں۔ سچی  
 الفت۔ وہ سچی۔ اخلافت۔ اثنائے اور نہ وقت سے طبیعت کبھی بد نہیں  
 دیتی۔ دل کی صفائی۔ قدرت اور ترقی۔ یہی ختم نہ ہونے والا چشمہ اور  
 زندگی کا سب سے عمدہ ذوالیہ ہے۔

زندگی میں جو بات ہیں۔ بے نیادہ۔ بے قرار کرتی ہیں۔ وہ یہ ہے  
 کہ نظریہ انسانی زندگی غیر مساوی واقع ہوتی ہے۔ جب تک وہ بے آئیہ کو  
 متنازع نہ سمجھو میں با پھنسے میں ہیں۔ کتنے س کے کہ یہ غیر مساوی  
 بھی انسان کی اپنی جوتی اور محنت۔ کبھی اور غفلت اور توازن قدرت کی  
 خلاف مریضوں کا نتیجہ ہے۔ فی الواقعہ یہ غیر مساوی اتنی بڑی نہیں ہے جتنی کہ  
 ہم خیال کرتے ہیں۔ فالت نے اس بات کا فیصلہ کرنا ممکن ہے۔ کہ کون  
 فی الواقعہ خوش ہے اور کون مصیبت زدہ۔ ورنہ غمناک۔ اور کون فی الواقعہ  
 نیک ہے۔ اور کون بد ذات اور شیریں پس اس صورت میں کہ ہم یہ ثابت  
 کر سکتے ہیں کہ زندگی میں ہم اسے واقعی غیر مساوی یا دوسری طرح  
 پر ہیں۔ اور سچ پوچھو تو اشیاء حسیہ۔ نہیں دیکھتی دینی میں اس سے زیادہ  
 سچی ہوتی اور ہموار واقعہ ہوتی ہیں۔ کوئی خوشی نہیں جس کا انجام نہ ہوا  
 نہ کوئی مصیبت ہے جس کا اس قدر مہمومہ نہیں ہے۔ بہت بھاری غلطی  
 جو اکثر کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ سب سے اعلیٰ حالت کو سب سے اعلیٰ خوشی  
 سمجھا جاتا ہے۔ لیکن یہ ٹھیک نہیں بلکہ سب سے خوش حالت کو سب سے  
 اعلیٰ حالت سمجھنا چاہئے۔

اور بے اوقات دیکھا جاتا ہے۔ کہ گدائی کی حالت بدشہابی یا امیرانہ حالت  
 سے بدتر جہاں خوش حالت ہے۔ حقیقت میں ہماری حاجتیں بہت زیادہ ہیں  
 ہیں۔ بلکہ ہماری واقعی ضرورتوں کی نسبت ہماری خواہشیں بھی زیادہ تکلیف  
 دیتی ہیں۔ اور ہماری تمام خواہشیں اچھی نہیں ہیں۔ اور اکثر اوقات ہماری  
 ناکامی جسکو ہم اپنے لئے مضر خیال کرتے ہیں اہل میں ہمارے مقید  
 حال ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ ہمکو زیادہ تر سیر جتنی اور سودگی کی طرف

لے جاتی ہے ۔

سقراط کا قول ہے ۔ جس کی احتیاج نہایت ہی کم ہے ۔ اس کو سب سے زیادہ قرب خدا کا حاصل ہے ۔ کیونکہ کسی چیز کی حاجت نہ رکھنے ذات باری کی صفات پر ہم اثر بخیر یا خونی کی شکایتیں کرتے ہیں ۔ محض اس وجہ سے کہ اپنی وہی چیزوں سے ہم زیادہ طلب کرنے پر ۔ پس انسان اپنی زندگی کو ناخوشتر بنا لیتا ہے ۔ زندگی ناخوش نہیں ہے ۔ پر انسان نے خواہش سے بچا کو ترجیح دے کر اسے ناخوش بنا لیا ہے ۔ - ۵ -

بعض متابعین یہ بات یہاں درج اسباب معاش + اچھا دارکار داریم اکثر سے درکار نیست زندگی میں جس قدر عمدگی اور آسودگی حاصل ہے حصہ میں آتی ہے ۔ اسکو ہم اپنا جتنی وجہ سمجھتے اور بلا اعتراف احسان مندی کے قبول کرتے ہیں ۔ لیکن جب کوئی خرابی آتی ہے تو برا فروخت ہو جاتے ہیں ۔ گویا یہ صرف سارے لئے بھیجی گئی ہے ۔ مگر جو لوگ ان دونوں کو خیر و یشیائی سے قبول کرتے ہیں ۔ حقیقت وہی شخص ان کی زندگی کو بھی طبع سمجھتے اور اس کی قدر کرتے ہیں ۔

عیسائی لوگ کہتے ہیں کہ انسان مرثیت سے کنہار ہے ۔ وہ کبھی گناہ سے بچ ہی نہیں سکتا ۔ اور اسی لئے کفارہ کا مشہد تراش گیا ۔ لیکن اہل میں عیسائی نہیں ہے ۔ نہ خدا نے اسے مجبور بالشر پیدا کیا ہے ۔ بلکہ اہل انسان کی عادت نیکی جلاشی اور آسودگی کے مناسب ہے ۔ اس سے خلاف طور برکات آئینا یا اس کو بگاڑنا گناہ اور مصیبت کا باعث ہو جاتا ہے ۔ اور انسان کو کوئی چیز مصیبت میں نہیں ڈالتی یہ اپنے قومی کو بھی طور پر استعمال کر کے خود مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے ۔

بہت سے مصائب اور تکالیف جو ہمیں زندگی میں سننے پڑتے ہیں ہمارا اپنا فعل ہے کیونکہ قدرت کے اخلاقی قوانین کو توڑنے سے پیدا ہوتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَا تَلْعَلُوا بَیْدَ یُکْمَ الِی التَّمَلُّکَ - وَ الْبَیْوتِ مِنَ الْوَاہِمَا -

خدا نے دنیا کو حیا پیدا کیا ہے وہ نہایت عمدہ ہے ۔ مگر انسان نے حیا دنیا کو بنا لیا ہے وہ اس سے بہت مختلف ہے ۔ اور تجھ میں

ہم اس کو انصافی - معلم - بے رحمی - دغا بازی - جھوٹ - زنا کاری - حسد - غور  
 ہدوت - فساد - دہن کے لافنی نتائج - تکلیف - جگر سوزی - اور دیگر برائیوں سے  
 پرہیز کرتے ہیں - لیکن خدا کبھی گوارا نہیں کر سکتا - کہ اس کے ادا دلوں کو یوں  
 نہ وہاں تک پہنچے -

خدا نے ہمارے دل پہ اپنے کو برستہ طور پر نہیں بنایا - اس نے ہم پر ایک  
 متوازن و نرم داری و بوجھ ڈال دیا ہے - جو جس نے اپنی کسی اور غفلت پر لازم  
 نہیں کی - ساری یہ موقوفات میں سے صرف انسان ہی کن کر سکتا ہے  
 شیعہ بے رحمی سے ہمارے سب پر پاری سے کاٹتا ہے - کچھ کا  
 غضب تو ہوتا ہے ہم سے - مگر یہ سب اپنے اپنے قدرتی شعور کے موافق کا  
 کرتے ہیں گن و گنہگار ہیں - انسان اپنی عقل اور غیبیہ سے مدد کر کے ہر  
 ہے - اس نے اس کی خاص نرم داری بھی پیدا ہوئی ہے - مگر جس نے یہ نرم  
 داری ہم پر جب و بے ہوشی سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں - ہماری مدد  
 یہی کر رہا ہے - ہمیں اپنی کامیابی کے لئے جو کچھ کرنا ہے وہ اتنا ہے - کہ ہم ہر  
 کر مرکب ہمت کی تک تھا نہیں - سعی مذا ولا جہاد من اللہ - وہ رب  
 العالمین ہماری دست گیری کرے گا - اپنی معرفت اور رضا مندی کی رہیں  
 دکھائے گا - عیساکر وہ فدا ہے - پس لا یفلس لا مد سعی والدین  
 جاہد و فیما لہم یدہم سببنا (مقتبس از مطالعہ فطرت بہ حقہ عبانہ)

## نورِ فطرت

فطرت اللہ الق فطر الناس علیہم لا تبدل خلق اللہ ذلک الدین الخیر  
 ولکن کثیر الذم لا یعملون روم - خدا کا فطری دین وہی ہے - جس پر  
 لوگوں کو پیدا کیا - فطرت اللہ میں تبدیلی (مناسب) نہیں یہی دین سیدھا اور  
 سچا ہے - ہر اکثر لوگ جانتے نہیں - جناب رسول خدا معلم نے فرمایا ہے - کہ  
 کل مولود یولد علی الفطرت فلیوہ یهودا ۱۱ او یحسانہ او ینصرانہ - ہر ایک  
 بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے - پھر اس کے لئے ہاں باپ اپنے رنگ میں  
 رنگین کر کے یہودی یا عیسائی بنا لیتے ہیں -

اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ نیکے اسلام کی فطرت ظاہر کر نیوالے  
 پہوتے ہیں۔ اب اگر بچوں کی حالت پر غور کی جائے تو اس سے اسلام کی  
 فطرت بھی معلوم ہو جائے گی۔

معموم بچے جب پیدا ہوتے ہیں تو ایک عرصہ تک وہ ایک قسم کی بیہوشی  
 کی حالت میں پڑے رہتے ہیں۔ ان کا نورانی چہرہ سب کو مبہما اور پارانہ طور  
 پر دکھائی دیتا ہے۔ جو وہ نہیں معلوم کر سکتے۔ سمجھ کر سکرانے لگتے ہیں۔ اس میں

میں ایسی جگہ دکھائی دیتی ہے۔ جو بہت ہی بھی معلوم ہوتی ہے۔ اس  
 مسکراتے ہوئے غور سے دیکھو تو ایک ہشتی جھبک نظر آتی ہے۔ پھر وہی  
 روزہ جب پھر تر ہوتا ہے۔ اور چہنہ بھرتے لگتے ہیں۔ اس وقت اس  
 کی ہنسی سے سارے گونج اٹھتا ہے۔ ان بچوں کی ہنسی سچے دل کی  
 ہنسی ہوتی ہے۔ اور وہ لوگ جو رات دن فتن و فحش میں مبتلا رہتے ہیں  
 جن کا دل اندہ سے خوش نہیں ہوتا۔ جو اپنی نظروں میں اپ ذلیل معلوم کرتے  
 ہیں کبھی کبھی ہنس کر لوگوں پر یہ ظہر کرنا چاہتے ہیں کہ وہ خوش ہیں۔ لیکن  
 وہ اس خوشی میں کامیاب نہیں ہوتے۔ صرف دانت نکالتے اور ناہارنے  
 سے ہنسی نہیں ہوتی ہنسی دل سے ہوتی ہے۔ جب دل سچی مسرت کے  
 جوش میں آکر تپنے لگے۔ وہ ہنسی سچی اور وسوسوں کو پیاری معلوم ہوتی ہے۔  
 پیاری چیز اس جہان میں نجاتی ہے۔ منافق اور ریاکار اول دھڑل  
 کو فریب دینا چاہتے ہیں۔ لیکن وہ کسی کو جس فریب نہیں دیتے۔ بلکہ اپنے  
 آپ کو فریب دیتے ہیں۔ لَخَادِعُونَ اللّٰہَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَہُمْ یَخٰدِعُوْنَ  
 اَنْفُسَہُمْ وَہُمْ لِّشَعْرَتِہِمْ

بچے کیسے اپنے موتے ہیں۔ اُن کا دل سچا۔ ان کی باتیں سچی۔ اُن نے سب  
 کام سچے۔ ان کے کسی کام میں تفسع اور ریاکاری کو تو قتل نہیں۔ اُن سے  
 جس قسم کی بات پوچھیں کہ وہ ہمارے سوال کو سمجھ اور بول سکتے ہیں۔ تو سب  
 سوالوں کا جواب ٹھیک ٹھیک دیتے ہیں۔ اُن کا سادہ دل اس ہا  
 سے مطلق واقف نہیں کہ کوئی بات چھانے لے قابل ہے اور کوئی کہنے  
 کے لائق۔ اُن کا نیک دل سب کو نیک سمجھتا ہے۔ اُن کے دل میں  
 خیال ہی نہیں آتا۔ کہ لوگ کسی بات کو بُری نہت سے بھی پوچھتے ہیں۔



ان بچوں نے دلوں میں غرور اور کھمنہ مطلق نہیں ہوتا۔ اگر ایک لوتی اور ذیل دی بھی ان سے پیار سے ہے۔ تو اس کی گود میں جانے کو مستعد ہیں۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ یہ کم رتبہ اور وہ عالی رتبہ ہے۔ ان کی نظروں میں کرسی، منڈھا، شہر، غی، غلیچہ، قالین، فرش، بین، سب برابر ہیں۔ جہاں بٹھ ہیں۔ جہاں پادریں گئے۔ ذرا بھی بُرا نہ دیکھیں گئے۔ ان کے سارے دلوں میں کسی کی طرف سے اپنی نہیں جمتی۔ ابھی کسی نے ان کو دق کیا۔ جگہ مارا۔ اور ٹھوڑی دیر کے بعد ان سے پیار سے بات کی۔ سارا بچہ و سرخ و سرخ ہوئی خوشی کے ساتھ پھر اس کے پاس جا بیٹھا۔ کہ کبھی بچہ ہوا ہی نہ تھا۔ ہم لوگوں کی طرح ان کے دلوں میں برسوں تک بچ کی باتیں مٹنی نہیں رہیں۔ ان کے ساتھ دل بہ کینہ کی گنجائش ہی نہیں۔

یہ چھوٹے بچے علم کے کیتے شوقی ہوتے ہیں۔ ہر وقت لوگوں سے پوچھتے ہی رہتے ہیں۔ کہ کیا ہے۔ کہاں سے آیا۔ کیا نام ہے۔ اسی طرح ہزاروں باتیں پوچھ کر دق کر لیتے ہیں۔ ہم تو۔۔۔ جواب دیتے دیتے اکتا جاتے ہیں۔ ہر وہ سوال کرنے سے نہیں بچتے۔ ہر چیز کی مامیت و اصلیت معلوم کرنے کی ان کو کبھی خواہش ہوتی ہے۔ ابھی ان کے ہاتھ میں کیا کھانا ہو رہا ہے۔ اس سے کچھ آواز نکلتی ہو۔ پھر کیا ہے۔ خور ان کے دل پر خوش پیدا ہوتی ہے کہ اس کو نوکر دیکھیں۔ ان کے چہرے میں کیا ہے۔ ان بچوں کے سوالات میں سوائے علم کے اور کوئی دوسری غرض نہیں ہوتی۔ وہ نہیں جانتے۔ کہ ان باتوں کے معلوم کرنے سے کیا فائدہ ہے۔ ان کے معلوم کرنے کی دیسی ہی فطری خواہش ہے۔ جیسے بھوک پیاس۔ یہ بچے کیسے فطرتی ہوتے ہیں۔ بیکاری اور کھلی سے انہیں سخت نفرت ہوتی ہے کسی جگہ بیکار یا پابند رضا ان پر سخت ناگوار گذرتا ہے۔ گو ان کے سارے دھندے ہماری نظر میں نقص لغو اور بیکار معدوم ہوتے ہیں۔ لیکن کیسے بچے جوش سے وہ ان میں مشغول رہتے ہیں۔ کبھی کوئی دیوار مٹی وغیرہ کی تیار ہو رہی ہے۔ کبھی تیلی زمین پر کیا ریاں بن رہی ہیں۔ کبھی کڑی کا گھوڑا ان کے پیچھے ہے۔ غرض جو کام ہے۔ اس میں ہمدردی نہ ہوتی ہے۔ پسینے میں غرق ہیں۔ دھوپ میں جل رہے ہیں لیکن اپنے کام میں غور ہیں۔



پت ہے جو پچی خوشی بچپن کے زمانہ میں ہوتی ہے۔ وہ کسی  
 زیادہ میں نہیں ہوتی۔ اس زمانہ میں انسان کی فطرتی سادہ حالت  
 ہوتی ہے۔ وہ ایک حالت میں حافی جلوہ گر۔ گندہ کا میل اور دھبا  
 کے دل پر چھٹنے نہیں پاتا۔ سادہ بھی سچی حالت اور حقیقی مسرت  
 دل جس پیدا کرنے کو پتا ہے۔ اور جانشین کے مسلمان ہمیشہ ہر حال  
 میں خوش رہتے ہیں۔ اور بچپن کی نضی اور سادہ حالت کو فطرت  
 اسلام کہا ہے۔ اگر بچہ ہی۔ عجز و انکسار کا عشق محنت۔ سچی  
 محبت۔ سچی بشارت۔ ایک بچہ کی فطرت میں داخل ہے وہ  
 جوانی میں انہیں کو حقیقی شوق اور سلی نیک میں لے آئے۔ اور  
 یہی بین الفیم اسلام ہے۔

سب لوگوں کے بچپن میں فطرت اسلام میں پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن  
 اگر کہیں ان کے والدین بد چلن اور بے ادب ہوئے۔ تو ان کی مٹی  
 خراب ہوئی۔ ان کا سادہ دل بدیوں کے رنگ میں رنگا گیا۔ کیا  
 ہی خوش نصیب وہ بچے ہیں۔ جن کے والدین ان کی کُل نیک  
 فطرتی اوصاف کو قائم رکھ کر نئی نیکیوں اور روحانی اور اخلاقی بھلائیوں  
 کو ان کے زرخیز دلوں میں بوتے ہیں۔ اور ان کو اس قابل بنا  
 دیتے ہیں۔ کہ وہ فطرت اسلام پر قائم ہو کر بچے مسلمان بن سکیں  
 جن لوگوں کے دلوں میں بچپن کی خوبیاں موجود ہوں اور وہ بچے ہوں  
 کہ نہ زبان سے کبھی جھوٹ بولتے ہوں۔ اور نہ ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضا سے  
 کوئی جھانا کام کر سکتے ہوں۔ ان کے سچے دل۔ تکلف۔ نفع اور مکاری  
 کا نام تک نہ جانتے ہوں۔ ان کے قلوب میں کُل علوم کی سچی و فطرتی  
 محبت وجود ہو۔ ان کے علم کا شوق ایسا زور آور ہو کہ اگر بچہ  
 علم حاصل کرے۔ تو سفر کے ٹھ سے ٹھ نہ موٹیں۔ ان کے دلوں میں  
 غرور مطلق نہ ہو۔ ان کو ہر ملن دلا آکھیں۔ سب آدمیوں میں  
 خیریں دیکھتی ہیں کسی کو اپنے سے کمتر سمجھ کر نفرت نہ کرتے  
 ہوں۔ ان کے تہذیب و جسم کو کلمی اور سستی ایک قید شریہ معلوم  
 ہوتی ہو۔



لیکن انوس ر بڑی صحبت بڑی تعلیم بڑی تربیت سے انسان  
 ان سب خوبیوں سے لگب ہو جاتا ہے لیکن کی سب خوبیاں ایک  
 ایک کے کھو دیتا ہے۔ نعمت کے کھو جانے وقت اس سے دل  
 میں ایک کھٹک ہوتا ہے لیکن انوس کہ شیطان کے چھن سے میں  
 آجاتا ہے کوئی پرانی ایسی نہیں جس کے کرتے وقت انسان کو اپنے  
 دل سے یہ اچھی خاصی لڑائی نہ لڑنی پڑتی ہو۔ جتنی بڑی پرانی  
 اتنی بڑی لڑتی ہوتی ہے۔ جب آدمی یہی دفعہ اپنی فطرت کے برخلاف  
 اپنی کام کرنے لگتا ہے اور کناہ کی طرف میلان لے کر کرتا ہے تو اس  
 کی عجیب کیفیت ہوتی ہے چہ کا تم بدل جاتا ہے۔ دل دھڑکنے  
 لگ جاتا ہے ایک لمحہ ہٹ سی معلوم ہوتی ہے ہاتھ پاؤں ہلکا سا  
 جسم میں ایک سنسنیاتی پیدا ہوتی ہے۔ یہ قدم پر ایسا  
 قوت رکھتی ہے۔ عقل کتنی ہے خدا دین نہ کرنا بدنامی ہے لوگ  
 کہہ کہیں گے؟ خدا کو کیسے جواب دینا۔ شیطان قوت بھی اس قوت  
 اپنے دلائل پیش کرتی ہے۔ کچھ ذر نہیں کچھ پرواہ نہیں۔ اس مزے  
 کو چھوڑنا نہیں چاہئے۔ عرض انسان کچھ عجیب کشش کی حالت  
 میں پڑ جاتا ہے۔

غور کرنا چاہئے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ فطرت کی ہر ایک حالت کے  
 بدلنے پر ایسی لڑائی کیوں لڑتی ہے۔ اس یہ ہے کہ اس رحمان و  
 رحیم خدا نے ہر ایک انسان میں ایک نور ہدایت یعنی فطرت کی سیدھی  
 صاف راہ پر چلنے کی روشنی عطا فرمائی ہے جو اس کو فطرت کے بدلنے  
 پر پہلے رکھتی ہے۔ یہ نور ہدایت ہر ایک کے دل میں موجود ہے اسی  
 نور ہدایت کا نام نور فطرت ضمیر اور کشش اور فرشتہ رحمانی ہے۔ اور  
 اسی نور ہدایت کی مخالفت کرنے کا نام اضلال شیطانی سورہ وشمس  
 کی اس آیت میں ذالہما فجورہا و تقوہما فذلہما من ذکھا و  
 قد خب من دشلہا اسی ضمیر کی طرف اشارہ ہے۔ ضمیر کی  
 ہدایت کے موافق چلنے کا نام نلاح اور خلاف چلنے کا نام خسران ہے۔  
 اس نور ہدایت کی آواز کو ہر ایک شخص صاف طور پر سن سکتا

ہے اور بسا اوقات اس کی آواز بہت صاف ہو جاتی ہے ایک شخص نے کسی بے گناہ کے قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ ہاتھ میں تلوار لیکر اس بے گناہ کے قتل کو چلا۔ عین وقت پر مائے خوف کے اس کے سامنے جسم میں لرزہ آ گیا ہے اور اس نے صاف یہ الہامی آواز سنی ہے کہ اے کمبخت کہوں جانا ہے؟ کیا کرتا ہے۔ مجرد ایسا سننے کے ہتھ سے تلوار گر پڑی ہے۔ ایک شخص ساری عمر نریت تیرت اپنی محبوبہ سے ملتا ہے۔ خلوت کا موقع مل گیا ہے۔ کارزدانی کے لئے بالکل تیار ہے کہ عین موقع پر دم غیب نے بڑے زور سے دھکا دیا کہ کیا کرتا ہے خدا سے ڈر اسی حالت میں وہ کانپ اٹھا ہے اور اس بدی سے باز آیا ہے۔ ایک شخص چوری کرنے کے لئے آمادہ ہو گیا ہے چیز ہاتھ میں پکڑ لی ہے نیمیر نے فوراً اسے چوٹ لگائی ہے کہ یہ تیرنی خیر نہیں اور وہیں ہاتھ سے رکھ دتی ہے۔

اس نور ہدایت کا کام صرف برائوں سے روکتا ہی نہیں بلکہ اگر اس کی مخالفت کرو۔ تو دل میں سخت مذمت و افسوس لاحق ہوتا ہے اور اس کی ہدایت پر چلو۔ تو دل میں عجیب قسم کا اندور اور لذت پیدا ہوتی ہے۔

اس نور ہدایت کی مخالفت سے دل چھوٹا اور کمزور ہو جاتا ہے۔ مثل مشورہ ہے چور کا دل لاوارز دیکھا گیا ہے کہ بڑے بڑے توف ہیکل پہلوان چور ایک اتنی سی لڑکے کی آواز سے بھاگ کھڑے ہیں۔ نور ہدایت پر چلنے والا دل کا بادشاہ ہوتا ہے۔ سچا دلیر وہی ہے جو اس نور خدا کی ہدایت پر چلے۔

گناہ کے ارتکاب پر انسان کو اس خدا ہی امر یعنی کائنات نفس (لوامہ) سے ضرور لڑائی کرنی پڑتی ہے۔ لیکن گناہ تار لڑائی کرتے کرتے نور ہدایت کا نور گھٹ جاتا ہے یا یوں کہو کہ انسان کے روحانی کان میں گناہوں کا دھول بھر جاتا ہے۔ اور پھر منع کرنے کی آواز اس کو سنائی نہیں دیتی۔ اور ایسی حالت ہوتی ہے کہ یہ خدا ہی نور بالکل مدھم ہو جاتا ہے اور گناہوں کے ارتکاب میں اسے



کو اس وجہ سے کہ وہ صداقت ہے اور سخاوت کو اس وجہ سے  
 عہد خلاوت ہے کبھی قابل نفرت نہیں سمجھتا وہ ان کے برخلاف کرتے  
 وقت بھی ان کی توصیف کرتا ہے اگر کسی دوسرے کی بدکاری یا شرارت  
 کا تذکرہ اس کے سامنے کیا جاوے۔ تو بیشک برا فروختہ ہوگا۔ پس خدا  
 نے ہمارے ڈھانچے کو بُرے طور پر نہیں بنایا۔ نیکی کے مناسب اور بڑی  
 سے منف بنایا ہے۔ لیکن ہم آپ اپنی فطرت کو بُری صحبت بُری دوست  
 اور بُری تعظیم سے خراب کر لیتے ہیں جس کی وجہ سے جہنم کا ایندھن بنتے  
 ہیں۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو فطرتِ اسلامی پر قائم اور اس نورِ ہدایت  
 پر چلتے ہیں۔ انسان اگر مفلس اور غریب ہو جائے۔ اور فائدہ تک کی  
 نوبت پہنچ جاوے اگر نورِ ہدایت سے راضی نہ ہو تو اس کو کچھ پرواہ نہیں  
 وہ اس پلو شاہ سے جو سکر خوش ہے جو دنیا پر نکران ہے مگر نورِ ہدایت  
 کے اشارہ پر نہیں چلتا ہے خوشی اور راحت بیرونی چیزوں میں  
 نہیں۔ بیرونی چیزیں اس کا معیار ہو سکتی ہیں۔ تندرستی اور حقیقی  
 خوشی دل کی خوشی ہے جو نورِ ہدایت پر چلنے سے حاصل ہوتی ہے۔  
 جس کو یہ نہیں اس کو کچھ نہیں ومن لم یجْعَلِ اللہ نوراً فما  
 من نور۔ نورِ ہدایت کے برخلاف چلنے والے گنہگار اور بدکار  
 اس جہان میں ہرگز خوش نہیں ہوتے۔ بلکہ ان کو خواب میں بھی  
 خوشی نہیں ہوتی۔ چور اور ڈاکو خواب میں بھی یہی دیکھتے ہیں کہ پولیس  
 ان کو گرفتار کئے حوالات میں لیجا رہی ہے ایک عام غلط خیال پھیلا  
 ہوا ہے کہ دغا باز۔ جھوٹے۔ فریبی۔ پالیسی باز اس زمانہ میں خوش  
 ہیں۔ اور وہ لوگ جو نیکیوں پر غافل اور نورِ ہدایت کے تابع ہیں ان  
 کی زندگی بے لطف نکلتی ہے۔ لوگوں نے بدکاریوں کا نام زندہ دلی  
 رکھا ہے۔ اور یہ اخوان الشیاطین نیک آدمیوں کو افسوسہ دل کہتے  
 ہیں۔ لیکن اگر انسان ذرا بھی مغور کرے۔ تو اُسے معلوم ہو جائے  
 کہ محض شیطان دھوکا ہے۔ سچی خوشی نورِ ہدایت کی اطاعت  
 اور اسطاعت پر چلنے میں ہے۔



## انسان کا نور ہدایت تربیت پذیر ہے

اس میں کچھ شک نہیں کہ نور ہدایت ہر ایک انسان کے قلب میں موجود ہے۔ اور یہ قوت تمیزہ ایک عالمگیر قوت ہے۔ ایک فرد بشر بھی اس سے محروم نہیں۔ لیکن یہ قوت تعلیم پذیر بھی ہے۔ ایک بُت پرست جو بچپن میں کسی بُت کی بڑائیوں سُت آیا ہے۔ اور جس نے دل میں بُت کی بڑی عظمت قائم ہو گئی ہے۔ اُن کی دلی حالت اس بُت کے توڑنے کا قصد کرے تو اس کا نور ہدایت بے شک اس کو منحرف کرے گا۔ اور ایک مسلمان جو عین سے بُت توڑنے کا ثواب سُتا آیا ہے نہایت خوشی سے بُت شکنی کے لئے مستعد ہو جائے گا اور اس کا نور ہدایت اس کام پر شاہانِ دے گا۔ ایسی حالت میں کس نور ہدایت کو سچا اور کس نور کو بھوٹا سمجھا جائے۔

ان مثالوں سے ظاہر ہے کہ یہ نور تربیت پذیر ہے۔ اس قوت کی تعلیم دینے والے انبیاء و رسل ہیں۔ جن کو خدا نے اس جہان میں وقتاً فوقتاً اس غرض کے لئے پیدا کیا۔ کہ نفع و جہالت کی تباہی کو دور کر کے اس قوت کو ایسی راہ پر لائیں کہ وہ صراطِ مستقیم پر چلنے کی ہدایت کر سکے۔ ان رسولوں کی تعلیم اس جہان میں پھیل گئی ہے اور اسی وجہ سے ہر ملک کے رشتہ داروں کے قریباً بہت سی برائیوں کو بُرائی اور بھلائیوں کو بھلائی جانتے ہیں۔ انہیں خدا کے بندوں کی پرہیزگاری۔ زنا کاری۔ قتل۔ خیانت وغیرہ کو قریباً سب سے جہالت کے لوگ گناہ سمجھتے ہیں۔ اُن ان جزیروں میں جہاں رسولانِ حق کی نصیحتیں نہیں پھیلیں لوگ اب تک جہالت و ضلالت کے دریا میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ یہ حوالے کے بیان سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ اس نور ہدایت کے رہنے والوں کے اخلاقی جیسے و خبیات ہر سوسل پر مشتمل تھے۔ دیکھو اب بھی کونسی تبدیلی اس میں نہیں ہوئی۔ مگر یہ نور ہدایت بلا حد رسولوں کے انسان کی

اصلاح کے لئے کافی ہوتا تو یہ جنگی بھی نہایت مہذب اور با اخلاق انسان بن جاتے اور بجائے خونریزی اور چوری اور جھوٹ پوجنے کے نیک کاموں پر کام لیتے اور خدا سے واحد کے پرستار بن جاتے۔

اس زمانہ میں ایک فرقہ ایسا قائم ہوا ہے جو سمجھتا ہے کہ بس یہی نور ہدایت انسان کی تعلیم کے لئے کافی ہے رسولوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس فرقہ نے ایک مذہب بھی قائم کیا ہے اور برائیوں سے بچنے کی کوشش بھی کرتا ہے اور ایک ہی خدا کو پوجتا ہے لیکن سچ پوچھو تو یہ ناشکری قوم بھی انہی خدا کے بندوں کی تعلیم سے فائدہ اٹھ رہی ہے۔ گو غور میں اگر اٹھارہ کتنی ہے۔ اگر اس فرقہ کے لوگ خوب غور کریں اور سوچیں تو انہیں معلوم ہو جائیگا کہ جن برائیوں کو وہ آج برائی سمجھ رہے ہیں وہ کس کی بدولت؟ اس پر غور کریں تو ان کو اپنی ناشکری کی حالت معلوم ہو جائیگی پس یقیناً ہدایت وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی معرفت ارشاد کی فل ان ہدی اللہ ہو الہدی۔

یہ رسول اللہ کے سچے بندے اور پاک تھے۔ دنیا کے لالچ سے بچی اور خدا کے لئے مشکلات کا سامنا کرنے والے انکے ثبات و استقلال کا پادشاہ۔ یہ سب سے جہان کی مخالفت نہیں ڈکھا سکتی تھی۔ وہ ہر بات میں خدا پر ہجو رکھنے والے تھے۔ ان کے حال کی جھلک ایسی پڑتی تھی کہ سچی طبیعت کا آدمی آپ سے آپ فوراً انکی رسالت کی گواہی دے اٹھتا تھا ان لوگوں کی زندگی ہی انکی سچائی کا ثبوت تھی۔

سب سے آخر میں حضرت محمد رسول صلعم خدا کے رسول ہو کر آئے۔ آپ شمس کو اس شہریت کی اہلیت کرنی چاہئے۔ اور اپنے نور ہدایت کو نطرت اسلام کا تابع کرنا چاہئے۔

جناب رسول کریمؐ نے جن کاموں سے منع فرمایا وہ حقیقت میں اس قابل ہیں۔ کہ ان ان سے بچنے ان کاموں سے گرنے سے اس دنیا میں خسارہ ہے اور آخر میں بھی نقصان ہے۔ مثلاً شراب ہی کو لو۔ انسان صورت شیطانی جب کسی کو شراب خواری میں مبتلا کرنے لگتا ہے تو اس کے سامنے شراب کی تعریف شروع کر دیتے ہیں کہتے ہیں کہ شراب

میں وہ غوثی اور سہرور کے مقابل بادشاہت پہنچ جے خورا  
 لی کر دیکھو جو اس بکاوے میں آگیا۔ اور چمک لی۔ منہ سے لگائے  
 ہی ابودی اور ہمزہ معلوم ہونے لگی اپنے منہ القرن شیطان سے  
 پوچھتا ہے۔ میں یہ تو بد عہد ہے۔ شیطان کہتا ہے۔ عجیب آدمی  
 ہو۔ شروع شہوت میں سب کو کڑی معلوم ہوتی ہے۔ چند روز استعمال  
 کرو تو مزہ معلوم ہو۔ جب دو چار گلاس چڑھائے۔ دماغ میں چکر لگا  
 میں فخر۔ لگے ہوا اس کرنے۔ اُرنیادہ پنی لی۔ تو تے میں لت پت۔ صبح بڑی  
 تھارے بد حال میں۔ سہ گھوم رہا ہے۔ عجیب بے عینی ہے۔ اس وقت  
 شیطان بھی آکر موجود ہوا۔ مبارک سلام کے بعد کہتا ہے اچھا آپ بھی عجیب  
 آدمی ہیں بس اتنے ہی میں بس ہو گئے دو چار پیارے ابھی پی پیجئے کیسے حلق  
 ہو جاتے ہیں۔ غرض اس طرح شیطان ہکا، ہوا اس حالت تک پہنچا کہ  
 جب صحت خست ہو جاتی ہے۔ عزت وداع ہوتی ہے دنیا و آخرت  
 بہود ہو جاتی ہے اور خسر الدینہ و لاخرہ کا مصداق بن جاتا ہے اس  
 وقت نوری ہدایت کی کچھ شیں نہیں چلتی۔

یہی حال تمام اداہ و نواہی کا ہے جو آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا  
 قرآن جائے حضرت رسول کریمؐ کے جسکی برکت سے یہ نہر ہلال ہماری قوم  
 سے بت کچھ دور ہے۔ خدا سب مسلمانوں کو مخالفت نبویؐ سے بچائے آمین

## انسان اپنے کھوئے ہوئے نور ہدایت

### کو کس طرح پا سکتا ہے؟

یہ مسئلہ جو نور قلب کی ہدایت کے برعکس کرنے سے حالت طفل کی مشرت  
 و کھو چھتا اور فطرت اسلامی کی خوبیوں سے برکنار ہو گیا ہے جو عصیان و  
 بغض کے دور و دور تک میں بھٹک گیا ہے شیطان کے ذریعہ سے  
 اور افراتیت سے مکرر مہانات کے حقیض طفل مسافین کو پہنچ گیا ہے۔

اس کلمہ کے پھر پانے اور کھولتی ہوئی دولت کو کمر مائل کرنے کی جگہ  
مٹے ایک ہی ترکیب ہے جو لطرت اللہ کے سوانح اسلام نے بیان فرمایا  
وہ کیا ہے۔ یہی توبہ۔ امانت اور استغفار۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں  
فرماتا ہے۔ توبوا الی اللہ جمیعاً بہد للظنوں لعلکم تطفون سے مومنو!  
تم سب کے سب اللہ ہی کی طرف توبہ کرو۔ تاکہ تم فلاح حاصل کرو۔

پس توبہ کیا ہے خدا سے پکا عہد و پیمان کرنا کہ اب پھر میری راہ پر نہ چڑھا  
اور نذر ہدایت کے غلاف نہ کروں گا۔ خدا تعالیٰ بڑا ظہور الرحیم اور تو بہل  
کرنے والا ہے اور اسکی رحمت عظیم ہے یہی توبہ پر جھٹ مانتی ہے  
در گذشتہ اور سب کھڑی ہوئی نعمتیں اپنے بعد دیگرے عطا فرماتا ہے بلکہ  
موتے انسان کے لئے سوائے رونے اور چلانے کے اور کوئی نہیں جس  
جس طرح پانی سے بدن ہا سیل دور ہوتا ہے۔ اسی طرح پانی ہی سے  
روح کی کثافت بھی دور ہوتی ہے۔ اب طہود کا چشمہ یہی دونوں اکھیر  
میں۔ جب تک انسان اپنے گناہوں سے سخت نادم و کرنا سے  
مغفرت کیلئے دعا مانگے گا گنہیں سے آزاد نہ ہوگا۔

لیکن وہ کیا ہے کہ چند دلی فقرات جو بے سوچے سمجھے منہ سے کہے  
دئے جائیں۔ نہیں دعا دل کی آواز سے جو دعا دل سے نہیں ہوتی خدا  
تک نہیں پہنچتی صرف لفظوں سے ہم نہ کو نجات نہیں دیتے۔ وہ پہلا  
دلوں کا دیکھنے والا ہے جب ہمارے دلوں میں کچھ مذمت اور انوس  
نہیں تب تک صرف لفظوں کے جتن سے کچھ نہیں ہوتا اصل  
دعا جسکی شان حدیث میں ہے لیسنا مع اللہ یعنی دعا عبادت کم  
مغز اور خلاصہ ہے ایک روحانی تضرع ہے جب انسان پورا انوم  
جو کہ اپنی روحانی آنکھ کو خدا کی طرف مدد کے لئے پھرتا ہے اسی دعا  
دعا ہے۔ جب انسان خدا کی مدد کیلئے رجوع ہو گیا۔ تو کہو  
اُس نے زبان سے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ لیکن اس نے دعا کی  
اللہ تعالیٰ کا جو وعدہ ہے۔ کہ ادعویٰ استجب لکہ دعا مانگو تم کو  
کرینگے وہ اسی ہی دعا کیلئے فرمایا ہے زبانی بک بک صرف لفظ ہے  
وہ بیان ہے۔ دعا نہیں۔ زبانی دعا جب تک دل سے نہ ہو۔ محض

بے سود ہے۔  
 سچی توبہ کیا ہے آئندہ کیلئے قصد معصم کرنا کہ میں یہ گناہ پھر نہ کروں گا  
 ورنہ جو شخص مُنہ سے توبہ کرتا جائے اور برابر گناہ پر اصرار کئے رہے  
 اس کی توبہ کچھ اعتبار نہیں۔

حدیث میں ہے کہ المستغفر من الذنب وهو مقیم علیہ کلّما  
 یزید لہ سے توبہ در استغفار کرنے والا جب اپنے گناہ پر قائم رہے اور  
 چھڑتے نہیں۔ ایسے میں عیب معاذ اللہ اپنے رب کے ساتھ  
 ہنی کرتا ہے۔ اور ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ (ارحموا وانفسا اغفر)  
 لکم ویل لاقام القول دمل لکم من لذلک فصرور علی ما فعلوا وہم  
 یعلمون۔ تم رحم کرو۔ تم پر رحم کی جائیگا۔ تم لوگوں کے گناہ بخوشی تمہارا  
 گناہ معاف کئے جائیں گے۔ اس شخص پر افسوس جو قول و فعل کا  
 سچا نہیں۔ اچھی بات کتاب ہے پر خود اس پر عمل نہیں گناہ پر اصرار  
 کرنے والے لوگوں پر افسوس جو بد اعمالیوں پر عدا اصرار کرتے ہیں۔

پس انسان کو وہ توبہ کرنی چاہئے جس کے شان میں یہ حدیث ہو  
 کہ التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ یعنی توبہ کرنے والا گناہوں سے  
 ایسا پاک صاف ہو جاتا ہے جس نے کوئی گناہ کیا ہی نہ ہو۔

نیات صحبت بھی برائیوں سے بچنے اور کھوشی ہوئی فطری حالت کے  
 حاصل کرنے کیلئے آئینہ ہے۔ توبہ کرنے والے انسان پر لازم ہے طبیعت  
 پر چڑھ کر کے بھی نیکیوں کی صحبت اختیار کرے اور بُروں کی صحبت سے  
 بچے۔ بُرے سے بھاگ ہی بُری جو افزوی ہے۔ بُری صحبت سے  
 اس طرح بھاگنا چاہئے جطرح انسان زہریلے اور درد سے جانوروں سے  
 بھاگتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی بڑھکر زہریلے جانور کے زہر سے انسان  
 ہر حرب جسم مر رہے مگر بدکاروں کی صحبت سے ہمیشہ کیلئے روح تباہی  
 میں مبتلا ہوا جاتی ہے۔

انسان کا برسوں جیانا میں قید رہنا اس سے بدرجہا بہتر ہے اگر کسی  
 بُرے آدمی کی صحبت اختیار کرے۔

خدا کی کتاب اور اخلاق کی کتابوں کا مطالعہ بھی کھوئے ہوئے نو

فطری کے حاصل کرنے کے لئے کبریت ملہا ہے۔ قرآن شریف کے باب و تدبیر و تفکر کے ساتھ مطالعہ کرنا۔ موت کو ہر وقت زیر نظر رکھنا انجام کو یاد کرنا خدا کو حاضر و ناظر مانتا۔ قرآن شریف کی آیات کو پڑھ پڑھ کر دہنا اور ان پر غور کرنا وغیرہ افعال بھی نہایت ہی مفید ہیں۔ اب ہم مسئلہ تقدیر کے متعلق کسی قدر بحث کرتے ہیں اور اس کے بعد گناہ شیطان تناسخ اور روح وغیرہ کے متعلق بہ تفصیل بیان کریں گے۔

## انسان اور اس کی تقدیر

تقدیر کے کیا معنی ہیں؟

تقدیر کے معنی ہیں اندازہ کرنا چننا۔ ہر ایک امر کو ایک اندازہ خاص اور حسن انتظام کے ساتھ ظہور پذیر کرنا خاص خاص شے کو خاص خاص فطرت و خاصیتیں اور صفات عطا فرمانا۔ اسی کے موافق ان سے کام لینا۔ اللہ تعالیٰ نے جو دنیا کو اپنی قدرت کاملہ و ارادہ سے حسن نظام اور حسن ترتیب کے ساتھ پیدا کیا ہے اور ہر ایک امر کے لئے خاص خاص قانون مقرر فرمایا ہے جس کے موافق دنیا کا کارخانہ ایک عمدہ انتظام کے ساتھ چلا جاتا ہے۔ یہی تقدیر ہے۔

تقدیر کا لفظ ایک طرح پر سنت الہی و قانون قدرت کے مرادف ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ہر امر اور شے کے لئے جو آئین و قانون مقرر فرمایا ہے۔ اس کے موافق وہ امر عمدہ انتظام کے ساتھ چلا جاتا ہے اور اس میں اول و بال کو راہ نہیں۔ فلان نجد لست اللہ تعالیٰ۔ و ان نجد لست اللہ تعالیٰ۔ ہر ایک شے کو اللہ تعالیٰ نے جس فطرت پر پیدا کیا ہے۔ اور جس کے

لئے اللہ تعالیٰ نے سورہ بس میں فرمایا ہے۔ والنفس لجری مستقر لها ذالک تقدیر العزیز العلیم اور سورج اپنی مقررہ مدار پر چلا جاتا ہے زبرست علم والہ کا یہ نہ دیر ہو ایسی شے ایسا قانون قدرت ہے اور سورہ طلاق میں فرمایا ہے۔ قد جعل اللہ لکل شے تقدیر۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک شے کیلئے ایک اندازہ اور آئین مقرر کر دیا ہے۔

موافق اس سے کا لیا۔ وہی اسکی تقدیر ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ خلق کل شے بقدر تقدیر۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک شے کو پیدا کیا۔ پھر اس کے لئے ایک خاص تقدیر مبنی قانون قدرت مقرر کیا۔ جس سے وہ شے تجاوز نہیں کر سکتی۔ انا کل شے خلقنا بقدر۔ جسے ہر ایک چیز کو ایک خاص اندازہ اور آئینہ پر مقرر کیا ہے۔ جس میں تبدیل و متغیر کو راہ نہیں۔ مبع اسہ ربك لاھل الذی خلق فسوی والذی قدر فھدی۔

استہ بنی اپنے اس خالیشان رب کی تقدیر بیان کر۔ جسکی ربوبیت کا یہ سارا جہان نقشہ ہے۔ وہ خدا کہ جس نے ہر ایک شے کو پیدا کیا۔ پھر اسکو ٹھیک ٹھاک اور موزون بنایا۔ اور وہ خدا جس نے ہر ایک شے کے لئے ایک قانون اور آئینہ بنایا۔ پھر اُسی کے موافق اُسے راہ دکھائی۔ اسکی خطرات کے موافق اُس سے کام لیا۔ مولوی روم کا یہ شعر گویا اسی آیت کا ترجمہ ہے۔

سہ ہر یکے را بہر کار سے ساختند۔ میل آن اندر دوش انداختند۔

پس قرآن شریف کے دوسے جو تقدیر ثابت ہوتی ہے وہ یہی ہے۔ کہ ہر ایک امر کیلئے اللہ تعالیٰ کا ایک قانون مقرر کرنا اور پھر اس کے موافق اسکو چلانا۔ جسکو دوسرے لفظوں میں قضا کہتے ہیں گویا اللہ تعالیٰ کا کسی شے کی نسبت یا مجموعہ عالم کی نسبت ایک حکمانہ قانون مقرر کرنا تقدیر ہے۔ اور اس کے موافق دنیا کا انتظام کرنا قضا ہے۔

تقدیر کو جو لوگ جبر کے اُمراد سمجھتے ہیں۔ وہ سخت غلطی کرتے ہیں۔ مسلمان لوگ اس بات سے قطعی منکر ہیں کہ خدا تعالیٰ ہدایت یا ضلالت دینے کیلئے کسی کو مجبور کرتا ہے۔ وہ تقدیر کا مفہوم اس سے زیادہ نہیں ہے کہ کوئی ذات اپنے ارادہ خاص کے ساتھ جہنم اور تول کر ایک کام کرے۔ جس میں بے سلیقی اور بے شعوری نہ پائی جائے۔ بلکہ ایک احسن نظام اور عمدہ انتظام کے ساتھ وہ کام کیا جائے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ کسی قادر اور حکیم نے اپنے ارادہ کاملہ کے ساتھ وہ کام بطور پختہ فرمایا ہے۔ مسلمان لوگ جو تقدیر کے قائل ہیں۔ انہی معنوں کی تقدیر کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ ان کا یہ اعتقاد ہے۔ کہ یہ ساری دنیا۔ ساری مخلوقات اللہ تعالیٰ نے جہنم اور تول کر پیدائش کے سانچے میں ڈھالی ہے۔

ہر ایک چیز کو اسکی پیدائش اور ضرورت کے موافق طبیعت اور فطرت عطا فرمائی  
 ہے خاص خاص صفات و خواص لائی گئے ہیں۔ جسکی وجہ سے وہ چیز اپنے  
 دائرہ فطرت سے باہر نہیں جاسکتی۔ ہر ایک چیز کو خاص خاص فطرت عطا  
 کی۔ پھر اس تقاضا سے فطرت کے حصول کیلئے اسے راہ دکھائی۔ بقصد  
 فطرت کو حاصل کرینکا طریقہ لگا کیا۔ جس سے وہ آپ سے آپ اس امر کے  
 حاصل کرینگے لئے دوزی چاچکی ہے۔ جو اسکی فطرت و ولایت اور طبیعت  
 میں مرکوز ہے انسان اپنی بستی طبیعت و خواص کے موافق تقاضائیں  
 فطرت کے پورا کرنے کے رہے ہو جاتا ہے۔ حیوانات - چرند - پرند - وند  
 و غیرہ اپنی فطرت کے مقتضائے کے موافق دنیا میں بہہ کرتے ہیں۔ غرضکہ  
 وہ تقدیر جسکے مسلمان قابل ہیں۔ اس سے زیادہ نہیں کر ایک لحاظ مطلق  
 اور حکیم برحق نے اپنی قدیم قدرت و ارادہ علیم سے تمام کائنات کا سلسلہ  
 ایک حکیمانہ نظام سے مرتب کیا ہے۔ کائنات کی ہر ایک چیز کو  
 اپنی حکمت و مصلحت کے موافق خاص خاص مقتضیات لائی گئے  
 ہیں۔ اسکی فطرت میں خاص خواص رکھے ہیں جسکے موافق دنیا میں  
 افعال و اعمال ظہور میں لارہا ہے۔  
 مسلمانوں کے خیال کے موافق جو شخص تقدیر کا قابل نہیں وہ گویا  
 خدا کے ارادہ حکمت اور قدرت کا بھی قابل نہیں۔ جس نے اپنی فطرت  
 حکمت و ارادہ سے دنیا کا نظام قائم کیا ہے۔ ہر ایک چیز کی فطرت  
 میں خاص خاص مقتضیات و کیفیات رکھے۔ جس سے اس دنیا کا سارا  
 سلسلہ بلیغ نظام و احسن ترتیب و اعلیٰ انتظام کے ساتھ قائم ہے۔ کسی  
 میں نقص او عیب کو راہ نہیں۔ صافی فی خلق الرحمن من تفاوت  
 فذجع البہم ہر کسی میں فطرت۔ اگر دنیا کا انتظام بے منتظم اور پریشان  
 نہیں اور نہ ہی کرب و غم ہوتا ہے۔ بلکہ ایک حکیمانہ خوب اور بلیغ نظام  
 پر عمل ہوتا ہے۔ جسکو دیکھ کر ہر ایک شخص ایک اٹھتا ہے۔ کہ ضروریہ  
 انتظام ہی یہ طریقہ ہے۔ چنی ہوئی ہو یا خواہش سے ایک وہ اس انداز  
 کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔ غرض کیا ہے۔ جس میں کوئی نہ۔ ہی فطرت  
 سے باہر نہیں جاسکتی۔ بلکہ یہی فطرت کو حاصل ہے۔ تو یہاں تک



ہونے میں کیا تامل ہے۔ اور اسکی تقدیر میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ صبح ہی سے۔ کہ اصل دنیا کے اس احسن انتظام و اعلیٰ نظریہ کو دیکھ کر ہر ایک مختصر کو انصافِ عظیم کے آراؤں۔ تہذیب اور تقدیر کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ اور ہر ایک شخص قایل ہے کہ مسلمانوں کے حق تعالیٰ سے یہاں تک سلوک موردِ اعتراض ٹھہرایا جاتا ہے۔

## انسانی تقدیر سے کیا مراد ہے

انسانی تقدیر سے وہ قوانین مراد ہیں۔ جو قدرتِ الہیہ نے انسان کے جسم و روح کے متعلق وضع کر رکھے ہیں۔ انہیں کبھی اور کسی حال میں فوق نہیں آ سکتے۔ انسان کے جسم کی بناوٹ۔ اسکی فطرت کے متعلق اسکی جی و ہستی اور قوائے انصاف کے متعلق جو قوانین اللہ تعالیٰ نے مقرر کر رکھے ہیں۔ وہ سب تقدیرِ انسانی ہیں۔

انسان کا فطری پیدا ہونا۔ فطرت میں جیسی جسمانی۔ روحانی۔ مذہبی اور انسانی کیفیت کا مادہ موجود ہو۔ فیک اسی طرح جسم و روح کو پیدا کر دینا۔ اسے جسم و روح اور مادیات اور اخلاق کے متعلق ایسے جو قوانین قدرت تعالیٰ نے اس کے موافق بلا تلبیہ و تہذیل ہمیشہ نتائج کا ظہور ہونا۔ اور ہر اعمالِ مکتسبہ فی الدنیا کے مناسب نثارِ آخرت میں جزا و سزا انسانی تقدیر ہے۔

## کیا خدا تعالیٰ کی تقدیر بدل بھی سکتی ہے؟

ہرگز نہیں بدل سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے ہر شے اور ہر بات کہنے سے جو قوانین مقرر کر دیے ہیں وہ ہمیشہ اسی صورت میں بدل نہیں سکتے۔ ہر شے کے جو قوانین متعلق اسکی انسانی کے متعلق جس جس طرح کی تقدیر قانون قدرت تعالیٰ نے مقرر و حکیم جتنی نے مقرر کی ہے۔ ہرگز بدل نہیں سکتی۔ کلامِ ربانی کے موافق اللہ تعالیٰ کی سنن اور مشاہیر بھی کسی اور صورت میں بدل نہیں سکتے۔ عیساکر خدا تعالیٰ ہے۔ جن بجد لسنف اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے۔ اور کسی کو ہرگز اللہ تعالیٰ کی سنت کو بدلنا ہوا نہ دیکھ سکتا۔ اور کسی کو ہرگز اللہ تعالیٰ کی سنت کو بدلنا ہوا نہ دیکھ سکتا۔

علیہما لا تبدیل خلق لہ ذلک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون - اللہ کی قدرت ہی ہے - جسے لوگوں کو پیدا کیا ہے - خدا کی چیداش (قوانین قدرت الہی) میں رد و بدل نہیں - اللہ -

## پھر یہ کیوں لکھا ہے کہ دعا قضا کو دفع کر دیتی ہے

اس صورت میں اللہ تعالیٰ کا قانون ہرگز نہیں بدلتا بلکہ ایک نیا قانون مقابلہ سے عمل کرتا ہے جس طرح پر یہ ایک قانون قدرت ہے کہ جے سہارا بھڑکی جائے زمین پر گر پڑتی ہے - لیکن اگر کوئی ٹھٹھرتی ہوئی چیز کو راستہ ہی میں ہاتھ پر بیسے تو زمین پر نہیں گرنے پائی - اسی طرح اگر کسی شخص پر خدا تعالیٰ کا فعلی قانون عمل کر رہا ہو یا اس پر کوئی سخت مصیبت او حادثہ واقع ہو جائے - تو اسکا دفعیہ شرائط کے ساتھ دعا کرنے سے پرکھا ہے - مگر یہاں کوئی قانون قدرت نہیں بدلا - بلکہ مقابل سے ایک اور قانون تقدیر الہی کے موافق عمل کیا - اور اسی کو تقدیر معنی کہتے ہیں - دعا اور صدمہ دینے سے دفع ہو سکتی ہے -

اولیاء اللہ انبیاء کی صفات ہیں - جو ایسا پر زور اثر کرتی ہیں - کہ بسا اوقات خدا دنیا کو تہ و بالا کر دیتی ہیں - کچھ کا کچھ بدلتی ہیں - مخالفین الہی کو چلنا چھوڑ دیتے ہیں - موافقین کو منظم اور منصوبہ کر دیتی ہیں - یہ سب قانون الہی کے مقابل دوسرے قانون کا عمل کرنا ہے - جو یہ بھی تقدیرات الہی میں داخل ہیں اس میں کسی صورت سے کوئی قانون نہیں بدلا - اللہ تعالیٰ جو قوانین شریف میں فرماتا ہے - یحو اللہ ملائمتا و سب و عندا امر الکتاب - اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے - محو کر دیتا ہے اور جو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اور علوم حق کی کتاب ایسی تقدیرات الہی کی کتاب الہی کے پاس ہے - اس کا مطلب بھی یہی ہے الدعاء برد العصا - یا نبیہ سچا متدل ہے - درویشان بڑا پر زور اور ہیبت ناک اثر ہے -

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے - سل اجبن کذب محمد مندع - منہ دہ

عندہ اس کتاب - - ایک وعدہ کے لئے ایک کتاب (قانون مقدرہ) ہے۔ جو ہمیں خدا جس کو چاہتا ہے - منسوخ کر دیتا ہے - اور جسکو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے - اور اسی کے پس صلی کتاب یعنی لوح محفوظ ہے جس پر سب کچھ منسوخ و مندرج ہے -

اس کی تفسیر میں شاہ عبدہ القدور صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں - دنیا میں ہر چیز اسباب سے ہے - جیسے اسباب خاتم ہیں - جیسے پیچھے ہیں - اسباب کی تاثیر کا اندازہ ہے - جب اللہ تعالیٰ چاہے اسکی تاثیر اندازہ سے کم یا زیادہ کرے - جب چاہے ویسی رکھے - آدمی کبھی کند سے مڑا ہے اور کبھی گول سے پھٹا ہے -

لہذا ایک اندازہ اللہ کے علم میں ہے - وہ ہرگز نہیں بدلتا - اندازے کو تقدیر کہتے ہیں - یہ دو تقدیریں ہیں - ایک بدلتی ہے - (جیسے کوئی مصیبت) ایک نہیں بدلتی (جیسے موت) - جب آیت و مبارک الرسول ان انی امہ الا ماذن اللہ - نازل ہوئی تو کفار نے کہا اسے محمد مجھ کو کچھ اختیار نہیں - اور اللہ تعالیٰ بھی جو کچھ چکا وہی ہوگا - لہذا کچھ نہیں ہو سکتا - اس پر آیت اتری - یعنی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا اختیار ہے - جب چاہے اور جو کچھ چاہے کر دے - اور سب چیز پر قادر ہے - اللہ عظیم اور بڑا اور فعل اور عظیم ہے -

## تقدیر الہی کا منکر کا فر ہے

جو شخص تقدیر ربانی کا منکر ہے اور اس بات کا قابل نہیں کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے سب اللہ تعالیٰ کے مقدرہ قوانین اور مقدرہ آئین - اس کی حیت - ارادہ اور علم و حکمت کے موافق ہو رہا ہے - وہ یا شید کا فر اور صفات الہی کا منکر ہے - اور نہ صرف اسی قدر بلکہ ہر ایک شخص کا فرض ہے کہ وہ اس بات پر سچے دل سے ایمان لائے - کہ ازل سے اب تک جو کچھ اور ہوا کہ سب اللہ تعالیٰ کی تقدیر - مشیت - علم - اور ارادہ سے ہے - اور ہرگز ہرگز تبدیلی و تغیر کو راہ نہیں - لیکن باوجود واقعات کے جبہ کسی سے نہ فرماں کو اختیار ملتا ہے بلکہ سب اختیار غلطہ الہی سے

اس اختیار علیہ الہی سے جب وہ اللہ تعالیٰ کی طرف جھٹکنے کا ارادہ کرے تو اللہ تعالیٰ اسے توفیق ہدایت دیتا اور اسکا لقمہ پکڑ دیتا ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بے پرواہی اختیار کرے۔ خدا تعالیٰ بھی اسکو جبراً ایمان کی طرف نہیں کھینچت۔ غرضکہ ایمان اس بات کا نام ہے کہ تقدیر الہی پر ایمان رہے۔ اور بین الجبر و الاخیار ملت پر اسکا ایمان ہو۔

## انسان کے اعمال کیا تقدیر الہی سے ہیں؟

بے شک اللہ کی تقدیر سے ہیں۔ اسی کے قوانین مقہورہ کے مطابق مخلوق میں آتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ہی یہ قانون مقرر کر رکھا۔ کہ اگر انسان اپنی قوت لکھائی کو فطرت الہی کے تابع کر کے استعمال میں لائے گا تو نیک نیکم پیدا ہوں گے۔ مگر ہمیں الہی کے برخلاف استعمال کریگا تو فطرت پر غور میں آئیں گے۔ میں انسان اختیار علیہ سے جس جس طرح کے اعمال کرتا ہے ویسے فطرت بانگاہ الہی سے حاصل کریتا ہے۔ اس میں خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی جبر نہیں۔

## اعمال انسانی کتنی قسم کے ہیں؟

دو قسم کے۔ ایک نیک (خیر) دوسرے بد (شر) اختیار علیہ الہی اور قوت لکھائی کو خدا تعالیٰ کے قوانین مقہورہ (قولی اور فعلی شریعت) کے مطابق استعمال کرنا خیر ہے اور انہیں کو (روحانی یا جہانی) شریعت کے برخلاف استعمال کرنا شر ہے۔

## گناہ کیا شے ہے؟

اسی اختیار علیہ الہی اور قوت لکھائی کو خدا تعالیٰ کے قوانین مقہورہ (قولی اور فعلی شریعت) کے برخلاف استعمال کرنا گناہ ہے۔

## گناہ کب سے شروع ہوا؟

جب سے اللہ تعالیٰ نے کسی بستی کو کتاب انعام کی قوت عطا





خدا کسی شخص کو تکلیف نہیں دیتا۔ مگر جتنی سہارے کے۔ وہ ان لیس  
 للانسان الاما صلی۔ انسان کو وہی ملتا ہے جو سعی کرتا ہے پس عمل  
 کرنا اہم ہونے کیلئے ضرور ہے ولذین جاهدوا فینا لنہدینھم سبلن۔ جو  
 سہلھی راہ میں سعی کرتے ہیں ان کو ہم ضرور ہدایت کی راہیں دکھاتے ہیں۔  
 لہما ما کسبت وعلیہما ما الکسبت۔ انسان کو ان کا اجر بلیگا۔ جو ان  
 نیک کام کئے۔ اور اسی پر ان کا وہابی پڑیگا جو اس نے بُرے کام کئے۔  
 فمن عمل صنعا فلنصہ ومن اساء فعلیہ جو اچھا کام کرے گا اپنے  
 لئے۔ اور جو بُرا کرے گا۔ سوائے لئے۔ وہی واحد اللہ الناس سما کسبوا  
 ما ترک علی ظہر۔ یہاں تک کہ۔ اور اگر خدا لوگوں کو ان کے عمل پر  
 جو اپنے اختیار سے کئے ہیں پلڑے تو ایک ہی چنے والا زمین پر نہ چھوڑے  
 فکیف ذا اصابتهم مصیبة بما قد مت ابدی لہم اسوقت ان کا  
 کیا حال ہوگا۔ جب کہ ان کو ان کے اعمال کی وجہ سے جو ان کے  
 ہاتھوں نے کئے ہیں۔ مصیبت پہنچے گی۔

ان اللہ لا یغیر الذلوم حافی وعدوا ما بالصلہم۔ خدا کسی قوم کی حالت نہیں  
 بدلتا۔ جب تک اپنے دلوں کی نیتیں نہ بدل دیں۔ اور بدیت نہ ہو جائے  
 من یعمل متقال ذریعہ خیر۔ وہ من یعمل متقال ذریعہ خیر۔ وہ  
 پس جو شخص ذرہ بھر نیک کریگا۔ وہ بھی اُسکا انجام دیکھ لیگا۔ اور جو شخص ذرہ بھر  
 بُرائی کئے گا۔ وہ بھی انجام بُھکت لیگا۔ من شد فلیوم ومن شاء  
 فسکفر۔ جو چاہے ایمان لائے جو چاہے کفر مان فرماں رہے۔ و ما ظننہم ولکن  
 کافوا انفسہم یظلمون۔ اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا۔ بلکہ انہوں نے خود  
 ہی اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفر لنا ورحمنا  
 لنکونن من الخسرین۔ خدایا ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ پس اگر تو ہم کو  
 نہیں بخشے گا۔ اور رحم نہیں کرے گا۔ تو ہم نقصان اٹھائیں گے۔ وما احصا  
 من سیئة فمن انفسک اور جو کچھ نیکی برائی پہنچتی ہے۔ سو تیرے  
 نفس کی طرف سے۔ واللہ اراکمہ بما کعبوا اور اللہ نے ان کو ان  
 دیا ان کے بموجب اعمال کی وجہ سے۔ فخذنا ہم بما کافوا یکسبون  
 پس ہم نے ان کو دھوکہ پڑا ان کے کئے ہوئے کاموں کی وجہ سے۔ واللہ

مرا وہم جہنم بما كانوا يكسبون۔ ان لوگوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے انکے اعمال مکسوب کی وجہ سے۔ فيما نفضهم ميثاقهم لعنہم۔ پس ان کے عہد توڑنے کی وجہ سے ہم نے ان کو پھٹکار دیا۔ سيصيب الذين لجروا صغار عند الله و عذاب شديد بما كانوا يمكرون۔ عقوبت ان لوگوں نے جنہوں نے جرائم کا ارتکاب کیا۔ خدا کے یہاں سے ذلت اور عذاب شدید پہنچے گا۔ ان کے بیجا حیلہ بنانے کی وجہ سے۔ و يقول ذوقوا عذاب المحرق ذالك بما تقدمت ايديكم و ان الله ليس بظلاما العبيد۔ اور ہم کہیں گے۔ دوزخ میں جلنے کی سزا۔ چکے۔ یہ اس لئے کہ تمہارے مقول نے بُری کر توئیں کیں اور خدا بندوں پر ذرا بھی ظلم کا روا دار نہیں۔ ذالك جزئ ہم کفر و اهل نجاہی الا الکفور۔ یہ بدلا دیا ہم نے اس پر کہ انہوں نے ناشکری کی اور ایسا بدلا ہم اسکو دیتے ہیں جو ناشکر ہو۔ کذالك ننوا ہم بھ کالوا یفسقون۔ اسی طرح ہم نے ان کو ابتلا میں ڈالا۔ اس لئے کہ وہ بے حکم تھے۔ قل ضلوا من قبل و اضلوا کنیدا۔ وہ خود بھی پہلے سے بہک گئے اور بت سی مخلوق کو بھی بہکا دیا۔

اب دیکھئے ان تمام آیات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ انسان اختیار رکھتا ہے اور اپنے اختیار سے بُرے بھلے کام کرتا اور اسی پر جزا سزا کا مستحق ہوتا ہے۔

## کیا انسان کلی خود مختار اور آزاد مطلق ہے؟

کلی خود مختار۔ ہرگز نہیں وہ اپنی مد فطرت سے تجاوز نہیں کر سکتا اس کی مثال بعینہ گھڑی کی طن ہے کہ گھڑی کا بنانے والا جس حد تک اس کا دور متحرک کر دیتا ہے اس حد سے وہ زیادہ چل نہیں سکتی اور آخر کار کام سے مے کر ایک دن وہ توجہ بھی جلتی ہے اور پھینکنے کے قابل بھی ہو جاتی ہے یہی حال انسان کا ہے وہ آزاد مطلق نہیں جو قوائے اسکو دے گئے ہیں ان سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا۔ اور جو عمر طبعی صفا کی گئی ہے اس سے زیادہ جی نہیں سکتا۔ ہیں سب وہ کسب افعال میں خود مختار اور



آزاد ہے اور جس طرح کے افعال و اعمال چاہتے کر سکتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے جبری تہ پر روک نہیں دیا گیا۔ بلکہ اس کے اختیارات بھی تقدیر الہی کی ذیل میں آئے ہیں۔ جب خدا تعالیٰ نے انسانی فطرت اور انسانی قواسم و انداز و یہ تو راستہ ہم تقدیر کیا۔ اس میں یہ مفروضہ ہے کہ خدا تعالیٰ ہر انسان اپنے اعمال و قوتوں سے بہت سکتے ہیں یہ سمت غلطی ہے۔ تقدیر کے خلاف یہ بات طے ہو چکی ہے۔ گو انسان اپنے خدا و اوقات سے مجبور رہنے کے لئے مجبور کیا جاتا ہے۔

## پھر اللہ تعالیٰ نے افعال انسانی کو اپنی طرف کیوں منسوب کیا

صرف وجہ علت العلل۔ مسبب الاسباب۔ مبداء کل ہونے کے چونکہ اللہ تعالیٰ کو دنیا میں توحید خالص چیلانا۔ اور ہر ایک قسم کے شرک کو جو مختلف فرقوں میں پھیل رہا تھا۔ مٹانا منظور نہ تھا۔ اور قرآن شریف کے نزول کے وقت بعض لوگ بارشوں کو ستاروں کی طرف منسوب کرتے تھے۔ بعض دہریوں کی طرح تمام چیزوں کا ہونا اسباب طبعیہ تک محدود رکھتے تھے اور بعض دو خدا سمجھ کر اپنے نامعلوم قضاء و قدر کو ماہر من کی طرف منسوب کرتے تھے۔ اور بدی کا خالق ایک جدا خدا ٹھہرا رکھا تھا۔ بعض لوگ آریوں کی طرح مادہ روح کو خدا کی مخلوق سے علیحدہ اور قدیم سمجھ کر خدا تعالیٰ کا علت العلل ہونا کہتے اور ناقص طے پر خیال کرتے تھے۔ بس ایک کتاب الہی کا جو اس قسم کے مشکانہ خیالات کے وقت، نزول فرمائے فیض تھا کہ ایسے مشکانہ خیالات کی جڑ بنیاد اکھڑے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بلحاظ مبداء کل و علت العلل ہونے کے تمام افعال عباد کو خواہ وہ شریعت الہی کے موافق ہو کر خیر کے مد میں داخل ہوں خواہ احکام الہی سے متجاوز ہو کر شر کے مد میں آجائیں۔ اپنی طرف منسوب کیا۔ اور صاف فرمادیا کہ تمام افعال کا کوئی مبداء خالق نہیں۔ بلکہ درحقیقت وہی خالق جس نے تمکو

بتایا تمہارے جسم و روح کو یہ کہ چونکہ وہ تمہارا خالق ہے لہذا  
 تمہارے تمام اوصاف و اعمال کا ہم ضامن ہے اسلئے کہ صفت اعلیٰ  
 و جہد سے یہ نہیں ہو سکتی۔۔۔ اِنَّہٗ خَاقِکَہٗ وَ مَا تَعْمَلُوْنَ اِنَّہٗ لَہٗ  
 ہُوِی خَالِقُکُمْ اُوْر مُہْدِیْکُمْ اَعْمَالُکُمْ کَا بَعْرِ۔ جس نے تمہارا وجود بنایا۔ وہی  
 کا بھی خالق ہو سکتا ہے تاکہ کوئی غیر یہ نہ غذا فی میں شریک رکھتا ہے۔  
 پس قرآن شریف کے یہ اعضاء۔۔۔ یہی امر ہے سب کچھ پیدا ہوتا ہے  
 توحید محض کے قائم کرنے کے لئے مقرر۔ ایسی آیات سے انسان کی محبوبی  
 کا نتیجہ نکلتا۔ نہ پیر معبود۔ نہ لای زخمی بہ قایلہ ہے۔

پہلے سے یہ کہہ چکے ہیں کہ جو انسان و حیوان کی ہلاکت کا باعث ہیں۔ زمر اور مسکلات جو قاطع حیات انسان ہیں گور اور ہر ایک بہبود والی چیز جو انسان کیلئے سخت ناگوار ہیں یہ سب چیزیں بھی اللہ تعالیٰ نے ہی بنائی ہیں۔ ایسا ہی ایک نئے تیک جائزہ کے لئے ہلاکت کا موجب اور سخت آفت گوار ہے کوئی چیز دوسرے جاندار کے لئے ناختم اور اس کے حق میں شر ہے جب ان سب چیزوں کو اللہ تعالیٰ ہی نے بنایا ہے اور اسی کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ تو اگر اخلاقی افعال کو جو محض اس کے افراط و تفریط سے شر کی ذیل میں داخل ہو گئے ہیں اور دراصل بالواسطہ ان افعال کا خالق اللہ ہی ہے جس نے ان اخلاقی کئے کا سبب انسان کو پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا جائے۔ تو کونسا عمل اعتراض ہے۔

کچھ شبہ نہیں کہ اگر عرب میں اس قسم کے خیالات والے لوگ موجود نہ ہوتے جن کا یہ اعتقاد تھا کہ کائنات الوہیت میں آج جس میں بھی مستقل طور پر دخل رکھتی ہیں تو بھی افعال انسانی اور اسکی ضلالت کو اپنی طرف منسوب نہ کرتا۔ لیکن محض ان کے خیالات مشرکانہ کے استیصال کے لئے بعض اوقات خدا تعالیٰ نے درمیانی واسطہ اٹھا کر اپنے علت اصل کو ہینکا ذکر کیا ہے۔

چھ جب اشغال کے منے کی طرف خیال کیا جائے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں لکھے ہیں۔ یعنی معاند مخی اور ایک فاسق کائنات

کے لئے توفیق دینا چھوڑ دینا۔ تو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا بالکل ہی قابل اعتراض نہیں رہتا۔  
 اس میں کچھ شک نہیں کہ خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا کہہ کر  
 منسوب معلوم ہوتا ہے جس طرح گورنر۔ پرنسپل وغیرہ کو اللہ  
 کی طرف منسوب کرنا اور اسے بوجہ ان کے اعمال و خالق بنانا۔  
 یہ بات قرآن میں البتہ ایسا سا رواہ خشیت توفیق اور ہم جنہوں کی  
 یہ بات نہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ یہ بات تو  
 قرآن میں ادا کرتے اور ان کی تحقیق کی طرف ان کی پوری منسوب نہ رہے  
 وہ ایک شخصیت اللہ سبحانہ کو غور کرتے ہیں۔ ان چیزوں کا بھی  
 حقائق بتاتے ہیں کہ وہ اس قابل خالق نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ  
 قرآن شریف میں صلات وغیرہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا۔  
 تاکہ محسوس کا عقیدہ جو اس میں کوہی کا مستقل ذوق رکھتے تھے۔ رویندہ  
 اور ان کو شکرت سے پہنچے۔

**قرآن شریف سے چند اور مثالیں بیان**  
 کرو جن سے معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے  
 جس طرح انسان کے افعال بالواسطہ کو اپنی  
 طرف منسوب کیا۔ اسی طرح دنیا کے اور امور کو

اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں بیسیوں جگہ افعال بالواسطہ کو (میں)  
 دہیان سے اٹھا کر، ہمارے راست اپنی طرف منسوب کیا ہے جیسے فرمایا ہے  
 "وَاتْلُ مَا أُوحِيَٰ لَكَ مِنْ رَبِّكَ" ہم نے آسمانی کلام سے صاف بانی  
 نازل کیا بلکہ صبح کی حرارت سے سمندر سے تجارت اٹھ کر ہوا کے  
 ذریعہ سے خشکی پر آگے اور سرد ہوا کے گھنے سے برے فاسخج پد من  
 المشرق و دقا انکم ہیں اس سے قسم قسم کے پھل تھیں سے ان کے جو قسم

الحُرک ہیں۔ حالانکہ ان میں بیچ برتا اور سخت محنت کرتا ہے  
 اب تم قسم پھیل پیدا ہوتے ہیں و لکن فی اللہ لعلہ نستبکم ما  
 اخی بطونہ من بین فوت و دم بسا خلاصاً سائفاً لشدائین۔ اور  
 انہیں تمہارے لئے چوہاؤں میں ایک بڑی عبرت ہے ہم تمہیں ان کے  
 پیشوں سے گور اور لو کے درمیان سے فاصلہ دودھ پلانے ہیں جو بچے  
 وانوں کے لئے نہایت خوشگوار ہے۔ حالانکہ ان کے ان کو ٹھاسنے  
 اور بھ طبعی قوتوں کے اثر سے ان میں دودھ پیدا ہوتا ہے و من آبائد  
 پریمہ البتہ خود و طلعہ۔ اور اسی کی نشانات قدرت میں سے ہیں  
 کہ تم میں جلی یہیمہ امید کی خاطر دکھاتا ہے۔ حالانکہ برقی و صاعقہ طبعی  
 اسباب سے پیدا ہوتے ہیں اور پھر فرمایا وجعلناکم شعوباً و قبائل  
 لسانرفوا۔ ہم نے نہایت فائدہ ان اور قبیلہ میں لئے بنائے کہ باہم ایک  
 دوسرے سے متمیز ہو جاؤ۔ حالانکہ یہ قبیلے اور خاندان وغیرہ انسان ہی  
 نے بنائے ہیں اور چہ کسی جگہ کن شریف میں آیا ہے کہ اس نے  
 تمہارے لئے رستے بنائے تاکہ ان میں جلوکشی ہو مایا میں جلتی ہے  
 ہمارا جان ہے۔ حالانکہ وہ رستے انسان ہی کا فضل ہے ایسا ہی  
 قدرت کی تمام اشیاء کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے مگر  
 اس سے یہ نتیجہ نکلاں کہ اسباب طبعیہ۔ مینہ برسنے اور رعد و برق  
 وغیرہ سے پیدا ہونے کے ہیں اس سے اللہ تعالیٰ انکار کرتا ہے  
 باطل باطل۔ یہ کہ نہایت مراتب کی لئے خود بیان کئے گئے ہیں۔  
 کہ یہ تمام چیزیں اسباب طبعیہ سے پیدا ہوتی ہیں یا سب افعال  
 انسان۔ لکن یہ ثابت ہے کہ اسباب طبعیہ جو انسان کے لئے  
 ہوتی ہیں

ہر بات یہ چاہئے کہ وہ اس لئے ہے یہاں سے کہ  
 ہر شے کے لئے اس سے بقی میں لکھنا ہوتا ہے کہ اس میں  
 برقی و دھڑکنے ہیں۔ پھل۔ مٹی۔ پانی۔ ہر شے  
 اجود اور اس بات سے ہی تفسیر میں ہے۔ اس لئے کہ اس سے  
 ہر شے پیدا ہوتی ہے۔ جمع ہوا۔ ان کی حالت۔ اور اس سے

یہ ثابت کرنا منظور نہیں کہ سب انسانان مجبور مطلق سے بندہ ایسے  
ایسے موقوف در محراب زینی عظیم ہیں کرنا اور اس عتدہ اعلیٰ اور  
اسبب اسباب علیہ کرنا اور یہ باب انتم کے لئے کہ جو دنیا میں  
پھیں رہتے ممانہ انتمو سے ۔

پس یہی خاص حق ہیں نے نیل سے اللہ تعالیٰ نے جس سے  
پس دنیا کی دشمنی کو انما کر ہے نسبت جعل ہوئے ہر دنیا  
پس دنیا میں نہ دنیا کے انسان کے اختیار کی پائی مثال میں اور  
نہیں مانی مثال کے انتخاب کو ذکر کیا ہے یہ

**قرآن و حدیث میں جو کئی جگہ آتا ہے کہ**  
**خدا تعالیٰ نے انسان کے اعمال کو لکھ رکھا**  
**ہے اس کے مرنے پر، خدائے رب تعالیٰ کا ہے**  
**کیا یہ جہی تعلیم نہیں سے**

اس امر کو ہی جہ سے کئی فرق نہیں اور ازل سے بدلتا ہو  
اور جو کچھ ہوگا سب اُسے معلوم ہے انسان نے بھی جو کچھ اپنے اختیار  
و عہدہ الہی دے کیا اور جو آئندہ کریگا سب اُسے معلوم ہے اس کے  
علم سے مخفی نہیں ۔ تمام اہل مذاہب کا اس پر اتفاق ہے ۔ پس اگر اللہ  
تعالیٰ نے ایسے علم قدیم سے سب کچھ معدوم کر کے پہلے سے لوح محفوظ پر  
جو اہل کسب کے نزدیک تعینات عالم ثانی لیک مکان قرار دیا گیا ہے اور  
نہ ان کے نزدیک علم الہی کو اس سے استعاذہ کیا ہے ۔ لکھ لکھ  
نہ ان کے کوئی عداوت نہیں اور انہیں جو کچھ خبی اور نکال ہے  
علم الہی کا ہے نہ کہ اس کے عالم الغیب ہونے سے انسان کے  
اعمال نہ بھی کچھ جبر یا حقیق لازم آتا ہے بغرض محفل خدا تعالیٰ کے  
وصف عام نہیں سے اگر مفسر فکر کریں یعنی غور سے دیر کے لئے ملن

پس کہ (معاذ اللہ) خدا تعالیٰ غیب دان نہیں ہے اور اس نے نہان  
 کو خود مختار بنایا ہے جس کی وجہ سے وہ بھلے یا بُرے کام کرتا ہے تو  
 بھی انسان سے وہی افعال سرزد ہوں گے۔ جو اس کے عالم  
 الذییب پہننے کی صورت میں سرزد ہوتے ہیں نہ بخیر اُن کے پس ظاہر  
 ہے کہ اس میں جو کچھ غیبی ہے عالم الذییب کی ہے۔ اس کو انسان کے  
 جہ سے کچھ علاوہ نہیں ہے انسان کو اس نے کوئی سختی کی طرح پیدا کیا  
 ہے اور انہیں کسب افعال کا ارادہ اختیار پیدا کر دیا ہے پھر وہ  
 خود بُرے کئے جیسے نقد تہا ہے اپنے لوح دل پر لکھ لے اُنہی کے موافق  
 وہ اسب دمتہ ہوگا۔ اگر اس اختیار سے انسان جیسے افعال کریگا۔  
 وہ ہی اللہ معلوم ہوں۔ ان افعال پر بہشت یا دوزخ جو کچھ اُسے ملیگا۔  
 اُس کا بھی خدا تعالیٰ کو علم ہے۔ اس تعالیٰ کے علم قدیم کے خلاف ہونا  
 انہیں بد کے قید علم، قدیم قدرت اور قدیم ارادہ سے (جو اس کو  
 انسان کے ذریعہ پیدا کرتے ہوئے بھلے کام کے عوض جزا سزا دینے پر تھا)  
 جو کچھ انسان کی خود اختیار سے ہوتا تھا۔ وہ اس نے مقدور معلوم کر  
 رکھا ہے اس لئے وہ قدرت کے خلاف ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ اگر یہاں  
 نہ ہو تو اس کا علم ذییب اور بد افعال کسوٹ عباد جھوٹا اور خلاف واقعہ  
 نصیرہ چننا، علم الہی، قدرت و خلاف واقعہ نہیں ہو سکتا ہے جو  
 بے افعال کے باوقف میں قابلِ جنت یا قابلِ دوزخ ہیں وہ سب  
 تو معلوم ہیں۔ جو لوگ اس کے قدیم علم میں تمام محبت کے بعد اپنے  
 افعال بد کے بموجب دوزخی ہیں ہرگز انکا بہشتی ہونا ممکن نہیں اور جو اپنے  
 افعال حسنہ کے سبب بہشتی رہیں ان کا دوزخی ہونا محال۔ کیونکہ اگر یہاں جو  
 تو خدا کا علم غیب بہ نسبت نجات ابلی عذاب ابلی انسان جھوٹا میرتا ہے  
 جو شان خداوندی سے لید رہتا ہو نہ اس لئے اپنے علم غیب سے چٹا  
 سے معلوم ہے اور یہی علم یا لطیف و اجبا۔ بالذییب لوح محفوظ پر لکھا یا  
 بقول عوام الناس تقدیر ربوبی ہے۔ لیکن کسی حالت میں اسے جہ سے  
 کوئی علاقہ نہیں علم الغیب کے علم الہی کے مطابق ہونا جبر نہیں ہے  
 سینا حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب فقہ الکبیر فرماتے ہیں



اُس نے پہلے سے ہر ایک آدمی کو آگاہ کر دیا۔ کہ تم فلاں فلاں کام بُرا  
 کرو گے۔ اُس سے بچ کر رہنا۔ یا کیوں نہ اُس نے تمام انسانوں کو  
 جہول بالغیر پیدا کر دیا۔ تاکہ کوئی شخص یہ کام کرنا ہی نہ پاتا۔ تو اُس کے جواب  
 میں یہ گمانش ہے کہ جہول بالغیر ہونے سے نہ تو انسان کی کوئی فضیلت  
 ہوتی نہ وہ قوت اختیار سے کوئی کام کر سکتا۔ نہ وہ دشتوں سے بڑھ  
 سکتا۔ کیونکہ دو طرفہ کام آیت۔ کہہ جذبات اور بچہ انسانی ضمیمہ کا بُرے جذبات  
 کو چھوڑ کر اعلیٰ درجہ کا میدان جیت کر نقوی و طہارات میں گوئے سبق لیجانا  
 ہے یہ انسان کی شرف نہ ل ہے۔ ورنہ محض باطن ہونے کی حالت میں  
 اُس کا کوئی شرف نہ تھا اور جذبات مخالفہ شہرت اور غضب و شیطانی  
 کے وجود میں بھی یہی صلت رکھی گئی ہے۔

اس کے سوا تمام مذاہب پر یہی اعتراض ہو سکتا ہے کہ تمہارے خیال کے  
 مطابق بھی جب اللہ تعالیٰ عالم الغیب تھا۔ تو کیوں نہ وہی کیا۔ تم اہل  
 جواب کیا دے سکتے ہو پس جو تمہارا جواب ہے سو ہی ہمارا جواب ہے  
 اور آریہ کے نیل کے موافق بھی (جو روح کو خدا کی پیدا ہوئی نہیں مانتے)  
 جو لوگ آئندہ، گائے بھینس۔ چھکلی۔ وغیرہ وغیرہ بننے والے ہیں۔ خدا  
 اُن کو کیوں نہیں پہلے سے اطلاع دیدیتا۔ کہ تم نے فلاں فلاں بُرا کام  
 بُرا کام فلاں فلاں وقت کرنا ہے اور جس کے ہونے پر ہی تم نے گائے  
 یا بھینس وغیرہ بنا ہے۔ اس سے بچ کر رہنا۔ وہ بھی ممکن ہے زمین  
 اطلاع دیدیتا۔ تاکہ انسان اس کام سے احتیاط رکھتا۔ یا انسان کو ایک  
 دفعہ پہلے جنم کی سزا دیکر یا قدیم ہی جہول بالغیر پیدا کرتا رہتا۔ تاکہ آئندہ وہ  
 بُرائی کی طرف جھکنے ہی نہ پاتا۔ پس جو کچھ آریہ لوگ جواب دیں وہی اہل  
 اسلام کا جواب ہے۔

مگر یہ اعتراض کیا جانے کہ کہیں نہ اللہ تعالیٰ نے سب لوگوں کو مسدود  
 کے گم پیدائیں اور کیوں نہ خدا مخلوق کو ہندوں۔ عیسائیوں اور  
 آریہوں۔ جہیدہ۔ وغیرہ کے گم پیدائیں۔ تاکہ وہ اسلام کو اپنا آبائی  
 دین سمجھ کر باسانی نہ ہو۔ جو جاتے اور بندہ عیسائی وغیرہ نے کی وجہ  
 سے اسلام سے انہیں تعصب اور عناد نہ ہوتا اور نہ کافر ہے تو اس کا جواب



یہ ہے کہ ایسا اللہ تعالیٰ چاہتا تو کر سکتا تھا۔ لیکن ایسا کرنے میں ایمان بالغیب قائم نہ رہتا اور ظاہری عبادت ظہر پر انسانوں مسلمہ نون کے ہی سے کہ گم میں پیدا ہونے اور دوسروں کی نسل قطع ہو جائے۔ کے باعث سے وہ حکمت الہیہ جو ایمان بالغیب قائم رہنے میں توفیق دیتی تھی کیونکہ ایمان جہی تک ایمان ہے کہ پردہ غیب میں ہو۔ جب انکشاف تمام یا غایت عادت ہونے لگے تو یہ ایمان ایمان نہیں رہتا۔ جس پر اب انوروی منتہی ہو۔ اللہ تعالیٰ فیاض مطلق ہے صاف بیچ پھینکے جائیے ضرور نہ۔ اگے کا یہ ایسا ظلم کہ نہیں صحت۔ کہ گذر جہ بیچ اور نہنا میں ڈالتے ہیں ان کو اچھٹے سے محروم کرتے۔ جہاں کہیں جس طرح کا کوئی شخص بیچ ڈالے گا وہ تعالیٰ ضرور ضرور اگائے گا ان اللہ بس بظلالہ للعبد ۵

اس کے سوا اللہ تعالیٰ نے ہر ایک انسان کو عقل اور سمجھ سے رکھی ہے لا اکراہ فی الدین اسلام کے ماننے میں کوئی جبر و اکراہ ہے ہی نہیں یعنی اسلام ایسا مذہب ہی نہیں نہ اس کے عقیدے اور اصول ہی ایسے ہیں کہ ان میں سے کوئی زبردستی ماننا پڑے قد تبین الومند من البقی ہدایت اور گمراہی صاف کھل چکی۔ کسی شخص کو اگلے ماننے میں عند نہیں ہو سکتا ہر ایک شخص کو مذہب اسلام پر ایمان لانا چاہیے۔ اور جب دیکھ چکے کہ غور اور تفتیش سے جب دوسری قومیں اسلام پر ایمان لاتی ہیں تو انکا خواب اضغاث مضاعفہ کئی گنا بڑھ جاتا ہے تو ہر ایک شخص کو پریشک ہوتا ہے۔ کاش میں بھی کفر سے اسلام لانا۔

معنا یہی اعتراض دوسرے اہل مذاہب عیسائی اور دیگرہ پر بھی آ سکتا ہے کہ کیوں نہیں اللہ تعالیٰ سب لوگوں کو آریہ یا عیسائیوں کے ہی گھر پیدا کرتا۔ تاکہ وہ متواتر طور پر جلد عیسائیت اختیار کر لیں یا جہنم میں آجائیں۔ کس لئے وہ کسی کو مسلمان کسی کو عیسائی وغیرہ کا جہنم دیتا ہے۔ یہ تو ہمیں بر تو اور بھی سخت اعتراض آتا ہے کہ کیا کسی جہنم کی سزا میں آتا ہے۔ تو پھر مسلمانوں کے استیصال کے فکر میں تو کیوں ہو جن لوگوں کو پروردگار نے اس مذہب جہنم میں ڈالا ہے۔ بہر حال ڈالے جائیے اور جو یونہی ظہر پیدا ہوئے جاتے ہیں۔ تو یہ صریح انصاف

خداوندی کے برخلاف ہے کہ بعض کو یہ ذہنی منکرین وید کے قالب میں ڈالے جس سے وہ نجات سے کوسوں دور جا پڑیں۔ اور تناسخ صاف باطل ہو گیا۔ جبکہ بغیر جہم سزائیہ قالب میں جو ڈالے جلتے ہیں۔ اور بعض وید کے ماننے والوں یعنی آریوں کے جنم میں۔

## خدا تعالیٰ کی طرف خیر و شر کے منسوب ہونیکو کسی مثال سے واضح کرو

یہ ایک تیز اندازِ مابہ ہے جس نے جو کہ وہ ذہن کو تیر اندازی سکھا کر اس ہنرمیں کامل اور قادر انداز کر دیا ہے کہ تو نے اُن کا تیر خطا نہیں کرتا۔ اب یہ کہے یہ سب شاگرد تھے تیر دنیا میں پھنس گئے۔ اور جیسی جہادریاں دیکھائیں گے۔ سب اُستاد کی طرف منسوب ہو سکتے ہیں۔ اس لئے کہ اگر اُستاد یہ فن نہ سکھاتا تیر اندازی کی مشق کرتا۔ تو اُن کو تیر اندازی کہاں سے آتی۔ اُن کے ہر ایک تیر پھینکنے کو اُستاد اپنی طرف منسوب کر سکتا ہے۔ لیکن اگر اس کے یہ شاگرد اس تیر اندازی کو بے جا استعمال کرنے لگ جائیں اور بجائے جانوروں کے جائز شکار کے انسانوں کا شکار کرنے لگ جائیں۔ تو نہیں کہہ سکتے کہ شاگرد اس میں بری الذمہ ہیں۔ نہ اُستاد پر کوئی بُرنت ہو سکتی ہے۔ اُستاد اس بے وفائی گئے دالے ہر ایک تیر کو سببِ کھٹن اور مشق کرائے اور محنت بالواسطہ ہونے کے اپنی طرف منسوب تو ایسی حالت میں بھی کر سکتا ہے۔ کیونکہ اگر اُستاد کا وجود نہ ہوتا تو تیر اندازی کا علم انہیں کہاں سے حاصل ہوتا۔ مگر اُن کا ذمہ وار نہیں ہو سکتا۔ نہ سزا جلت سکتا ہے نہ شاگرد ہی سزا سے بچ سکتا ہے۔ خصوصاً جبکہ اُستاد نے باورِ ذہن پر کہہ بھی دیا ہو۔ کہ زہن ہر اس تیر اندازی کو بے جا طور پر استعمال نہ کرے نہ کسی انسان کو ہلاک کرے نہ اللہ ورنہ قصاص میں مارے جاؤ گے۔ جو اس بات کی ٹھیک مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کام کرنے کا اختیار عطا فرمایا کہ صاف صاف بندہ کلام ربانی ہدایت بھی کر دی ہے۔ کہ زہن ہر اس اختیار علیہ الہی اور قوائے مخلوقہ از ذہن کو بے جا طور پر استعمال نہ کرے نہ شیاطینِ اللہ و انجن کے دلوں میں نہانا ہمارے دین ہدایات کو ماننا اور غیر کے دم میں نہ آنا اللہ عہد الیکہ یا بنی آدم ان لا تقبلوا الشیطان

انہ لکھ عدد و مبین وان اعبدونی هذا صراط مستقیم ولقد اضل منکم  
جبل کثیر فلما تکنوا تعقلون دہشت سخت سزا پاؤ گے اور اپنی عاقبت کو بھلا کر لو گے

جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو مجبور نہیں کیا۔ تو

پھر کیوں فرمایا۔ و تمّت کلمۃ ربک لا ملئ

جھنہ من الختہ والناس اجمعین

یہ اللہ تعالیٰ نے سورہ ہود میں فرمایا ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ اُمم سابقہ کی  
لافحاشی اور فتنہ انگیزی شرارتوں اور اونکی ہلاکت کا ذکر فرماتا ہے۔ اور آخر  
میں فرماتا ہے و ما کان ربک لیهلک القری بظلمہ و اھلہا مصلحون۔  
ماد تیرا پروردگار ایسا ظلم نہیں کرے گی کہ تیرے ہلاک کر دے۔ اور وہاں  
کے لوگ نیکو کار ہوں۔ وہاں ہی اللہ تعالیٰ آخر میں فرماتا ہے کہ تمہیں اپنی بدکاریوں  
شرارتوں۔ اور اختلاف فی الدین جی کی وجہ سے اس سزا کے قابل ہوئیں۔ اور  
پھر رب کا فرمودہ دو عید الہی، ان کی نسبت پورا ہوا۔ کہ میں اس قسم  
کے جنات اور بنی آدم سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔ سو یہ گزشتہ امتوں  
کی کرتوتوں پر وعید الہی کے پورا ہونے کا ذکر ہے۔ اور یہ صحت ایک  
حاکمانہ حکم کی طرف اشارہ ہے۔ جس طرح حاکم یا اختیار باغیوں کی نسبت  
حکم دیتے ہیں۔ کہ ہم باغیوں سے جیلخانہ بھر دیں گے۔ ایسا ہی یہاں ارشاد  
الہی ہے۔ اس کو جبر سے کوئی تعلق نہیں۔ البتہ سورہ قص میں فرمودہ شیطان  
کی طرف خطاب ہے کہ لا ملئ جھنہ من الختہ و ممن تبعک منهم  
اجمعین۔ مجھ سے جو جو تیری پیروی کریں گے۔ ان سب سے جہنم کو بھر دوں گا  
و یہ بھی شیطان کو دیکھی ہے۔ کہ میں تجھ سے اور اون لوگوں سے  
جو تیری پیروی کریں گے۔ دوڑنے کو بھر دوں گا۔ اس کو بھی جبر  
کوئی عذر نہ نہیں۔ اور نہ اللہ تعالیٰ کا یہ منشاء پایا جاتا ہے۔ کہ

خواہ مخواہ جبر کے طور پر لوگوں کو جہنم میں ڈالے۔ بلکہ جو لوگ شیطان کی اطاعت اور اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے جہنم کے لائق ٹھہریں انکو جہنم میں گرایا جائیگا۔ سورہ ہود میں جو آدم سابقہ کی نسبت دوزخ کے وعید الہی پورا ہونے کا ذکر ہے۔ اس میں اس دوسری آیت بھی کی طرف اشارہ ہے جو اجماع سابقہ کی ہلاکت سے پیشتر فرمائی گئی۔

اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں فرمایا۔ کہ ہم نے بہت سے جن و انس جہنم کے لئے بنائے ہیں ولقد زرانا کجھنم  
کثیراً من الجن والانس الخ کیا یہ جبری تعلیم  
نہیں؟

قرآن شریف میں یہ لے استعارہ باللہ کے لئے آیا ہے۔ جس کا یہ مطلب ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اصل میں تو انکو جہنم کے لئے پیدا نہیں کیا تھا۔ مگر اپنے اعمال کسو بہ کی وجہ اور خدا داد طاقتوں سے کام نہ لینے کے باعث گویا وہ جہنم کے لئے مخلوق اور دوزخ کا اندھ بن گئے۔ قرآن شریف میں ایسا کلام اور بھی کچھ جگہ پایا ہے۔ جیسے فالتقطہ آل فرعون لیکون لہم عذاباً وحزناً حضرت موسیٰؑ کو فرعون کے لوگوں نے اٹھایا۔ تاکہ ان کے لئے دشمن اور عذاب کا موجب ہو جائے۔ درحقیقت فرعون والوں نے حضرت موسیٰؑ کو اس لئے نہیں اٹھایا تھا۔ کہ ان کے لئے عداوت اور مصیبت کا باعث ہو بلکہ لے بلکہ ایسا فرلے میں تنبیہ اور ہدایت ہے۔ کہ کسی شخص کو مناسب نہیں کہ شیطان کی اطاعت کر کے اس کا ساتھی بنے۔

لے علیٰ ہذا موصوفہ قرآن شریف میں یہ مستلزم باللہ کی جگہ یہ ہے اور ہر زبان میں ایسا بتا ہے۔ جیسے گستاخ میں ہے کہ ہم میں ہمارا بوجہ ہے کہ خداوند ہست اور ایک چپ خانہ خداوند کی نسبت کہتا ہے یہ لاکھوں نے اپنے دلوں کیلئے اجنا تھا۔

نہت اور رحمت کے لئے اٹھایا تھا۔ لیکن نتیجہ یہ ہوا۔ اس لئے استعارہ بالضد  
 کے طور پر ایسا کہہ دیا گیا ہے۔ ایسا ہی اللہ تعالیٰ نے استعارہ بالضد کے  
 طور پر یہ بیان فرمایا ہے۔ مگر ہم نے بہت سے جن دانش کو گویا جہنم کے لئے  
 بنایا ہے۔ کیا سبب کہ انہوں نے اپنی خدا وادواتوں سے کام نہ لیا۔ لہم  
 قلوب لا یفقهون بہا ولہم اذان لا یسمعون بہا ولہم اعین  
 لا یبصرون بہا۔ اولنک کالالغام بل ہم اضل اولنک ہم  
 الغافلون ان کو دل دئے گئے۔ مگر وہ ان سے سمجھتے نہیں۔ ان کو قدرت کی  
 طرف سے کان عطا ہوئے۔ مگر وہ ان سے سنتے نہیں۔ ان کو آنکھیں دی  
 گئیں۔ مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں۔ یہ لوگ جو پاؤں کی طرح زندگی بسر  
 کرنے پر تعلق ہیں۔ بلکہ ان سے بھی گئے گزرے۔ یہ لوگ خدا اور دوزخ اس  
 بالکل ہی غافل ہیں۔

پس وہ اپنے ہی اعمال کسبہ اور خدا وادواتوں سے کام نہ لینے کی وجہ سے  
 جہنم کا موجب ہو گئے ہیں۔ خدا نے ان کو حقیقت جہنم کے لئے نہیں بنایا تھا  
 یہ ان کے اعمال بد اور حالت غفلت کی وجہ سے گویا جہنم ہی کے لئے مخلوق  
 کیا۔ اور ن علت کا حرف استعارہ بالضد کے طور پر مستعمل ہوا ہے۔ جس میں  
 خدا کے جبر کو ذرا بھی دخل نہیں۔ بلکہ درحقیقت بہشت ہی کے لئے پیدا کرنا  
 مقصود الہی تھا۔ پر وہ مخالفانہ کام کر کے گویا دوزخ ہی کے لئے مخلوق ہو گئے۔

خدا تعالیٰ جو قرآن شریف میں کئی جگہ فرماتا ہے  
 کہ وہ جس کو چاہتا ہے راہ دکھاتا ہے۔ جس کو  
 چاہتا ہے ہدایت سے محروم کرتا ہے۔ جس کو  
 چاہتا ہے عذاب کرتا ہے۔ جس پر چاہتا ہے  
 رحم کرتا ہے۔ کیا یہ جبر اور دھکم دھکا

## نہیں ہے؟

بے شک قرآن شریف میں کئی جگہ آیا ہے۔ کہ وہ جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے ہدایت سے محروم رکھتا ہے۔ لیکن ہر ایک کا چاہنا اس کی ذات و صفات کے حسب حال ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ چونکہ عدل محض اور حکیم مطلق نہیں ہے۔ اس کا چاہنا بھی عدل انصاف اور حکمت کے موافق ہوگا۔ نہ بے انصافی اور ظلم پر مبنی۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے ان الله ليس بظلام للعبيد خدا بندوں پر ذرا بھی ظلم کا روادار نہیں۔ اور پھر فرماتا ہے هو الذي يصوركم في الارحام كيف يشاء لا اله الا هو العزيز الحكيم وہی اللہ ہے جو ماؤں کے رحموں میں تمہاری صورت بناتا ہے۔ جس طہت پر چاہتا ہے اس صورت حقیقی کے سوائے کوئی قابل عبادت و عظمت حقیقی کے نہیں ہو سکتا۔

لیکن وہ ماؤں کے رحموں میں صورتیں کس طرح بناتا ہے۔ اس کا جواب آیت کا آخری حصہ دیتا ہے۔ کہ وہ عزیز اور حکیم ہے۔ اس کا چاہنا قدرت اور حکمت پر مبنی ہے۔ جیسا مادہ منویہ انسان اللہ تعالیٰ کو ملتا ہے۔ ویسا انسان کا پتلا اور صورت و شکل بنا دیتا ہے۔ اور جیسا اس نے قانون قدرت و آئین حکمت مقرر کیا ہے۔ ٹھیک ٹھیک اس کے موافق شکل بناتا ہے۔ اپنی آئین سے ہرگز تجاوز نہیں کرتا۔ نہ کسی پر جبر یا ظلم روا رکھتا ہے۔

پھر فرمایا۔ یا ایہا الانسان ما غرت بربك الکریم الذی خالقک فسواک نعلاک فی ای صورۃ ما شاء ربک۔ اے انسان تو اپنے مربی اور کمال بخشش اور رحم والے خدا کے بارہ میں کیوں دھوکا کھا گیا راس کو چھوڑ کر دوسروں کو کیوں مہبود جاننے لگا جس نے تجکو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر تیرے بدن کے حصوں کو ٹھیک ٹھیک کیا۔ پھر حالت و عقد آل پر لایا۔ اور جس صورت شکل میں چاہا (یعنی مقصداً) حکمت سے مناسب جانا) جوڑ جاڑ دیا۔

پس اللہ تعالیٰ کا چاہنا کہ قرآن شریف میں جہاں جہاں مذکور ہے حکمت  
خاصہ پر مبنی ہے۔ اندھا دھند اور حکمت حقہ کے بغیر نہیں۔

ایسا ہی اللہ تعالیٰ نے جہاں جہاں فرمایا ہے کہ جسکو چاہتا ہے راہ پز  
لاتا ہے۔ جسکو چاہتا ہے بے راہ کرتا ہے۔ سب جگہ چاہتا ہے مراد اور  
تفہیم بنائے حکمت سے مناسب جاننا، اور فقرہ بفضل بہ من یشاء و  
یجہد ی من یشاء سے یہی مطلب ہے کہ جسکو اپنے نزدیک مناسب  
سمجھتا ہے ہدایت کرتا ہے۔ اور جس کو مناسب جانتا ہے ہدایت  
سے محروم رکھتا ہے۔

اب اس کے لئے اصول کہ وہ کس کے لئے ہدایت دینا چاہتا یعنی مناسب  
جانتا ہے، اور کس کے لئے نہیں چاہتا مناسب نہیں جانتا ہے، کلام  
ربانی میں یہ ہے کہ والذی جاہلوا فینا لنہدینہم سبیلنا۔  
جو لوگ ہمارے راہ میں سستی کرتے ہیں۔ ہم ضرور ضرور انہیں راہ دکھا  
دیا کرتے ہیں۔ وان اللہ یضیع عمل عا ملامنکم من ذکرا  
وانثی اور خدا تم میں سے کسی کام کرنے والے کا کام ضائع نہیں کرتا۔ مرد  
سواء عورت وہ ہر ایک ہدایت کے طالب کو ضرور ہدایت دیتا ہے۔  
لیس للانسان الا ما سعی۔

اور جو خدا سے ہدایت لینا چاہے اور اُسے چھوڑ دے۔ خدا بھی جبراً  
ہدایت دینا ضرور نہیں سمجھتا۔ بلکہ گمراہی کے طالب کو گمراہ کر دیتا ہے اور  
خدا کا گمراہ کرنا بھی گمراہی میں چھوڑ دینا ہوتا ہے۔ و تو کہم فی  
ظلمت لا یبصر و نادیعدهم فی ظغیا نھم لعمھون  
ان کو اندھیروں میں چھوڑ دیتا ہے۔ دیکھتے نہیں اور ان کو انکی سرکشی  
میں چھوڑ دیتا ہے۔

نورضک اللہ تعالیٰ کی ذات سے یہ بات بعید ہے کہ کیسے جبراً ضلالت  
پر مجبور کرے۔ جب وہ ہدایت پر جبر کسی کو نہیں کرتا۔ تو ضلالت پر جبر  
کرنا اس خیر نفس سے کبھی ممکن نہیں ہو سکتا۔ اُن جیسا جیسا فعل انسان  
کرتا ہے اور جیسی جیسی حالت اپنی بناتا ہے۔ اُس کے موافق اللہ تعالیٰ  
اُس سے پیش آتا اور ویسی جزا دیدیتا ہے۔ وہ آپ سے آپ دور ہوئی والوں

کو جبراً ہدایت نہیں دیتا اور اپنی مرضی سے اُس کی طرف قدم اٹھانے والوں کو ہدایت سے محروم نہیں رکھتا۔ اُس کا کسی کو ہدایت سے محروم رکھنا یا ہدایت کی راہ پر لانا خاص قانونِ حکمت پر مبنی ہے اور قانونِ یہی ہے جو اوہ بیان کیا گیا۔ کہ جو شخص اللہ کی طرف قدم اٹھاتا ہے۔ وہ اُس کا ماتہ پکڑ کر اُسے مقرب بنالیتا ہے۔ اور جو شخص خدا تعالیٰ کی طرف قدم نہیں اٹھاتا۔ نہ اُس کی پرواہ کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ بھی اسکی کچھ پرواہ نہیں کرتا تو لوہا و استخنوا و استغنی اللہ یعنی کفار نے خدا سے منہ پھیرا اور بے پرواہی کی تو اللہ نے بھی اُن کی کچھ پرواہ نہیں کی فلما زانخوا ازانم اللہ قلوبہم واللہ لایہدی القوم الفاسقین۔ جب یہ جو دو لوگ ٹیڑھے ہو گئے۔ تو خدا نے بھی اُن کے فضل کی جزا میں اُن کے دل بکھ کر دئے اور یہ خدا کا قانون ہے کہ جو لوگ اپنے ارادہ و مرضی سے اُس کے حدود کو چوڑ دیں وہ بھی جبراً اُنکو ہدایت کی راہ پر نہیں لایا کرتا۔

## ہدایت الہی ضلال الہی کے کیا معنی ہیں؟

قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یضل بہ کثیراً و یدہدی بہ کثیراً خدا تعالیٰ اس قرآن شریف سے بہتروں کو ہدایت سے محروم رکھتا ہے اور بہتروں کو ہدایت کرتا ہے۔ تمام مخالفین اس آیت پر یہ اعتراض کرتے ہیں۔ کہ خدا تعالیٰ کیا یہ کام نہیں ہے کہ وہ کسی کو گمراہ کرے۔ یا فیضانِ جاہلیت سے محروم رکھے۔ وہ مادی مطلق ہے۔ اسکا کام ہے کہ سب اشخاص کو ہدایت ہی دے۔

فاما الجواب۔ سردارِ حق جو کہ خدا تعالیٰ بیشک مادی مطلق ہے۔ اُس کا کام ہمیشہ ہدایت دینا ہی ہے۔ ہدایت ہی کے سامان اُس نے دنیا میں پیدا کئے۔ انبیاء بھیجے۔ سرسبز مہرِ شمس کے ستارے بھیجے۔ غرض کہ ہدایت کا اُس نے ایسا ساہنہ تیار کر دیا ہے۔ جو کسی شخص کو تپانے کے غرض سے نہیں



رہی۔ سارے عالم میں جس نے حجت پوری کر دی ہے۔ اسلام کا آفتاب  
توحید کا نور سارے جہان میں چمک رہا ہے قد تبیین الرشید ص ۱۸  
اب جو شخص دیدہ و دانستہ اس آفتاب صداقت سے منہ پھیرے یا اپنی آنکھیں  
بند کرے آفتاب کا کوئی قصور نہیں ہے

مگر بندہ بزدل و شہرہ چشم و چشم آفتاب را چہ سنا د

آفتاب اپنی روشنی برابر دیتے جا رہا ہے اور اسکی تیز شعاعیں سارے جہان  
پر پڑ رہی ہیں۔ اور ہم کہہ دناہ کو روشن کرنے کے لئے تمہارے ہیں۔ لیکن جو  
شخص اپنے گھبر کا۔ و زرد بند کرنے۔ یا ان آفتاب کی روشنی کا گھڑ کیسے  
ہو؟ خدا جبرائیل کے کہے اندر۔ روشنی ہال نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے  
جو قیون دہ کر کیا ہے اسی مالون کی ہر پت پر پہنچنے سے نور آفتاب۔  
مستفیض ہو سکتے ہیں۔ خارق عادت خدا تعالیٰ کچھ ہر شخص کے نصیر میں  
نور دھن نہیں کر سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا آفتاب اسلام یا نور فرقان برابر دنیا میں روشن  
ہے۔ لیکن جو شخص اس سے مستفیض ہونا نہ چاہے اور اس کی ہدایتوں کے  
بر خلاف عمل کرے خدا جبرائیل اسے ہدایت کی طرف نہیں لاتا۔ خدا جبرائیل  
چاہے تو ابھی سارے جہان کو مسلمان کر دے۔ دوشنبہ ۱۷ لہذا اگر چہ جہان  
لیکن جب اس نے انسان کو انساں دیدیا ہے تو پھر انسان کے اختیار پر  
ارادہ پر ہی انسان کو ہدایت یا ہدایت نصیب ہو گی۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ  
سے ہدایت لینے چاہے تو اللہ تعالیٰ ہدایت دے دیتا۔ اور اگر ہدایت کی  
قبولیت سے اجازت کرے تو خدا تعالیٰ بھی جبرائیل اسے ہدایت کی راہ پر کھڑا  
نہ کرے گا۔ یہی ہدایت کی راہ ہے جبرائیل کھڑا نہ کرنا۔ اور سرکش انسان کو اسکی  
گمراہی میں پھارے دینا اضلال الہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کی گمراہی نہیں  
چاہتا۔ ہر شخص کی نسبت وہ بھلا ارادہ رکھتا ہے۔ اور یہی چاہتا ہے کہ وہ  
اسلام اور سچائی کی راہ پر قائم ہو جائے۔ فطرت اللہ رتقی فطر الناس  
علیہا لا تبدیل یخلق اللہ ذالک الدین القیم ولکن اکثر الناس  
لا یعلمون ہر شخص کو مناسب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی فطرت (دین الہی) پر  
قائم رہے۔ جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ فطرت اللہ میں تبدیلی

کرنی مناسب نہیں۔

لیکن جو شخص جان بوجھ کر اپنے ارادہ اختیار و ضلالت میں رہنا چاہے۔ خدا  
یعنی جبراً دھکیل کر اُسے اسلام کی طرف نہیں لاتا۔ ان اللہ لایہدی  
القوم الفاسقین یقیناً خدا اپنے ارادہ و اختیار سے بے حکمی کر نیواوں  
کو بکربدایت نہیں دیتا۔

یہی معنی ہیں اضلال الہی کے۔ یعنی خدا تعالیٰ کا سرکش انسان کو  
جبراً ہدایت کی طرف نہ لانا اور اُس کو اپنی اختیار کردہ گمراہی میں  
پڑا رہنے دینا۔

اللہ تعالیٰ بجز اُس شخص کے جو اپنے ارادہ و اختیار سے فسق و  
فجور اور کفر و ضلالت میں پڑا رہنا چاہے۔ کسی کو ہدایت سے  
محروم نہیں رکھتا۔ اور صرف محروم انہیں رکھتا ہے جو اُس کے مقرر کردہ  
قوانین و حدود سے تجاوز کرتے ہیں۔ اور سنن الہی کی مخالفت اختیار  
کر کے اپنے پاؤں آپ کلبھاڑی مارتے ہیں اور آفتاب ہدایت سے  
آنکھیں موٹدیتے اور دیر دل بند کر لیتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اس  
آیت کے آگے ارشاد فرماتا ہے وما یفعل بہ الا الضالین للذین  
ینقضون عہد اللہ من بعد میثاقہ اور خدا تعالیٰ اس کلام  
ربانی کے چشمہ رحمت سے کسی کو محروم نہیں رکھتا۔ بجز اس شخص کے  
جو اپنے ارادہ و اختیار سے حدود الہی سے تجاوز کرے۔ قوانین الہی  
کو توڑے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو اُس نے پکا عہد باندھا۔ اُس  
عہد کا نقص کرے۔ یعنی فطرت سلیمہ کے بخارہ پر نہ چلے۔ اور اُس  
کی فطرت میں جو توحید کا نقش ہے اُس کو دل پر سے دھو ڈالے اور  
سنن الہی اور قوانین خدا کی کسی کچھ پروا نہ کرے اولئک ہم  
الخنسرون یہی لوگ نقصان اٹھائیوائے ہیں جو قوانین الہی کی  
مخالفت سے خسارہ میں پڑے۔

یہ ہیں اضلال الہی کئے معنی۔ اضلال الہی قوانین الہی کی مخالفت کی  
وجہ سے اللہ تعالیٰ کا انسان کو صراطِ مستقیم سے محروم رکھنا ہے۔ بعد  
یہ اُس کی کرتوتوں ہی کی مکافات ہے اور ہدایت الہی نیک اعمال

کی ہدایت ہے جو انسان کو اس کے نیک اعمال کے بدلے میں بہت کمات  
 نصیب ہوتی ہے۔ چنانچہ اسی کے موافق آریہ سافریکیز میں جاندہ ہر  
 نئے سال ماہ دسمبر شکر کے مہینہ میں رگوید کے ایک مہینہ کا ترجمہ  
 لکھا ہے۔

”مے بے عیب انسان اس مقصد کو پورا کرنے کیلئے جو پتھر پت کے  
 قابل اور قبول کرنے کے لائق ثروت ہے۔ اُسے میں یقیناً تیرنے کے  
 بدلہ اعمال دیتا ہوں اور عیب والوں کو اس ثروت سے محروم رکھتا  
 ہوں درگودیکنت ۲۴ منتر ۱“

آریہ سافریکیز میں اس منتر کی شرح میں صفحہ ۱۰ میں لکھا ہے پر مانتا  
 ہو گرجن کرنے کی ضرورت تو جھٹائی ہے۔ لیکن ساتھ ہی اس بات  
 کا بھی گمان ہو گیا کہ اس گرجن کے لئے بڑے بڑے ساحنوں  
 کی ضرورت ہے۔ ان سادھنوں کا کمزور انسان کیسے انوشٹھاٹ  
 کر سکے۔ جس قدر بہاری بوجھ ہو۔ اٹھانیو اسے کو اسی قدر زیادہ مضبوط  
 ہونے کی ضرورت ہے۔ جیسا دریا بہا ہو۔ اس کے اندر جانے کے  
 لئے دیے ہی اوصاف کی ضرورت ہو اگر قوت ہے پریشوس مشدہ  
 سدھوپت وہ پوتر آتا ہے۔ بے عیب ہے۔ کیا اشدہ نا پاک۔ عیبوں  
 سے پڑے ہوئے انسان کے لئے اس کے درپہر میں پہنچنا ممکن ہے۔ لیکن  
 کمزور انسان یکدم سے پاکیزگی کیسے حاصل کر سکے؟ یہ خیال کمزور انسان کو  
 سخت دیا کل کر دیتا ہے۔ لیکن وید پھر اسکی قیادت کرتا ہے۔ وہ ہم پرے  
 شبدوں میں بتلاتا ہے۔ جو انسان عیبوں سے پاک ہونے کے لئے  
 جدوجہد کرتا ہے۔ پریشور خود اس کو پاکیزگی کی طرف پھیرت کرتے  
 ہیں۔ اس کے لئے اعلیٰ شروتوں کے ایسے سامان ہتیا جو جاتے ہیں۔ کہ  
 اس کی طبیعت دھرم کے راستے سے کبھی ڈانڈا ڈول نہیں ہوتی۔ یونہی  
 آریہ سافریکیز منشیہ ادشیہ ملتا ہے۔ پر مانتا نے جملہ جہان کا انتظام ہی  
 کر سکتا ہے۔ پر مانتا پر کر رکھا ہے۔ سائیں تلسی داس جی نے کیا ٹیک کہا۔

دوہا

رم پر دھن دوسرہ آھا + جو جس کرے سوس پھل چاکھا + پس جوں جوں

انسان نیک کام کریگا۔ توں توں اُسے نیکی کا پس ملے ہوئے اُسکی شرفنا  
یکو کیلے بڑھے گی۔ اور وہ زیادہ سے زیادہ نیکی کی طرف چلتا ہوا سفر کار  
پر ماتا کے پاک دربار میں پہنچنے کا ادبکاری بنے گا۔ لیکن جو انسان  
محبوب سے پر ہے اُسکو کبھی بھی وہ ثروت نہ مل سکیگی۔ جو کہ اُسے دھرم  
کے راستہ میں چلنے کے لئے مدد دے سکے۔

پس یہی قوانین شریف کے موافق اضلال الہی و ہدایت الہی  
ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں جدوجہد کر نیوالے کو توفیق ہدایت  
لنا ہدایت الہی ہے۔ دوسروں سے پُر انسان کو اُس ثروت سے محروم  
رکھنا اضلال الہی ہے۔

پس آئیے لوگ جو قرآن شریف کے لفظ اضلال پر اعتراض کرتے ہیں۔ وہ  
وید کے مذکورہ بالا منتر کی طرف بغور نظر ڈالیں۔ کیونکہ ہمارے خیال  
میں قرآن شریف اور وید اس سلسلہ میں بالکل متحد ہیں۔

پھر رگوید اشک ۱۔ ادھیام ۲ ورگ ۱۸ منتر ۲ میں ہے۔ مہی ۱۔ اشیر باد  
دعا، اپنی لوگوں کے لئے ہے۔ جو نیک اعمال اور نیکو خصال ہیں۔ نہ ان کی شے  
جو رعیت پر ظلم و ستم کرنے والے ہیں بلکہ پر کار خالصوں کو کبھی اشیر باد  
نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لئے بھی مہات صلات و  
مخافت ۱۰ میں کی طبیعت ثابہ ہو نیکا نام ہے۔ ورنہ محالفت دینا نہیں  
کی سزا ہوتی ہے جیسا کہ پیٹ دیا نند صاحب جی ستیارتھ پر ملاحظہ ہو۔  
ترجمہ ماسٹر اتارام کے سفر ۱۵ میں فرماتے ہیں۔ بودھوں نے کسدرپ  
ادھیار جہالت کی ترقی کی ہے۔ جس کی نظیر اس کے سوائے دوسری  
کوئی نہیں سکتی۔ یقین تو یہی ہے کہ وید اور ایشور سے مخالفت کرنے کا  
ان کو یہی نتیجہ ملا ہے

یہی مضمون یجروید ادھیالے ۲۵ منتر ۲ میں یوں اور کیا گیا ہے۔ جو  
پریشور علم وغیرہ سطا کہنے والا اور جس کے ظلم حالت و پناہ و عنایت  
سے محروم ہونا ہی موت یعنی متواتر جینے مرنے کے چکر میں نہ نہ  
ہے۔

یہی ساریت کا ترجمہ ہے۔ ان اللہ (یہا) انھوں نے ظالمین۔

اضلال الہی توفیق ہدایت سے محروم رہتا ہے۔ اور کوئی امر توفیق الہی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ ہنڈت ویا ہنڈ صاحب بھومکا صفحہ ۶۷ میں فرماتے ہیں:-  
اس ایشہ کے دھرم کو ماننا ہر انسان پر یکساں فرض ہے۔ اور چونکہ اس کی مدد کے بغیر بچے دھرم کا گیان اور پابندی اور تکمیل نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ہر انسان کو ایشہ سے اس طرح مدد مانگنی چاہئے۔

۱۔ انہی عہد صداقت کے لحاظ میں بچے دھرم پر چلوں گا یعنی اُسکی پابندی کروں گا۔ اے پر میخور مجھے بچے نیک چلن اور دھرم پر عمل کرنے کی طاقت ہو۔ آپ مجھکو ہمت دیجئے۔ کہ میرا یہ بچے دھرم کا عہد آپ کی عنایت سے پورا ہوا۔ عہد یہ ہے کہ میں آج سے بچے دھرم کی پابندی اور جوڑے گھوٹے چلن اور ادھرم دوری اختیار کرتا ہوں۔ (یجودید ۱۱ دھیا منتر ۵)

مذکورہ بالا منتر سے اظہر من الشمس ہے کہ توفیق خداوندی کے بغیر انسان کچھ نہیں کر سکتا۔ اور خدا تعالیٰ سے توفیق حاصل کرنے کے لئے بھی طلب اور ارادت ضرور ہے۔ نہ تقاعد و نکاسل۔ بچی طلب و ارادت و جدوجہد پر توفیق ملتی ہے۔ اور یہی ہدایت الہی ہے اور تقاعد و نکاسل سے توفیق ہدایت چھن جاتی ہے۔ اور یہی اضلال الہی ہے۔ تفکر و ایامولی کا لباب۔

## اللہ تعالیٰ نے انسان کو شر پر مجبور کیا یا خیر؟

اللہ تعالیٰ نے انسان کو نہ خیر پر مجبور کیا ہے نہ شر پر۔ بلکہ کوری تختی کی طرح سلیم نظرت پیدا کیا ہے۔ اور اس میں کسب اخلال کا ارادہ و اختیار پیدا کر دیا ہے۔ پھر وہ بڑے بڑے نقوش جیسے چاہے اپنے لوح دل پر کھینچے۔ اسی کے موافق شباب یا معاتب ہو گا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ سورہ دہر میں فرماتا ہے۔ **مَن تَخَلَّفْنَا لَا إِنْسَان مِّنْ خَلْقِنَا** انا ہدینا الہدیین۔ **مَن تَخَلَّفْنَا لَا مَصِیحا بَصِیرا۔ انا ہدینا الہدیین** انا شاكرًا واما کفورا۔ ہم نے انسان کو (قسم قسم کے) مادوں کے مرکب

نطفہ سے پیدا کیا۔ اور اُس کے بعد ہم اُسکی کئی حالتیں بدلتے رہے (نطفہ سے خلقہ  
خلقہ سے مضغ بنایا۔ پھر بدن پر گوشت پوست پہنایا) پھر ہم نے اس کو دیکھا سُنتا  
بنا دیا۔ پھر ہم نے اُس کو دین کا راستہ دکھا دیا۔ اب وہ خواہ شکر گزار  
مسلمان بن جائے۔ خواہ ناشکر رکا فر اور منکر اور پھر فرمایا الحق من بعدہ  
فمن شاء فليؤمن ومن شاء فليكفر۔ دین پر حق تمہارا ہے،  
رب کی طرف سے آپکا سوچ شخص چاہے ایمان لائے جو شخص چاہے  
کفر کرے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں ایک بالائے ترہتی کا اقرار ضرور  
ودیعت کیا ہے۔ پس اگر خارجی آپس کے مانع نہ ہوں اور محبت بُری  
نہ ہو جائے۔ تو ضرور صاحب تمیز ہونے کے بعد اس کے لوح دل پر توحید  
الہی کے نقش مرتسم ہوں اور خدا کی ربوبیت کا قائل ہو جائے۔ اس  
مضمون کو ہمارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں مذکور فرمایا ہے کل  
مولود یولد علی الفطرة الا اسلام فابواه یهودانہ او  
یحسبانہ او ینصرانہ۔ ہر ایک بچہ انسان کو قبول کرنیوالی فطرت  
پہ پیدا ہوتا ہے۔ پھر اُس کے مانباپ یا اُسے یہودی بناتے ہیں یا  
مجوسی یا نصاریٰ۔ پس اثر صحبت سے کفر و شرک اختیار کر لیتا ہے  
اور اسکی اصلی فطرت اسلام ہی کو قبول کرنے کے لائق تھی۔ قرآن شریف  
میں بھی اللہ تعالیٰ یہی فرماتا ہے فطرت اللہ التي فطر الناس علیہا  
لا تبدل الخلق اللہ ذالک الدین القیم ولكن اکثر الناس  
لا یعلمون فطرت الہیہ وہی فطرت ہے جبہ اللہ نے انسان کو بنایا  
ہوتا ہے (یعنی اسلام کے قبول کرنے کے لائق اور ربوبیت کا اقرار کرنے  
والی) خدا کی پیدائش میں رد و بدل نہیں ہو سکتا یعنی اس نے کسی  
انسان کی فطرت ایسی نہیں بنائی جو خدا کی توحید اور اسلام کو قبول  
کرنے والی نہ ہو) یہ ایک خدا کی طرف جھکا ہی سیدھا دین کا راستہ  
ہے۔ پر اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور کفر اور شرک سے فطرت الہیہ کو بدل  
دیتے ہیں، اور روح میں جو اقرار ربوبیت کا مودع ہے۔ اس کو اللہ  
نے اس لطیف پیرایہ میں ادا فرمایا ہے۔ فاخذ ربک من بنی



خضار یا مجوسی کے پہکانے سے شرک اور کفر کرنے لگ جائے۔ تو اس کا اپنا تصور ہے یہ خدا نے کسی فطرت میں تثلیث یا تثنیہ کے نقش نہیں رکھے۔ بلکہ ہر ایک شخص کے دل میں توحید ہی کے نقش جمے ہوئے ہیں۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنی کتاب فقہ اکبر میں فرماتے ہیں۔ خلق اللہ الخلق سلیمًا من الکفر والایمان اللہ تعالیٰ نے خلقت کو کفر اور ایمان سے خالی پیدا کیا ہے ولم یجیر احدًا من خلقہ علی الکفر ولا علی الایمان اور اپنی مخلوقات میں سے کسی کو وہ کفر و ایمان پر مجبور نہیں کرتا ہے ولا خلقہم مومنًا ولا کافرًا ولكن خلقہم استخفافًا والایمان والکفر فعل العباد خدا نے انسان کو نہ مومن پیدا کیا ہے نہ کافر۔ ہر ان کو شخص شخص پیدا کیا ہے اور ایمان اور کفر بندوں کا فعل ہے وجميع افعال العباد من الحركة والسكون كسبهم علی الحقیقہ واللہ تعالیٰ خلقہم اور سبہ خیال انسانی از قسم حرکت و سکون کے فی الحقیقت انسانوں ہی کے کسب سے ہیں۔ ان بسبب علت اعلیٰ ہونے کے اللہ ان کا خالق ہے۔ واللہ خلقکم وما لتعملون اللہ تمہارے بھی اور تمہارے افعال و اعمال سب کا خالق ہے۔

## اللہ تعالیٰ نے انسان کو مجبور یا بخیر کیوں نہیں بنایا

بے شک اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو انسان کو مجبور یا بخیر بنا سکتا تھا۔ کہ ہرگز بدی کا خیال تک انہی کے دل میں نہ آتا اور شر کی حریت طبعیت کا میدان بھی نہ ہوتا۔ لیکن خود مجبور ہی اور آزاد ہی کوئی نعمت نہیں۔ یہی خیالات کی آزادی و صدور افعال میں بر طرح اختیار ہی ایک بڑا بہاری کمال ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا فرمایا ہے اور یہی وجہ سے وہ اشرف المخلوقات کہلاتا۔ فرشتے سے بڑھ کر درجہ رکھتا۔ اور خلافت الہی کا تاج سر پر رکھنے کے قابل بن گیا ہے۔ اگر انسان مجبور یا بخیر ہوتا تو فعل مختار نہ ہوتا۔ اور نہ ہی صفات الہی کا



منظر اور آئینہ حق ثابت ہو سکتا۔ جب اپنے اختیار سے ہی کوئی کام نہ کر سکتا۔ تو  
 اور چند مزاجز کا مترتب ہونا کیسا؟ خدا تعالیٰ کے صفات عدل و رحم و عنو  
 ونجیہ کا منظر بننا کہاں؟ یہی ارتکاب افعال میں اختیار ہی تو مجاہدہ  
 اور سعی کے بعد مدارج عالیہ بلکہ سدرۃ المنتہی سے اوپر تک پہنچنے کا موجب  
 ہے۔ ورنہ انسان کا شرف ہی کیا ہوتا اور اس کا رتبہ مذشتوں سے یکے  
 بڑھ سکتا۔ یہی انسان کے اندر قوت اختیار یہ اور کسب افعال اختیار  
 عطیہ الہی سے درخار درجہاڑیوں (شیطان کی کشتیوں) کی پہاوند تھی۔  
 اس کے مدارج تقویٰ اور مراتب اعلیٰ حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ بلکہ  
 شیطان کے وجود کی فلاسفی بھی یہی ہے کہ وہ ایک روک اور سدینچ ہے  
 جسکو چلانگ کر انسان قرب ہی کے کنارہ پر جا کھڑا ہوتا ہے۔ اسی  
 اختیار عطیہ الہی سے انسان بہت کرے تو اعلیٰ علیین۔ عرش رب العالمین  
 تک پہنچ سکتا ہے۔ اور جو اس اختیار کو بُری طرح استعمال کرے۔ تو جہنم  
 اور اسفل السافلین میں جا گرتا ہے۔ کیا خوب کہا ہے کسی شاعر نے  
 آدمی زاد طرف مجموعے است کز فرشتہ شرمست داند حیوان  
 مگر کند میل این شود بداندین گز کند میل آن شود بداندین  
 اگر انسان کی فطرت میں اللہ تعالیٰ خیر یا شر رکھ دیتا یعنی اسے  
 مجبول یا بخیر یا مجبول بالشر کر دیتا تو انسان خلیفۃ اللہ کا خطاب یکے  
 حاصل کر سکتا۔ اور اسکی صفات کاملہ کا منظر کیسے بنتا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ  
 نے انسان کو مجبول یا بخیر نہیں بنایا تو یہ اس مادی برحق سے بہت ہی  
 بعید تھا کہ انسان کو مجبول بالشر بناتا۔

اس بارہ میں اللہ تعالیٰ نے کفار کو ایک جگہ خوب جواب دیا ہے  
 جو کہتے تھے کہ ہم سب کچھ اللہ تعالیٰ کے گراں سے کرتے ہیں۔ اپنی  
 اختیار سے نہیں۔ اور اس نے ہم کو شر پر مجبول اور بہت پرستی  
 پر مجبور کر رکھا ہے۔

**جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو مجبول یا بخیر نہیں**

## ہمایا تو مجھوں بالشر اولیٰ طور پر نہیں کیا ہوگا؟

اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ سَبِّحُوْا الذِّكْرَ الَّذِیْ شَرَّکُوا لِلّٰهِ مَا لَمْ یُکُنْ لَہُمْ اَبَآؤُا وَنَافِلًا حَرَمْنَا مِنْ شَفَعِیْ ذَکَکُمُ الْاَلٰہُ کَذِبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِہُمْ حَتّٰی ذَا قُوا بِاَسْنَادِیْ هَلْ عِنْدَکُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخَرِّجُوْہُ لِنَاسٍ اَنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ مَا قُلْ فَلِلّٰہِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ اَمْ لَوْ شَاءَ لَہْدَکُمْ اَجْمَعِیْنَ دَعَاہُمْ اِنِّیْ شَرِکٌ کَبِیْرٌ کَیْ لَا اَکْرَمُ اللّٰہُ تَعَالٰی چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے نہ ہمارے باپ دادے نہ ہم اپنی طرف سے کسی کو عمام ٹھیراتے۔ جس طرح ان لوگوں نے خود کا کلام نہ ماننے کے لئے چیلے تھے وہی اسی ان لوگوں نے جو ان سے پیشتر تھے تکذیب کی۔ یہاں تک کہ ان کے چیلے حوالے ایک طرف نہ گئے اور آخر کار پاداشِ عمل میں انکو ہمارا عذاب چکھنا پڑا اور ہماری طرف سے ان کو سزا ہوئی جس سے ان لوگوں کے حیلوں اور فتنوں کا کھٹکا اور باطل پہ ہونا عملی طور پر ظاہر ہو گیا۔ اگر اللہ کی مرضی سے یہ شرک ہوتا تو انہیں سزا نہ ہوتی، یہ تو عملی طور پر ان کے خیال کی غلطی ظاہر ہوئی اب رہا نقلی طور پر۔ تو کہو تمہارے کوئی سندی علم ہے تو اُسے ہمارے سامنے نکالو۔ جس سے معلوم ہو کہ شرک وغیرہ سب اللہ کی مرضی سے کیا جاتا ہے۔ تم محض اُکل اور خیال کی پیروی کرتے ہو۔ اور یہی نہیں سمجھتے ہو دینی یہ تمہارا خیال بالکل باور ہوا اور باطل ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے چاہا کہ ہم شرک وغیرہ کرتے ہیں، اسے نبیؐ تو ان لوگوں سے کہہ دے کہ تم میرا الزام الہی کے نیچے صاف آگئے۔ اس لئے کہ اگر وہ چاہتا اور ایسا ہی مجبور کرنے والا ہوتا تو تم سب کو ہدایت ہی نہ دیتا اور مجھوں بالآخر ہی کیوں نہ پیدا کرتا۔ سو جب اُس ذات والا صفات نے تم کو مجھوں بالآخر پیدا کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ تو مجھوں بالشر پیدا کرنا کیسے مناسب سمجھا ہوگا۔ اور انسان کا شرک اور بد اعمالیاں اس کی مرضی سے کب ہو سکتی۔

چرہ اللہ تعالیٰ کفار کو الزام دیتا ہے۔ وَاِذَا ضَلُّوْا فَالْحِشَّةُ قَالُوْا

وَسَبِّ ثَائِبٍ. اَبَاؤُنَا وَاللّٰهُ اَمَّا نَابِهَا۔ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَا  
اور یہ کوئی بُرا وہ کہتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا  
کرنا نہیں پایا اور خدا نے ہم کو ایسا ہی حکم کیا کہ اسے نبی تو کہہ دے کہ خدا  
پر ہی ہاتھ نہیں دیتا۔

پھر فرمایا کہ لا یَرْضَ عِبَادَةُ الْكَافِرِ اپنے بندوں کے کفر پر  
وہ رضی نہیں دن تشکیر و ایروضہ لکھ اگر شکر گزاری  
کرو۔ تو وہ شکاری شکر گزاری پسند اور قبول کرتا ہے۔

## کلام ربانی میں دلوں پر مہر لگنے کے کیا

### معنی میں

ہم ان میں مہر کے معنی لاکھ یا موم کی مہر لگنا نہیں ہے نہ کوئی دلیر  
لاکھ یا موم کی مہر لگائی جاتی ہے بلکہ ہر گھٹنے سے یہاں اس کا نتیجہ مراد  
ہے جس طرح ہم بھائیوں کے حروف کا غدیہ منقش ہو جاتے ہیں۔ اس طرح  
مشاورہ بدی اور شرک کا کام کرنے سے انسان کے دل پر بدی اور  
شرک منقش ہو کر طبیعت خالص ہو جانے اور دونوں پر حق کا اثر  
نہ ہونے کو مہر لگنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

## یہ مہر کس طرح لگتی ہے ؟

یہ آیت اللہ تعالیٰ کا قانون قدرت ہے کہ جو شخص اُس کے دے ہوئے  
اعتماد یا اپنے روحانی اور جسمانی قوائے کام لینا چاہوڑ دیتا ہے۔ تو  
وہ آہستہ آہستہ نیک اور درست ہو کر بالکل اذکار رفتہ ہو جاتے ہیں۔  
ایسا ہی اللہ تعالیٰ نے جس عضو یا جس قوت کو جس امر کے لئے پیدا  
کیا ہے۔ اگر اس سے وہ کام نہ لیا جائے اللہ تعالیٰ قدرت کے منتہی

یہ قانون اسکو استعمال کیا جائے تو جس ذہننگ پر اسکو استعمال کیا جاتا ہے۔ وہی نقش  
 اور رنگ اس میں آہستہ آہستہ اثر کرتے کرتے بالکل اُسی رنگ میں رنگین  
 اس نقش سے منقش ہو کر بد رنگ اور نقش اس میں طبیعت ثانیہ ہو جاتا ہے  
 اور بالکل مرکز ہو چکنے کے بعد پھر لاکھ سہی کی جائے اس پر سے وہ رنگ  
 اور نقش نہیں اُٹتا۔ اسی حالت کا نام کان یا دل وغیرہ پر چر گنا ہے  
 اور اسی طرح آہستہ آہستہ ایک فعل کا کسی عضو پر اثر ہونے سے ہونے مرکز  
 ہونیکے بعد مہرگ جاتی ہے۔

## قانون قدرت میں اسکی مثال کیلئے؛

قانون قدرت میں اسکی ہزاروں مثالیں ہیں۔ بعض فقیر کسی عضو سے ملنے کام  
 نہیں لیتے تو وہ کچھ عرصہ کے بعد سوکھ جاتا ہے اور کام دینا چھوڑ دیتا ہے۔ قسم  
 قسم کی وز فطیں اور کھیلیں کرنے والے اپنے اعضا کو جس جس طرز کی ورزش  
 میں لگا دیتے ہیں۔ مشق اور پرنکس ہوتے ہوتے وہی عادت ان میں طبیعت  
 ثانیہ ہو جاتی ہے۔ غرض کہ جس عضو یا قوت کو جس طرز پر لگایا جاوے۔ آہستہ  
 آہستہ وہی اثر اس میں عادت ہوتے ہوتے طبیعت ثانیہ ہو جاتا ہے۔  
 خواہ اچھے کام میں خواہ بُرے کام میں ابھی ورزش میں یا بُری ورزش  
 عربی میں عادت کا قضا ہی ہے۔ عود سے مشق ہے جس کے سے  
 بار بار کرتا ہے اور طبیعت کے معنی منتقش ہونا اور گڑ جاتا ہے۔ جس  
 سے طبع اور انطباع کے لفظ سے بنتے ہیں۔ کسی کام کو عادت بنانے یعنی  
 بار بار کرنے سے وہ انسان کی طبیعت میں گڑ جاتا اور طبیعت ثانیہ  
 ہو جاتا ہے۔

ہر ایک بُرائی کا ترکیب دیکھ لے۔ جب پہلے پہل کسی گناہ کا ارتکاب  
 کرتا ہے تو اس کے قوائے بکیہ کیسے مضطرب ہوتے ہیں اور ضمیر اسے کھینچ  
 ملامت کرتا ہے۔ پھر جوں جوں ہر روز وہ بُرائی کرتا جاتا ہے۔ آہستہ آہستہ  
 دد حیا اور اضطراب اور تامل جو شروع میں اس پر کار کو لاحق ہوا تھا  
 کم ہوتا جاتا ہے۔ ضمیر اسے ملامت کرتے کرتے رہ جاتا ہے۔ یہاں تک

کرم زکا: افس ڈھیر اور بے رحم ہو جاتا ہے ورنہ شر اور زولیت طبیعت  
خانیہ ہو جاتا ہے۔ یہی حالت ہے جسے مہر یا زندہ گئے سے تیر کیا جاتا  
ہے۔

نہوی زبان میں اس کے تشبیہ کی مثال

کی گئی ہے

اس حالت کی تشبیہ بہرہ رسوا مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ایک حدیث میں  
ان الفاظ میں دلا کرتے ہیں کہ انسان جب مرکب گناہ ہوتا ہے تو اس کے  
دل پر ایک سیاہ داغ پڑ جاتا ہے یہ وہ اثر وہ اس گناہ سے تاب ہو جاتا  
تو وہ سیاہ داغ اس کے دل پر پڑتا ہے۔ باقی نہیں تو یہی فہرست  
موت و تر گناہ کی وجہ سے اس کے دل پر بہت سے سیاہ داغ آگئے ہو کر  
اس کا دل بالکل سیاہ اور لٹا۔ اور نصرت سے تیرہ و کد ہو جاتا ہے  
جسے زندہ گناہ یا مہر گناہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

انسانی محاورات میں کوئی اس کی مثال ہے؟

لے کبر عورتوں کی جمالی قوت بھی آہستہ آہستہ اسی طرح اٹھ جاتا ہے۔  
نوف ذیاریہ سوال: صلی اللہ علیہ وسلم ان الصد ان خطا خطیہ تکت فی ذنوبہ  
سوداء ماذھون من مواصفیہ متعلق تائبہ ان حاد زید فیہ۔ ماذھون یعنی  
قلبیہ و ہوامر الذی ذکر اللہ کلا بل ران۔ صلی اللہ علیہ وسلم تکت فی ذنوبہ  
جس وقت وہ انسان کوئی گناہ کرتا ہے تب ہی اس کے دل پر سیاہ داغ پڑتا ہے۔  
جسے مہر گناہ یا مہر گناہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ باقی نہیں تو یہی فہرست  
موت و تر گناہ کی وجہ سے اس کے دل پر بہت سے سیاہ داغ آگئے ہو کر  
اس کا دل بالکل سیاہ اور لٹا۔ اور نصرت سے تیرہ و کد ہو جاتا ہے  
جسے زندہ گناہ یا مہر گناہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

انسانی محاورات میں بھی جب ایسا نہ ہو تو اس قسم کے لوگوں کی نسبت اس قسم کا محاورہ استعمال کرتے ہیں۔ کہ انکی عقل بہ قہر پڑ گئی۔ اُن کے کان بہرے ہو گئے۔ اُن کی سمجھ پر تانے لگے گئے۔ بات یہ ہے کہ کفر و زنا کی طبیعت میں گردش جانے اور طبیعت ثانیہ ہو جانے کی وجہ سے اس قسم کے اعلا فضا کی زبان میں سہماں کئے جاتے ہیں۔ ایسا ہی اللہ تعالیٰ نے استعمال کئے۔ جہر لگنے کے سبب تباد سے باریں۔ ۱۰ افز و فتن چو ز دبا جائے۔ وہ مہر فوراً دل پر سے ہٹ جاتی ہے۔

## خدا تعالیٰ نے تمہارا لگنا اپنی طرف کیوں منسوب کیا

بقیہ حاشیہ نوٹ۔ میں فرماتا ہے سو ان کے دلوں میں کیا کرتوتوں نے نگار آلودہ کر لیا اور یہی وجہ ہے کہ وہ قیامت کے دن اپنے رب کے حجاب میں ہونگے۔

اور ایک اور حدیث میں فرمایا ہے تعرض الفتن علی القلوب کا حصیر داسوا فاحملہا ثم لھا تکتب فیہ نکتہ سودا وای قلبا نکرھا تکتب فیہ نکتہ بیضا فحق یتصیر علی قلبہن ابیض مثل لصفاف لا تقرہ فتنة مادامت السموات والارض والاخر اسود ما دالکنوز محبیا لا یصرف معروفان لا ینکر منکر الا

اشراب من ہوا و اسلم  
یعنی فتنہ اور فتنہ آئینہ دلوں کے کہہ دینے آتے ہیں۔ مثلاً جس کا دل ایسا ہوگا کہ جو کوئی بڑا یا  
سستے سے اسکو قبول کرے اس کے دل پر ایک نقطہ سیاہی کا لگ جائیگا۔ البتہ جس کا دل ایسا ہوگا  
کہ جب کوئی بات غلام و نفع سے آتی ہے تو اس کے دل پر ہر دفعہ ایسا نقطہ  
سبز یا زرد یا سیاہ بونش ہوتا ہے جس سے یہ دل تو سفید نورانی ہو جائیگا۔ اور اس میں ایسی  
ہوشتی ہے کہ وہ ایسی بات اس پر اثر کرے گی اور ایسا لگا جائیگا جو کہ  
ایسا بے خبر اور بے جان ہو جائیگا کہ انسان کی کوششیں ایسی کمزور ہو جائیں کہ جس پر  
بڑے کی پہچان باقی نہ رہے۔ جس طرح چلنا برتن اونٹن کیا ہوا ہوتا ہے کہ اس پر پانی نہیں ٹھیرتا  
اسی طرح اس دنیا پر صحت و غیرہ کا اثر نہیں ہوتا اور صرف اپنی پسند اور خواہش کی  
بات کو چاہتا ہے اور کسی بات کو نہیں جانتا۔

چونکہ انسانی فطرت کے لئے یہ ایک قانون قدرت ہے کہ جو شخص بد کام اختیار کرے اور اس پر اڑ جائے۔ تو بد کام عادت ہوتے ہوئے طبیعت ثنائیہ ہو جاتا ہے۔ جسے مہر لگنا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور اس قانون قدرت کا واضح اور بنیاد والا خدا تعالیٰ ہے۔ اس لئے اپنے اس قانون موضوعہ کے خلاف نہ برجم ملت العمل ہونے کے اس مہر لگنے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا۔ لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہئے اور بھی نہ بھولنی چاہئے کہ اس مہر لگنے کا باعث انسان ہی ہوتا ہے۔ خدا نہیں۔ خدا ابتداء کسی شخص کے دل پر مہر نہیں لگاتا۔ نہ کفر و عصیان کی طرف رہنمائی کرتا ہے بلکہ انسان کفر و عصیان سرکش جہتان اختیار کر کے خود ہی مہر لگنے کا موجب ہوتا ہے۔ انسان کے کفر و شرک اختیار کرنے کی وجہ سے جو نیچو مرتب ہوتا ہے وہ مہر لگنے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

**کفر مہر کا موجب ہے۔ مہر کفر کا موجب نہیں۔**

سارا قرآن شریف دیکھتے جاؤ۔ شریعت آیت تک مطالعہ کرو۔ پتہ تنگ ہو گا لگایا جانا اللہ کی طرف منسوب کیا ہو گا۔ مگر یہ کہیں نہ دیکھو گے۔ کہ مہر کفر کا باعث ہو۔ بلکہ ہر جگہ کفر ہی مہر لگنے کا موجب ہوگی۔ قرآن ہیغہ شروع ہی دیکھو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان الذین کفرو سوا۔ علیہم۔ انذر قلمہ اولہم۔ تنذر ہم لایوبسون حتم اللہ علی قلوبہم وعلی سمعہم وعلی ابصارہم غشاوۃ ولہم عذاب عظیم۔ جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا۔ اور کفر ان کیلئے طبیعت ثنائیہ ہو گیا۔ اسے بخیر تو انہیں خدا کے عذاب سے ڈرائے یا نہ ڈرائے وہ ایمان میں لائیں گے ران کی پاداش میں اُن کا انجام یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں پر مہر لگا دی اور قانون پر بھی اور ان کی آنکھوں پر پر وہ پڑا ہے۔ اور اُن کے لئے عذاب عظیم ہے۔

اب دیکھو جب کفار کی نوبت یہاں تک پہنچ جائے کہ وہ نصیحت سننے تک کے

تعدادوار نہ ہوں۔ اور دل۔ آئندہ اور کان سے مطلق کام نہ لیں۔ بلکہ اُن کو بے جا  
 کاموں میں استعمال کریں۔ اس کا نتیجہ یہی ہوگا۔ کہ ان کے دوسرے کفر اور تورات  
 طبی ہو جاویں گی۔ کان استماع حق سے بے بہرہ ہو جائیں گے۔ آنکھیں حق کو  
 نہ دیکھ سکیں گی۔ اور آخر کار جہنم کا ایندھن بنیں گے۔ ایسا ہی اللہ تعالیٰ  
 اور جگہ فرماتا ہے۔ کلاب بل ران علی قلوبہم ما کا نوا یکسیون۔ سنو!  
 بلکہ اُن کے دلوں پر اُن کے اعمال بدکار رنگارنگ دیا ہے۔ بل طبع اللہ  
 علیہما بکفر حصر۔ اور کچھ بات نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں پر  
 مہر لگا دی ہے۔ اُن کے کفر کی وجہ سے کذالک یطبع اللہ علی قلب  
 کل متکبر جب اس۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر ایک متکبر اور سرکش کے دل پر مہر  
 لگا دیا کرتا ہے۔ غرض سارا قرآن شریف بآواز بلند پکار رہا ہے۔ کہ اللہ تم  
 کی ذات بے غرض اور بے نیاز ہے۔ اُس کو کسی کی ہدایت یا غلات  
 سے نہ کوئی ذاتی فائدہ ہے۔ نہ کوئی نقصان۔ اگر ساری دنیا مسلمان  
 ہو جائے تو اس کے ملک میں کچھ بڑھ نہیں جاتا۔ اور اگر ساری دنیا  
 کافر ہو جائے۔ تو اُس کی شان سے کچھ گھٹ نہیں جاتا۔ وقال موسیٰ  
 ان تکفروا انتم ومن فی الارض جمیعاً فان اللہ غنی حمید  
 وان تشکروا یرضہ لکم وان تکفروا فان اللہ غنی عنکم لیکن  
 چونکہ وہ حکم ذات ہے۔ اُس کا کوئی کام حکمت سے بھی خالی نہیں۔ اس  
 لئے اُس نے انسانی پیدایش کو قائل مختار بنایا۔ اور اپنی حکمت  
 کا نقشہ جمایا۔ انسان کو کاسب اعمال ٹہرایا۔ اور اس کے لئے مزا جزا  
 کا ایک قانون وضع فرمایا۔ تاکہ پیدایش کو قائل مختار اور باطل  
 نہ ٹھہرے۔

سواب جو شخص ہدایت کو قبول کرے تو محض اپنے فائدہ کے لئے  
 اور اگر قبول نہ کرے تو اس کا وبال اسی کی گردن پر ہے۔ اللہ تعالیٰ  
 نے قرآن شریف میں یہ بھی بیسیوں جگہ فرمایا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اس  
 ایمان کو ہرگز قبول نہیں کرتا۔ جو جبر و اکراہ کے ساتھ قبول کیا جائے  
 وہ صرف اُس ایمان کو قبول فرماتا ہے۔ جو انسان اپنی غرض اور  
 محبت قلبی اور رمناد و رغبت سے قبول کرے اور اسی پر ثمرہ نیک



ترتب ہوتا ہے۔ پس جو لوگ اپنے اختیار و رہنمی سے ایسے اور ہدایت کی طرف رخ نہیں کرتے اور اپنی بد راہی اور گمراہی میں مبتلا رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی جبر و قہر ان کو ان کا ہتھکڑ کر دین کے دل پہ جبر کر کے ہدایت پر نہیں لاتا اور نہ لایا جاتا ہے۔ اور جو ذرا سی ہدایت کے قبول کرنے کے لئے ذری بھی توجہ کرتے ہیں۔ ان کو اپنی ماہ راست پہ چڑھا دیتا ہے۔ ورنہ مرن چڑھا ہی دیتا ہے۔ بلکہ مرتے دم تک اس پر اسکو چلاتا اور قائم بھی رکھتا ہے۔ یثبت اللہ للذین امنوا بالقول الثابت فی الحیوة الدنیا و فی الآخرة ویضلل اللہ الضالین۔ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو سچی بات (کلمہ توحید) پہ جمائے رکھتا ہے۔ اور گمراہی میں مرن انہیں لوگوں کو چھوڑتا ہے۔ جو اپنے اختیار سے ظلم و شرک اختیار کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ جیسا قانون چاہتا ہے۔ مقرر کرتا ہے۔ اس کے قانون اور مشیت پر گرفت نہیں ہو سکتی۔

اب ہم ان آیات کی تفسیر کرتے ہیں۔ جو انسان کے کسب و اختیار پر دلالت کرتی ہیں۔ اور جن سے اضلال طبع ختم۔ زین و اور دین وغیرہ کا مفہوم ٹھیک ٹھیک معلوم ہو جاتا ہے۔

اور لا اکوا فی الدین قد تدبیر  
المرشد من الغی فمن یکف  
بالطاعت و یومن باللہ فقد  
استمسک بالعمود الوثقی  
لا انفصام لہما۔ واللہ اعلم  
علیم۔ سیمارہ ۳ رکوع ۳

دین میں کسی قسم کا جبر نہیں۔ ہدایت گمراہی سے تیز ہو چکی ہے۔ سو اب جو کوئی ہر قسم کے باطل پیشواؤں اور سب دوسوں کا انکار کرے۔ اور اللہ سے ایمان لائے۔ تو ایسے مضبوط رہے کہ چٹل مار چکا۔ کہ وہ ٹوٹے والا ہی نہیں اور اللہ تعالیٰ سنتا جاتا ہے و جبری ایمان اس کے ماں مقبول نہیں۔ جب تک دل مومن نہ ہو۔

وہ و لو شاء ربک لا من فی الارض جمیعاً امانت  
اور اگر تیرا رب مجبور کرتا چاہتا تو کرہ ارض پر جس قدر لوگ ہیں۔

تکرو الناس حتی یکنوا  
مومنین و

سب کے سب ایمان لے آتے مگر تیرا رب جبر و  
اکراہ سے کسی شخص سے ایمان قبول کروانا  
چاہتا ہی نہیں تو کیا تو چاہتا ہے کہ لوگوں پر  
جبر کرے۔ تاکہ وہ دھکم دھکا مسلمان ہو جائیں  
یعنی اکراہ و اجبار والے ایمان کی دل میں  
خواہش نہ کرے

ہم نے قرآن شریف تجھ پر اس لئے نازل نہیں کیا کہ تو  
معبیت میں پڑ جائے۔ بلکہ اس واسطے کہ جو لوگ  
خدا کا خوف پیدا کرنا چاہیں۔ ان کے لئے  
نصیحت نامہ ہو۔

۱۳، ما انزلنا علیک القرآن  
لتنفی (۱) الا تذکرت لمن  
یخشی۔

کیا تو اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال رہا ہے  
اس بات پر کہ وہ ایمان نہیں لاتے یعنی تیرا  
کام محض تبلیغ ہے۔ لوگوں کی اپنی مرضی ہے  
چاہیں ایمان لائیں چاہیں نہ لائیں۔

۱۴، لعلک باخع نفسك الا  
یکونوا مومنین و

اے بنی یہ لوگ اگر اس قرآن کریم پر ایمان نہیں  
لاتے تو تمہارے افسوس کے اپنی جان کو ہلاکت  
میں ڈال لئے گا یعنی ایسا مت کر۔ ایمان لاتا  
نہ لانا لوگوں کا اختیار امر ہے۔

۱۵، لعلک باخع نفسك علی  
اذا وھم ان لم یؤمنوا  
بھذا الحدیث اسفاد

اور تو کہہ دے کہ حق تمہارے رب کی طرف سے  
نازل ہو چکا ہے۔ سو اب جو کوئی چاہے اُس کو  
ماتے جو چاہے نہ مانے تمہارا اختیار امر ہے

۱۶، وقل الحق من ربکم  
فمن شاء فلیؤمن ومن  
شاء فلیکفر۔

سنو قرآن شریف سرتا سر نصیحت ہے۔ سنو  
اب جس کا جی چاہے اُسے مانے۔

۱۷، قل انما تذکرہ لمن  
شاء ذکرہ و

ہم نے انسان کو صراطِ مستقیم دکھا دیا ہے۔ اب  
وہ گمے ماننے یا نہ ماننے چاہے شکر گزار بنے  
یا ناشکر۔

۸، انا هدینا السبیل اما  
شاکرا واما کفورا

بے شک قرآن سرِ انصافیت ہے۔ سو جو شخص چاہے  
اپنے رب کی بتائی ہوئی راہ اختیار کرے اور  
اللہ کی پسندیدہ راہ کے سوا کوئی راہ اختیار بھی  
نہ کرنا۔ جسک اللہ تعالیٰ ہم و ملت والا ہے  
جسکو مناسب دیکھتا ہے اپنی رحمت میں داخل  
کرتا ہے۔ مگر ظالم لوگ آپ اُس کی رحمت سے  
مدد لینے نہیں چاہتے۔ سو ان کے لئے  
اللہ نے عذابِ الیم تیار کر رکھا  
ہے۔

۹، ان ہذہ تذکرۃ فمن  
شاء اتخذ الی ربہ سبیلا  
وما تشاؤن الا ان یشاء  
اللہ۔ ان اللہ کان  
علیما حکیما یدخل  
من یشاء فی رحمۃ  
والطامین اعد لہم عذاب  
البار

اور جو شخص ہدایت الہی (قرآن شریف) کے  
ظاہر ہونیکے پیچھے اس رسول کی مخالفت پر  
تلا ہے اور رسولوں کی راہ کے سوا کوئی اور  
راہ اختیار کر بیٹھے تو پھر جو راستہ اُس نے اختیار  
کر رکھا ہے ہم بھی اس کے اپنے اختیار کئے ہوئے  
راستہ پر اُسکو چوڑے رکھتے ہیں اور اس کو  
جہنم میں جھونک دینگے اور وہ بہت بُری جگہ ہے۔

۱۰، من ابی اقی الرسول  
من اجد ما تبین لہ الھد  
و یترک غیر سبیل المؤمنین  
تو لہ ما تولى و لفصل جہنم  
وساء ذل مصیرا

اور ہم ان کو انکی گمراہی میں جو انہوں نے ان خود  
اختیار کر لی ہوئی ہے اور ماہر اکوف پیچھے ہیں  
چوڑے رکھتے ہیں کہ پڑے اندھا حدیثیں  
بہنشا کریں۔

۱۱، و نذر ہم فی طغیانہم  
یعصون

خدا کی طرف وہی سیدھی راہ پہنچتی ہے جو اُس نے

۱۲، و علی اللہ قصد السبیل

ہمنا جائز فلو شاء لھدا  
کما جمعین ہ

بیان کر دی ہے اور بعض راہیں نیز می  
ہیں جو انسان آپ اختیار کر لیتا ہے۔ اور  
اگر اللہ چاہتا ہے تو تم سب کو سیدی راہ پر  
چلا دیتا مگر یہ اگر وہ اجبار ہے۔ جو خدا کو  
منظور نہیں۔

۱۳۰ قل فذلک الحجة الباطنة  
فلو شاء لھدا کما جمعین

اسے نبی تو ان کفار کو جو خدا کی نسبت بہ اعتقاد  
رکھتے ہیں کہ اسی کی مشیت سے ہم بدی کر رہے ہیں  
جو اب دے کر پھر اللہ کی دلیل تو زبردست ٹھہری  
کہ اگر وہ چاہتا اور جبر کرنے والی ہستی ہوتی  
تو تم سب کو ہدایت ہی کے لئے مجبور نہ  
کرتا۔ پس جب ہدایت کے لئے مجبور نہیں  
کیا تو بدی کے لئے بطور ادلی مجبور نہیں  
کیا ہوگا۔

ان اللہ لا یمدی من ہو  
مسرہ کن اب

یقیناً ان لوگوں کو راہ راست پر نہیں لاتا  
جو خدا سے بڑے ہوئے اور جو بڑے خدا سے  
کر کے اللہ پر افترا کرتے ہیں۔

کن اللہ یضل اللہ من ہو  
مسرہ مر قاب

وہ لوگ جو اپنے اختیار ہی خدا سے بڑے  
ہوئے ہوئے ہیں اور شک شکوک میں پڑے رہتے  
ہیں انہیں مگر ایسی ہی جو بڑے رکھتا  
ہے جیسا کہ قوم فرعون کو جس کا کہ اوپر کی  
آیات میں ذکر ہے۔

وخاب کل جبار عنید  
ہر ایک میکڑی باز عنادی جو اپنے انکار  
پر جبار و ثامراد رہا۔

واذ تولى عليها باقواولى  
مستكبرا كان لهم سمعها كان  
ماذينة وقوا فبشرها بعذاب  
اليم  
اور جب اسکو ہماری آیات پڑھ کر سنائی جاتی  
ہیں تو اکڑتا ہوا منہ پھیر کر چل دیتا ہے۔ جیسے  
اُس نے ہماری آیات کو سنا ہی نہیں۔ گویا  
اس کے کانوں میں بوجہ ہے تو ایسے لوگوں  
کو عذاب دردناک کی خبر سنا دے۔

والله لا يهدي القوم الفاسقين  
انہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو فسق یا حکم عدولی اختیار  
کر بیٹھے ہیں راہ راست پر نہیں لاتا۔

ان الله لا يهدي الكافرين  
یقیناً انہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا  
جو کفر اختیار کر بیٹھے ہیں یعنی ان کا اپنا  
اپنی مرضی سے اختیار کردہ کفر چہرہ اگر جبراً  
راہ راست پر نہیں لاتا۔

ان الله لا يهدي القوم الظالمين  
انہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ظلم کی راہ اختیار  
کر بیٹھے ہیں راہ راست پر نہیں لاتا۔

ان الذين لا يؤمنون بآيات  
الله لا يهدى لهم الله  
و لهم عذاب اليم  
ان الذین ایمان نہیں لاتے۔ اللہ بھی جبراً اُن کو راہ  
راست پر نہ لائیگا۔ اور چونکہ وہ خود بہ خود  
ایمان قبول نہیں کرتے۔ اس لئے ان کے لئے  
عذاب الیم ہے۔

صبر بكم فہم لا  
یرجعون  
یہ لوگ گناہیں اور بہرے اور اندھ بن بیٹھے  
سبب ہدایات اللہ سے دے چکے ہیں اور  
کسی تدبیر سے ماہِ رحمت پر نہیں آئیں گے۔

یہ ایسا ہی ہے جیسے جسمانی زندگی میں کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ بد پریزی کی کرنیوں میں  
رہتا نہیں جیسا کہ

ان شرکذواب عند اللہ  
الصُّمُّ البکم الذین  
لا یعقلون

بے شک اللہ کے نزدیک سب سے بدتر حیوان  
وہ ہیں جو اسباب ہدایت کو کہو کر بہرے اور  
گونگے بن بیٹھے ہیں۔ اور عقل سے کام  
نہیں لیتے۔

ومنہم من یستمع  
الیک افانت تشمع  
ولو کانوا لا یعقلون ومنہم  
من ینظر الیک افانت  
تحدی العی ولو کانوا لا  
یبصرون ان اللہ لا یظلم  
الناس شیئاً ولكن الناس  
الفسہم یظلمون

اور ان میں سے بعض ایسے ہیں۔ جو صرف  
حجب چینی کے لئے تیری طرف کان لگاتے  
ہیں۔ کیا تو ابھی نیت والوں کو جو صرف  
نکتہ چینی کے لئے آتے ہیں اور جان بوجہ کہ  
بہرے بن بیٹھے ہیں سنا سکتا ہے اگرچہ وہ ذرہ  
عقل سے کام نہ لیں اور ان میں سے بعض  
ایسے ہیں جو صرف عیب جوئی کے لئے تیری  
طرف مشکلی باندھے ہیں۔ کیا تو ایسے بدنیتوں  
کو جو باوجود دیکھنے کے اندھے بن بیٹھے ہیں  
رستہ دکھا سکتا ہے۔ اگرچہ وہ کچھ بھی اپنی  
آنکھوں سے کام نہ لیں۔ غرضیکہ یہ لوگ جو  
ان کے پاس اسباب موجود ہیں اور وہ  
ان سے کام نہیں لیتے۔ یہ ہی اپنی جانوں  
پر ظلم کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسبہ پر ذرا  
بھی ظلم کا۔ وادار نہیں۔ یعنی ایسے لوگ  
آپ اپنے ارادہ سے دین و اسلام۔ ت  
مخدوم ہو گئے۔ خدا تعالیٰ کسی شخص کو مخدوم  
کرنا نہیں چاہتا۔

وانی کلمات دعوتہم  
لتغفر لہم جعلوا صلیہم  
فی اذا انہم واستغشوا

اور ہم نے جب ان کو دین حق کی طرف بلایا۔  
کہ وہ دین کو قبول کریں اور تو ان کے  
گناہوں کو معاف کرے تو انہوں نے بجائے

ثیابہم واصر و استکبر واستکبر اس

اس کے کریمہ بات نہیں اپنے کانوں میں نکلیاں ٹھوس ہیں درجہ ان کے کریمہ

میری سوت کو دیکھیں بچے چہروں کو ڈانپ ڈانپ کر چسپا یا اور اپنے کفر پر اصرار کرتے رہے اور اپنی نیکی میں آکر اکڑتے رہے۔ اور

کتھتے ہیں کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہے جس کے سبب ہم غیر مذہب والوں کی بات نہیں

نہیں کرتے، غلاف و لاف نہیں بلکہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کو رحمت سے محروم کر دیا ہے پس وہ کم مانتے ہیں۔

بل طبع اللہ علیہا بکفر ہم بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اپنے اختیار کئے ہوئے کفر کے سبب ان پر ہدایت کا دروازہ بند کر دیا ہے۔

پس جب وہ اپنے اختیار سے کج روی اختیار کر بیٹھے۔ اللہ نے بھی ان کو ان کی کجی میں رہنے دیا اور ایسے لوگوں کو جو جان بوجہ کفر سے مدد کر رہے ہیں۔ اللہ بھی زبردستی اور جبر سے راہ راست پر نہیں لایا کرتا۔

فونیت من اتخذ اللہ

ہو و واضلہ اللہ علی

علم و ختم علی سامعہ

و قلبہ وجعل علی بصیرۃ

عشا و لمن یمہد یمہ

من بعد اللہ افلا

تذکرون۔

اسے بنی تو نے اس شخص کے حال پر غور کی ہے جو اپنی نفسانی خواہشوں کو اپنا معبود ٹھہر

کر رہا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کے سامنے علم و بصیرت ختم کر دی ہے۔ اس گمراہ کو اس کی

گمراہی پر چھوڑ دیتا ہے۔ اور اس کے کانوں اور دل پر ہدایت کرنا بند کر دیتا ہے۔

وہ آنکھ پر گمراہی کا پردہ جو وہ خود ڈال لیتا ہے اس کو ایسا ہی رہنے دیتا ہے

وقالوا قلوبنا غلف بل لعنہم اللہ بکفر ہم فقلیل ما یومنون

فلما زاغوا زاغ اللہ قلوبہم واللہ لایہدی القوم الف سقیم۔

فونیت من اتخذ اللہ

ہو و واضلہ اللہ علی

علم و ختم علی سامعہ

و قلبہ وجعل علی بصیرۃ

عشا و لمن یمہد یمہ

من بعد اللہ افلا

تذکرون۔

پس اب بتاؤ کہ جب اس گمراہ کو جو اس  
 طح پر گمراہی اختیار کر لیتا ہے۔ اور اللہ  
 تعالیٰ جبراً قہراً اس کو ہدایت پر نہیں لاتا  
 اور کون ہے جو ہدایت پر لائے (کوئی نہیں)  
 کیا تم اس کو ایمان پر مجبور کرتے ہو۔ پس  
 تم اختیار نہیں کرتے۔

اور کہتے ہیں کہ جس بات کی طرف تو ہم کو بلاتا  
 ہے اس سے تو ہمارے دل پر دوں میں پڑے  
 ہیں یعنی تیری بات ہم کو بہاتی نہیں۔ اور  
 نہ ہمارے دل کفایت ہے اور ہمارے کانوں  
 پر بوجہ پڑے ہیں یعنی ہم سنتے ہی نہیں اور  
 ہمارے اور تمہارے درمیان ایک بھاری  
 پردہ دھیل ہے۔ سو تیرے وعظ سنائے گا  
 کیا فائدہ تو اپنے غور پر عمل کئے جا۔ اور ہم  
 بے طور پر کئے جاتے ہیں۔

جس طرح یہ لوگ خود اپنی مرضی اور اختیار سے  
 اس کتاب پر پہنچے ذلہ ایمان نہیں لائے  
 اسی طرح ہم بھی ان کے ایمان نہ لانے کی  
 وجہ سے ان کے دلوں اور سمجھوں کو سمجھنے  
 اور دیکھنے سے اٹھائے رکھتے ہیں۔ اور  
 جو سرکشی اختیار کر بیٹھے ہیں۔ اسی میں ہم  
 ان کو چوڑ دیتے ہیں۔ بھٹکتے پھرتے ہیں۔

یہی لوگ ہیں جو نصیحت سن کر بھی خوف ہوئے  
 رہتے ہیں اور اپنی ہوائے نفسانی کی پیروی

وقالوا قلوبنا فی اکتھ  
 احمّا تدعوننا الیہ وفی  
 اذاننا وقد اومن بنینا  
 وبنینک حجاب  
 فاعمل اننا عاملون۔

ونقلب انشد قہم و  
 بصار ہم کما  
 یومنون بہ اول مرۃ وذلہم  
 فی طغیانہم یجہون۔

اولئک الذین طبع اللہ  
 علی قلوبہم واتبعوا ہواہم



کرتے ہیں اللہ تعالیٰ بھی ان کے دلوں پر ہدایت کا دروازہ بند کئے رہتا ہے۔

قل هو للذین آمنوا ہدیہ وشفاء والذین لا یؤمنون فی اذانہم وقوف وھو علیہم عمی اولئک ینادون من مکان بعید۔  
 اسے نبی کہے کہ یہ قرآن شریف ایمان والوں کیلئے ہدایت و شفاء ہے اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کے لئے شفا نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کے کانوں پر بوجہ ہے۔ کہ وہ اسے سنتے ہی نہیں۔ اور ان کی آنکھوں میں تار بنائی ہے کیونکہ یہ دیکھتے نہیں۔ گویا ان کو دور دراز فاصلہ سے بلایا جاتا ہے کہ جہاں سے کچھ سنتی ہی نہیں دیتا۔

ولکن من شح بالکفر صدر افعلیہم غضب من اللہ ولہم عذاب عظیم۔ ذالک بانہم اسلحوا حیوا لا دنیا علی الاخرآء وان اللہ لا یھدی القوم الفاسقین۔  
 اولئک الذین طبع اللہ علی قلوبہم وعلی سمعہم وابصارہم واولئک ہم الغافلون۔ لیکن جو لوگ اپنی مرضی و اختیار سے کفر کے لئے سینہ کھول دیتے ہیں۔ تو ان پر خدا کا غضب نازل ہوتا ہے۔ اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے اور اس عذاب غضب کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنی مرضی سے دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دے رکھی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ وہ بھی زبردستی ایسے کفر اختیار کرینے والوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ یہی لوگ ہیں کہ خدا نے بے نیازان کے دلوں اور کانوں اور آنکھوں پر ہدایت کا دروازہ بند کئے دیتا ہے۔ اور یہی لوگ ہیں جو غفلت کی وجہ سے اپنے اسباب حصول ہدایت یعنی دل۔ کان۔ آنکھ کو معطل اور بے کار کر بیٹھے ہیں۔

کن الذک یطیع اللہ علی قلوب الکفرین۔ جس طرح پہلے لوگ اپنے

رسولوں کی تکذیب کر کے ایمان سے محروم ہوتے رہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ جو بے نیاز ہے ان کافروں کے دلوں پر یہی ہدایت کا دروازہ بند کئے رہتا ہے۔

کَلَّا بَلْ وَانْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ کوی نہیں انکی بڑے نے ہی ان کے دل پر زنگار لگا دیا ہے۔ سورہ کہس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ تَنْزِيْلُ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ لَتَنْذِرًا لِّقَوْمًا مَّا اَنْذَرْنَا اَبَاوَهُمْ فَهُمْ غَافِلُوْنَ یہ قرآن شریف (شکروں پر) زبردست اور (مومنوں پر) رحم کرنے والے خدا کی طرف سے اُتر رہا ہے۔ تاکہ ان لوگوں کو ڈرائے جن کے باپ دادوں کو تاملِ غلطی الہی سے نہیں ڈرایا گیا۔ اور وہ اس وجہ سے غافل ہیں۔

لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰی اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۔ ان میں سے اکثروں پر ہر طرحِ حجت الہی پوری ہو چکی ہے۔ اس پر بھی وہ ایمان نہیں لاتے۔

اِنْ جِئْنَا بِاَعْتَاْقِهِمْ اَعْلَآ فَنُھٰی اِلٰی الْاِذْتَانِ فَهُمْ مَّقْبُوْنٌ وَجِئْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَلَنْشِئُوْهُمْ فِتْنًا لَّا يَجْعَلُوْنَ لِحُكْمِ اللّٰهِ سُبُوْنًا اللّٰہ کے موافق، ان کی گردنوں میں بہاری بہاری طوق ڈال دئے اور وہ ٹھوڑیوں تک پھینے ہوئے ہیں تو ان کے سر ایسے اُل کر رہ گئے ہیں کہ ان کو رستہ دکھائی ہی نہیں دیتا اور ہم نے ایک دیوار اُن کے آگے بنا دی اور ایک ان

سے لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰی اَكْثَرِهِمْ اِس کے معنی ہیں ان پر اتنا حجت اور الزام الہی پورا ہو نیلے کے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ اس سورہ میں آگے فرماتا ہے اَنْ هُوَ لَا ذِكْرَ وَتُقْرٰنٌ مَّبِيْنٌ لِّتَنْذِرًا مِّنْ كَانَ حَمِيًّا وَيَحْتٰی اَنْفَعَالًا عَلٰی الْغٰفِرِيْنَ ۔ نہیں ہے یہ قرآن مگر ذکر اور پڑھنے کے قابل فہم و بینج کلام تاکہ اس شخص کو جس کا دل زندہ ہو نصیحت قبول کرے واللہ اعلم۔ اسے اور شکروں پر خدا کا الزام اور حجت پوری کرے +

بچے اور اوپر سے ان کو ڈھانک دیا تو یہ دیکھ ہی نہیں سکے۔  
 دسوائے علیہم اندام تھم ام دم تنذر ہمدلا یومنون۔  
 اور ان کے لئے بکسان ہے تو ایسی ڈرا کے یا نہ ڈرائے۔ وہ ایمان لاتے  
 والے ہی نہیں۔  
 روح حق کے سامنے کی اب تھلنے سے یہ وہی تھلنے بیان فرمائی ہیں۔  
 میں حق پہنا ہوا اور ہر ایک کو یہ بتایا تھا کہ جبکہ محمد  
 آگے دیوار پیچے دیوار اوپر سے جھونپڑی صاف تھی۔ تو کبھی سب سے  
 غرض کئی سیٹی۔ ناحق کی نہ۔ ان کو پھر میں تم سے ہوئے ہیں۔ ان  
 کو ایمان کا رستہ دکھائی نہیں دیتا۔ نہ آنحضرت کا زمانہ ان کو کچھ کام  
 دیکھتا ہے۔

آیہ۔ انما تنذر من اتبع الذکر وحشی الرحمن بالغیب فیشر کا  
 یعنی تنذر واجب کو پھر۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فائدہ دے  
 سکتا ہے جو بھانے پر پڑا اور بن رہی تھی۔ یہ رحمان کے ڈرے تو ایسے  
 شخص کو تم مغفرت اور عزت کے اجر کی نہ شجری سادو۔ انما نحن  
 فی الموقی وکتب ما قد مواثنا۔ ہمد وکل شیء احصیند  
 فی امام مبین۔ ہم ہی روحانی راویوں کو زندہ کرتے ہیں اور جو کچھ  
 انہوں نے آگے بڑھا اور ان کے آثار خیر و بد سب ہم کھ رہے ہیں۔  
 اور ہر شے کو ہم نے لوح محفوظ میں بہ تفصیل لکھ رکھا ہے یعنی سب  
 باتیں ہمارے علم میں ہیں۔

## دین میں جسب نہیں

قل یا ایہا الناس قد جاءکم الحق من ربکم فمن اھتدی فانہ  
 یمتدی بنفسه ومن ضل فانہ یضل علیہا وما نا علیکم  
 جو کیل۔ کہہ دے اسے لوگو تمہارے پاس رب کی ہدایت سے حق آچکا ہے  
 پھر جس نے نہ راست اختیار کیا تو اپنے ہی گمراہی کے اختیار  
 کیا ہے اور جو بھٹکا تو وہ بھٹا کر اپنا ہی پتہ کھو گیا ہے۔ اور میں تم

پر وارد ہو تو ہوں کہ جبراً راہ راست پرے آؤں۔  
 ومن بعد الله فهو المختار و من يفضل فلن تجد لهم  
 اولياء من دونه و تحشرهم يوم القيامة على وجوههم  
 عمياء و بكما و صما و اوهم جہنم کا ماحبت زر نہ ہر  
 سحریر۔ ذالک جزاء ہم یا نہم کفر و بایتنا وقتا لو  
 اذ اکن عظاما و رفاتا و انما لمبعوثون مخلقا جدید  
 بنی اسرائیل اور جس کو خدا ہدایت دہی راہ راست پر ہے اور جس  
 کو وہ گمراہ کرے دینی گمراہی میں رستہ دے، تو پھر اسے بنی اسرائیل  
 گمراہوں کے لئے تم خدا کے سوا اور کوئی مددگار نہیں پاؤ گے۔ اور  
 قیامت کے دن ہم ان لوگوں کو ان کے موبوں کے بل اٹھائیں گے  
 انہی اور گونگے اور بہرے ان کا آخری ٹھکانا جہنم ہے جب فرو ہونے  
 لگے ہم اور آگ بڑھا دینگے۔ یہ ان کی سزا ہے۔ اس لئے کہ انہوں  
 نے ہماری آیات کا اپنے ارادہ و مرضی سے انکار کیا اور انکھوں  
 کانوں اور زبان سے کچھ فائدہ نہ اٹھایا، اور کہا کرتے تھے کہ جب ہم  
 مرکز ہڈیاں اور چورا چورا ہو جائیں گے تو کیا ہم از سر نو اٹھا کر کھڑے  
 کئے جائیں گے۔

فان لم یسألجبیلث فاعلم انما یبعون اھواھم و من  
 اضل ممن اتبع ھوہ بغیر ھدی من اللہ ان اللہ لا  
 یھدی القوم الظالمین۔ پس اگر وہ تیری بات نہ مانیں تو جان  
 لے کر وہ حق کی نہیں۔ بلکہ مرفعت اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی  
 کر رہے ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہے کہ خدا کی طرف  
 سے تو اس کے پاس ہدایت آ رہی ہے اور وہ اس کو چھوڑ اپنی  
 نفسانی خواہش کی پیروی کرے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ خود سر اور  
 ظالم لوگوں کو جبراً راہ راست پر نہیں لایا کرتا۔

و لست بعثنا فی کل امۃ رسولا ان اعبدوا اللہ و اجتنوا الطواغیت  
 فمنہم من ھدی اللہ و من ہم من خفت سلیمہ الضالۃ  
 حسیرونی الارض فانظر و اکیث کان عاقبة المکذبین



اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ کیا خدا زبردست ہدایت دے والا نہیں۔ قل ان الله يضل من يشاء ويهدي من يشاء ولا تقبلن قلوبكم بانكر الله لكم من نعمه انما هي فيكم فمما توشكون ان تنسوا۔ یعنی تم کو کہہ دے کہ اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دے گا۔ مناسب کہنا ہے کہ اگر ہی میں چوڑ دیتا ہے ہدایت سے محروم رکھتا ہے۔ اور بار بار اپنے انبیاء کے اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اس کو اپنی طرف پہنچانے پر رستہ دکھا دیتا ہے۔ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور ان کے دل کو یاد خدا سے تسلی ہوتی ہے اور سن رکھ کر یاد خدا سے دلوں کو تسلی ہوتی ہے۔ وما ارسلنا من رسول الا بقضائنا قومك فتبني الله من يشاء ويهدي من يشاء۔ واللہ هو العزيز الحكيم۔ اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا۔ مگر کہ اس کی قوم میں سے جو چاہتا ہے ہدایت دے گا۔ ان کو اپنی طرف سے ہدایت دے گا۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ جس کو مناسب دیکھتا ہے ہدایت سے محروم رکھتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ زبردست حکمت والا ہے بغیر حکمت کے کوئی کام نہیں کرتا۔ ظالمان ہدایت کو ہدایت سے محروم نہیں کر سکتا۔ اور ہدایت سے دور ہونے والوں کی ہدایت نہیں کرتا۔ اور ان کو ہدایت پر جبر نہیں کرتا۔ سورہ طہ میں ہے۔ انزلنا من السماء ماء فاصله الله على علم وحكم على سمعه وقلبه وجعل على بصره غشاوة فمن يهديه الله فلا تضل له ولا تقبلن قلوبكم انما هي فيكم فمما توشكون ان تنسوا۔ یعنی اللہ نے اپنے اختیار سے اپنی خواہشات نفسانی کو سبوتا کر رکھا ہے۔ اور اس کو علم و عقل کے ہوتے ملتے چھوڑ دیا اور اس کی کرتوتوں کی پاداش میں اس کے کان اور دل پر غبر لگا دی ہے۔ اس کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہے تو جب غبر نے اسے چھوڑ دیا تو اس کے سوا اسے کون ہدایت کر سکتا ہے۔ کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے۔ وقالوا ما هي الا حياتنا الدنيا فانوت ونحيا وما يهلكنا الا الدهر اور ان کا یہ بھی قول ہے کہ ہماری نفسی دنیا کی زندگی ہے

ہم اس میں لجا بیٹھے ہیں۔ اور وقت پرہ جاتے رہے۔ اور زمانہ انجینس ہی ہم کو ایک وقت کے بعد مار دینا کرتا ہے۔

ولو شاء الله لمحقكم امة واحدة ولوكن بفضل من يشاء۔  
 دے دی من یشاء ولتسلطنن شما کنتم تعلمون در گنہا مجبور کیا  
 چاہتا۔ تو تم سب کو ایک ہی امت دے گا، بناوٹیا۔ لیکن اللہ جس کو چاہے  
 ہدایت سے محروم رکھتا ہے اور جس کو مناسب سمجھتا ہے ہدایت دیتا  
 ہے۔ اور تم مزدور اور اپنے اعمال سے پوچھے جاؤ گے۔ انھن زین  
 لہ سوء عملہ فراہ حسنا فان اللہ یفضل من یشاء۔ ویجہدی  
 من یشاء فلا تذهب نفسک علیہم حسرات والذہب  
 یصنعون۔ جلاؤد شخص جس کو اپنا عمل بہلا ہی بہلا دکھائی دیتا ہے  
 اور وہ اس کو اچھا ہی سمجھتا ہے (ہدایت دینے جائیکے لائق ٹھہر  
 سکتا ہے) بات تو یہ ہے کہ اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہی میں چھوڑتا ہے  
 اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ تو ان لوگوں پر افسوس کر کر کے  
 اپنی جان نہ کھو دے۔ جیسی جیسی کرتے ہیں یہ لوگ کر رہے ہیں۔ اللہ  
 تعالیٰ انکو خوب جانتا ہے۔

بل زین للذین کفروا مکر اھم وصدوا عن السبیل ومن  
 یضل اللہ فما لہ من ہاد۔ مکر وہ کو اپنی چالاکیاں بہلی معلوم  
 ہوتی ہیں۔ اور یوں راہ راست سے رُکے ہوئے ہیں۔ اور جس کو  
 اللہ چھوڑ دے اس کا کوئی مادی نہیں۔

سورہ نساء میں ہے۔ فالکفر فی المنا فقین فتین واللہ  
 ارکسھم جماعا کسبوا اتدینون ان تمہدوا من اصل اللہ  
 ومن یضل اللہ فلن تجد لہ سبیلا۔ وڈوا لو تکفرون  
 کما کفروا فتکونون اسموا اللہ پس اسے مسلمانو! تمہارا کیا حال ہے کہ  
 منافقوں کے بارے میں دو فریق ہو رہے ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے  
 ان کی کئی باتوں کی سزا میں ان کی (مذہبوں) کو اوندھا کر دیا ہے۔ کہا  
 تم اوس شخص کو ہدایت دے سکتے ہو۔ جس کو اللہ نے گمراہ کیا (یعنی  
 گمراہی میں چھوڑ دی) اور جس کو اللہ ضلالت میں چھوڑ دے (اور

ہدایت پر مجبور نہ کرے) اس کے لئے ممکن نہیں کہ تم کوئی راہ نکال سکو۔  
 سورہ روم میں ہے۔ **بَلِ اتَّبِعِ الَّذِينَ ظَلَمُوا هَؤُلَاءِ هُمْ لِبَعْرِ عِلْمٍ، فَنَسُوا**  
**يَهْدِي مِنَ افْتِلَاحِ الدِّينِ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ**۔ بلکہ بن لوگوں نے  
 دشمن کر کے، انہم کی۔ انہوں نے اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی  
 کی اور ہدایت اچھی سے محروم ہو گئے۔ سو جس کو اللہ تعالیٰ  
 ہدایت سے محروم رکھے، اس کو کون مدد دے کر سکتا ہے۔ اور  
 خدا کے مقابلہ میں ایسے لوگوں کا کوئی مددگار نہیں۔

خلاصہ آیات مذکورہ یہ ہے۔ **فَنَسُوا بَیِّنَاتٍ الَّتِي كُنَتْ**۔ مسنونہ کتاب  
 عقیدہ جہاد کا تم حق یعنی وہ تہذیب جو وہ **الَّتِي كُنَتْ**۔ مسنونہ کتاب  
 دینی اور بے پرواہی سے خود بنا دیتے۔ اور اختیار سے تہذیب  
 حق سے روگردانی اور نفرت کر دیتے۔ اور ان حق کی  
 طرف آنے کو ان کا دل چاہتا ہے۔ یہ حال ہے بھلائیوں سے  
 جہاد و قہراً ایمان قبول نہیں کرتا۔ نہ اس کے لئے کسی نفع ہے  
 نہ اسے کسی کے مومن و ملحق ہونے کے پروردگار کی طرف  
 جھکتا ہے۔ اس کو توفیق خیر دیتا ہے۔ اور جو اس کی طرف سے  
 بے پرواہی اختیار کرتا ہے۔ وہ بھی اسے جہاد و قہراً ایمان کی طرف  
 نہیں لاتا۔ بلکہ وہ **وَيَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ** ایسے لوگوں کو  
 ان کی سرکشی میں ہی چھوڑ دیتا ہے۔ جسکے رہنے ہیں۔

یہ ساری باتیں فتنہ کرنے والوں کی کہانیاں ہیں۔ صرف  
 یہ درجہ امور ہیں جنہیں انسان ابتدا اپنے ارادہ سے  
 اختیار کر لیتا ہے اور انہیں **بِقُوَّةِ** کے اہل اختیار و استمرار کو  
 اور ان کے اعتقاد و قرینہ علمی۔ غلات۔ اکثر خستہ و خیزہ سے تعبیر فرماتا  
 ہے اور ان کے نتیجہ کو ختم۔ طبع۔ غفلت۔ اضلال۔ اغشاش سے تعبیر فرماتا  
 ہے کہ ان کی ہدایت کو ترک کر دینا اور خدا کے لئے کافراً  
 و خبیثاً انہیں۔ ان کی طرف نہ لانا ہی ختم۔ طبع۔ اضلال و خبیثہ ہے جس  
 طرح کفار اور معاندین دین ہدایت کی خواستگاری کے لئے تہذیب و  
 تمدن و تقویٰ چھوڑ دیتے ہیں۔ اور اپنے دلوں کو اس طرف سے ہٹا



کر رکھتے ہیں۔ اسی طرح ہدایت ربانی بھی ان سے پہلے بنتی رہتی ہے۔  
یہی حال ان کی آنکھوں اور کانوں کا ہے۔ غرض کہ جو اسباب حصول  
ہدایت اللہ تعالیٰ نے دے رکھی ہیں۔ اگر ان کو برعکس پرتا جائے  
تو ہدایت بھی انکی طرف دھڑکتی ہو جی آئے گی۔ اور اگر ان کو محض  
اور بیکار کر کے ہدایت کی خواہش نہ کی جائے تو یہ سارے اسباب  
محض بے کار ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ جبراً و قہراً کسی فرد بشر کو ہدایت کی  
طرف نہیں لانا چاہتا۔ جب لوگ ہدایت قبول کرنا نہیں چاہتے۔  
تو اللہ بھی ہدایت نہیں دیتا۔ لوگ بے غرض اور بے پرواہ ہو جاتے  
ہیں۔ تو خدا سے بے نیاز بھی بے غرض اور لاپرواہ ہو کر ان سے کوئی  
خواہش کے مطابق معاملہ کرتا ہے۔ ختم و مبع و غیرہ کا یہ مطلب ہرگز نہیں  
کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ہی آپ اپنی طرف سے ابتداء لوگوں کے دلوں  
پر نہیں وغیرہ لگا رکھی ہیں۔ اور ان پر جبر کر رکھا ہے تاکہ ایمان نہ  
لا سکیں۔ عاशा وکلا ایسا ہرگز نہیں ہے نہ ہو سکتا ہے وہ عادی ذات  
جس نے دنیا کی رونمائی بہتری کے لئے انبیاء صلیہ علیہم وسلم بھیجے ہیں  
انتظام کئے۔ کیا وہ ایسا کر سکتا ہے کہ آپ سے آپ لوگوں کو ہدایت  
پر نہ آنیکے لئے جبر کرے بلکہ قرآن شریف کے تمام مواضعات میں  
یہی وہ ہے کہ جب کفار نے خدا سے تعلق قطع کر دیا تو اللہ تعالیٰ  
بھی ان کو ان کی حالت کفر و فسق و ظلم و بغاوت و زین و غیرہ  
وغیرہ میں بدستور بحال و برقرار چھوڑ دیتا ہے۔ جس طرح کو وہ خود بخود  
اپنی دلی خواہش اور حقیقی محبت کے ساتھ جارہے ہیں۔ جبراً و قہراً اللہ  
تعالیٰ بھی ان کو اس طرف سے بند نہیں کرتا اور اس وقت تک وہ  
ان کو ایسی حالت پر رہنے دیتا ہے۔ جب تک وہ حالت خود چھوڑیں  
نہیں۔ پس یہ ختم و مبع و غیرہ صرف معلق اور عارضی ہوتا ہے۔ اگر  
لوگ ہدایت کی طرف نہیں آتے تو اللہ تعالیٰ بھی ان کو ہدایت  
نہیں دیتا۔ اگر وہ اپنے کفر و عناد کو چھوڑ دیں۔ تو اللہ تعالیٰ  
بھی ان کو ہدایت دے دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کسی سے خدا اور  
خداوت نہیں ہے۔

انسان کی موت تک اللہ تعالیٰ کے انسان کے ساتھ ایسے ہی تعلق رہتے ہیں۔ انسان کفر کو چھوڑ دے۔ تو اللہ تعالیٰ بھی ہدایت کا دروازہ اُن پر کھول دیتا ہے۔ انسان کبر و فسق کو چھوڑنا نہ چاہے تو خدا تعالیٰ بھی چاہیت کی راہ پر لانے کے لئے اس پر جبر نہیں کرتا۔ بلکہ اوسکو اسی حالت میں چھوڑ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے فان تابوا واصلحا فاعضوا عنہما ان اللہ کان تواباً رحیماً۔ اگر تو ہر گز اپنی حالت درست نہ کریں۔ تو پھر ان کو کچھ نہ کہو۔ اس لئے کہ اللہ کی یہی صفات ہیں۔ کہ جو لوگ کفر اور گناہ سے رجوع کر کے اسکی طرف آتے ہیں وہ بھی اپنے غضب کو چھوڑ کر رحمت کی طرف رجوع کرتا ہے اور اُن پر اپنا فضل اور رحم کرتا ہے۔ ومن یصل سوء او یظلم نفسه شعلہ یستغفر اللہ یجد اللہ غفوداً رحیماً۔ اور جو کوئی بُرا کام کر بیٹھے یا اپنے نفس پر ظلم کرے پھر اللہ سے وہ گناہ بخشواوے تو اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا ہر مان پاوے۔ وہ روکنے والی ہستی نہیں۔ فوراً اپنی ہر بانی سے معاف کر دے گا۔ اُن خدا کی طرف قدم اٹھائیں ہی نہیں۔ تو اللہ کو بھی کچھ پہواہ نہیں۔ کل ما یعبا بکم ربی دعا لکم۔

مذکورہ بالا آیات سے ظاہر ہے کہ ختم۔ لمیع۔ غشاوہ۔ وقر۔ غمی وغیرہ یہ سب باتیں بندے کے خود اپنے ہی اختیار کے پہلے کفر و عناد کا نتیجہ اور ثمرہ ہیں۔ اور ان سب کا وجود بھی عارضی اور مطلق ہوتا ہے۔ اگر انسان اپنے کفر و عناد کو چھوڑ کر اللہ کی طرف انابت اور اخلاص کے ساتھ آنا چاہے۔ تو اللہ تعالیٰ اُس کے دل اور کون اور دل اور زبان سب کے سب ہدایات کے لئے کھول دیتا ہے اور اُسے ایمان اور اعمال حسنہ کی توفیق دیتا ہے اور اس کے سارے کچھ گناہ معاف کر دیتا ہے۔

اور اگر انسان اس طبع آنے کی پرواہ نہیں کرتا اور ہدایت باطلی کو حاصل نہیں کرنا چاہتا۔ تو پھر اللہ تعالیٰ بھی اسکی کچھ پہواہ نہیں

کرتا۔ نہ تو وہ قہر یان کے ساتھ پہلاتا ہے۔ بلکہ اس کو اسی حالت میں  
 برستو۔۔۔ بن جہو دیتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ اسی حالت میں مر جاتا ہے اور جہنم  
 کا ایذا من بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تو یہ کار و بار و موت  
 تک کھاتا ہے۔ اگر کوئی شخص ساری عمر آفتاب ہریت کی روشنی اپنے  
 کھاتا دلا میں آئے نہ دے تو خدا ابھی اس کی پر وہ نہیں کرتا  
 اور امان اپنی نہ ہو میں کہی فوت بھی اللہ تعالیٰ کی ہدایت  
 کو۔۔۔ شہنی مہول نہ دیتا ہے اور دل بہ دروازہ گھول دے۔ تو  
 اللہ تعالیٰ ہی نہ دے گی روشنی اس کے دل تک پہنچ دینا ہے  
 اور اُس کو نہ دے اب نہ سوار کے ورائی گھ اے جنت میں  
 جا دیتا ہے۔





قابل ہیں۔ ہندو بھی سب کے سب شیطان کے وجود کے قابل ہیں۔  
بجز نیچے والوں اور آریوں کے جنہوں نے سرسید: ورنڈت دیا تھو  
مہستی کسی تعبد سے شیطان سے انکار کیا ہے۔

شیطان کو غلط قریباً کل دنیا کی زبانوں میں پایا جان اُس کے  
جو، کو شبت اور ہے۔ شیطان کے لغوی معنی باطل اور دوران  
فدح وغیرہ ہیں۔ اس کے لغت کے شخص بھڑان اور خیر و فلاں  
سے اور ہو گئے ہیں شیطان کہتے ہیں۔ اس واسطے شیطان کا اطلاق  
قرآن شریف میں ہماروں اور کافروں پر بھی آیا ہے۔ یہ  
کہ ۳۰ بقرہ: ۱۷۷۔ وَاذْخُلُوا فِیْ شِیْءٍ صَیْئِمٍ  
اور ۲۰ باب: اپنا شیطانوں (یعنی ہماروں اور کافروں) کے پاس عدت میں  
جائے میں

شیطان کا نام ابلیس بھی ہے جو بس سے بنا ہے۔ جس کے  
سے نا امید و مکار ہیں چونکہ شیطان نے حضرت آدم سے سب  
سے پہلے مکر کیا و دانو کھیلنا اس کے مکار کہلا یا اور خلافت ارض  
جو چاہتا تھا اُس سے خردم ریا اس لئے نا امید ہوا۔

شیطان کا پہلا نام عوازیل تھا۔ ایل یعنی خدا کا رموز  
عزت دیا ہوا، واقعی فرشتوں میں اُسکی بڑی عزت تھی۔ لیکن  
پاور ہوا تناس کرنے و خدا تعالیٰ کی اطاعت چھوڑ دینے کی وجہ  
سے شیطان کہلایا و حضرت آدم سے مکر کھیلنے اور خلیفہ برحق سے  
اعراض اور خدا کی رحمت سے نا امید ہونے کی وجہ سے ابلیس  
دیدوں میں اسی شیطان کو رکشس کہا ہے اور اس سے بچنے  
کے لئے نئی دیو سے مدد و حفاظت چاہی۔ رگوید منڈل اول سکت ۴ میں یاجو  
اگنی (اسے اگن رکشس۔ شیطان سے اندر نہیں) پاہی (محفوظ رکھا)

पाहू जग्ने रक्षा पाठधुरी रक्षण  
पगदावित उतना विदासतो वह डारा  
पविशत ॥ २ ॥

پاریسوں کی دساتیر میں لکھا ہے۔ ہوز سکیم دہناہ نامتاً ہوں (درناس رہ  
نے وان) ہر برناس (بدخو) وز ماس (بد معاش) ہر شبور (دہکائے والے)۔  
بدراہ کرنے والے ہر دیو شیطان سے، پاریسوں نے شیطان کے ماننے  
میں پہا تک غلو کیا ہے۔ کہ اُسے خدا کے مقابل ایک دوسرا خدا باقی  
تہو مضامین سر آہر من قرار دیکر د خداؤں کے قابل ہو گئے۔ یہی  
شیطان حضرت عیسیٰ کو آزمائے آیا۔ اس کا بائبل میں بھی کئی  
جگہ ذکر ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ شیطان خاص شخص اور اُس کی  
نوع کا نام ہے۔ نوٹ: تیرہ پانچس ارہ نہیں اور نہ اولاد آدم  
سے۔ بدو حد کا نہ تعلق مادہ نہ ہے۔ نہ چو بندہ جو اسے  
ملحق ہے۔ اس دہستہ میں سے جو بندہ ہے وہ بھی حس بھراسانی سے  
یو شیعہ رہتا ہے۔ لہٰذا نہیں۔ خلق الجان من ماسج من نام  
اسد تعالے نے جن لوگ کے شعہ سے پیدا کیا۔

شیطان میں بہ نسبت دوسرے جنات کے مادہ دھانیہ زیادہ ہے اس  
واسطے وہ شر کہ جلدی قبول کرتا ہے اس کو تمام اہل مذاہب نے  
اباک روح سے بہ کیا ہے۔ لہٰذا تعالےٰ قرآن شریف میں فرما  
ہے۔ کان من الجن فضعف من اہر وہ وہ جنات میں سے ہے۔  
پس اپنے آپ کے علم سے نہ نکل رہا ہے۔ پھر باقتدار تہارت کے شیعہ  
کی اقسام ہیں۔ جہوت۔ پرہ۔ ویت۔ جنہ کے زیادہ تر بہرہ  
ہے اُس کا نام ابیس ہے۔ رکوبہ کے مذکورہ مذہب ابیس  
سے پیدا ہوئی ہے۔ آج کل کے بہرہ کو شیطان کی زنت سے  
انکار نہیں۔ صرف یہ اندیشہ ہے کہ یہ تہرہ نہ کیا ہے۔  
اشخاص نے اکابر ان دین حق سے شیطان کو ہمیشہ شوہر دیکھا ہے  
اور اولیاء اللہ اب بھی دیکھ سکتے ہیں۔ مابہرہ تمام اہل ہس طرح  
پاک روحوں سے بات چیت کر سکتے ہیں۔ اسی طرح جنات و شیائین

سے خدا تعالےٰ نے جو شیطان کو محبت دی تو اس سے نوع شیطان کا بقا ہی مراد  
تھا کچھ ضرور نہیں کہ ابتدائی شیطان تعالےٰ زندہ ہو



نہیں شیطان کو اللہ تعالیٰ نہ دیکھا اور نہ کبھی پیدا نہیں کیا تھا۔ اور نہ ہی اس کا اللہ تعالیٰ سے واسطہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی حالت میں پیدا کیا تھا۔ اور وہ پہلے خدا کے عباد میں سے تھا لیکن حضرت آدمؑ پر خدا اور تلمیحی وجہ سے چار ملاقات میں کر گیا حضرت آدمؑ کو خدا کی نظر سے دیکھا۔ ان کی ملاقات نہ کی۔ خدا تعالیٰ نے حکم نہ مانا۔ گمراہ ہو گیا۔ اور ہوائے متعفن کی وجہ سے اسے شہر اور مظہر نہ سوا کر مصل و فضل کا مصداق بن گیا۔

شیطان کے لئے نہ کرنے کی مثال ہوائی طرح سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو اس قدر فی رندگی کی حالت میں نہیں پیدا کیا لیکن وہ بہت وقار سے اسے بار بار متعفن ہوا کی وجہ سے دیکھا اور برکت کا وسیع سامانی سے پر ہو کر اس سے پہلے کا بندوبست کر کے کر کے اسے یہ بھی پر عمل کرے۔ اس جو اسے متعفن رہتا ہے۔ یہ نہ کہ شیطان پر ہوا ہے۔ اس سے اس ہوا میں زیادہ چٹا پیر۔ وہ اپنے ہاتھوں اپنے پاؤں پر کھٹاڑی مارتا ہے۔ اور آخر کار بڑک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جو شخص تقویٰ اور طہارت سے پر ہیزگاری اور صاف باطنی اختیار نہ کرے۔ اور اس سے بچاؤ کا بندوبست نہ کرے۔ ضرور شیطان کے تھے چڑھ جاتا ہے لیکن جو شخص کلام الہی پر عمل کرے۔ تقویٰ اور عبادت جو ہنر لہر ہے و صفائی کے ہیں اختیار کرے ہوائے متعفن شیطانی سے محفوظ رہتا ہے۔

## شیطانی ہوائے متعفن سے بچنے کے لئے

### عمدہ نسخہ کیا ہے؟

اس ہوائے بد سے بچنے کے لئے عمدہ نسخہ کلام ربانی و ہدایت یزدانی ہے



جوانہ تھلے سنا زل فری ست۔ جس صحن پر وہائی اور متعفن ہوا  
 میں انسان کو بدوں اور کپڑوں کی صفائی اور غورک میں پرہیز و بند  
 ہے۔ سی طح میں متعفن ہوا سے بچنے کے لئے گناہوں سے پہ ہیز  
 آتوے، اور اس کی صفائی اور طہارت کی ضرورت ہے۔ جو شخص تھوئے  
 اور طہارت اختیار کریگا اس کو خدیان کا مطلق ذر نہیں نہ شیطان  
 اس پر قابو پا سکتا ہے۔ نہ اُسے بُر مشورہ دے سکتا ہے۔ جو شخص  
 اپنے نفس اور ہوا سے مشورہ لینے ہی نہیں کی تیجان تہید و  
 تقویت کرتا ہے۔ جو لوگ بہادر اور دیہ ہیں وہ ہوائے نفسانی اور  
 قوت شیطانی کا بڑے دوست و مقاربہ کرتے ہیں۔ انہیں تیجان  
 کا کچھ بھی خوف نہیں۔ بلکہ وہ اس میدان کو بڑی کامیابی کے  
 ساتھ فتح کرتے اور عزت و حرمت کا تاج سر پر رکھ لیتے ہیں  
 انہ لیس لہ سلطان علی لذین امنو و علی ربہم  
 یتوکلون۔

## اضلال شیطانی کی مثال

شیطان کے گمراہ کرنے کی مثال سانپ کی طرح ہے۔ شیطان میں بھی شرارت  
 طبعی ایسی ہو گئی ہے۔ جیسے کہ سانپ میں زہر موجود ہے جس طرح  
 سانپ کے زہر سے انسان کی حیات روحانی پر ملامت وارد ہوتی  
 ہے اور اسی وجہ سے الہامی محاورہ میں شیطان کو سانپ اور  
 بڑے سانپ سے بھی استعارہ کیا گیا ہے۔ لیکن جس طرح سانپ  
 کسی شخص کو ڈنگ نہیں مار سکتا نہ مارتا ہے۔ جب تک کہ کوئی  
 انسان اس کی زد پر نہ آجائے یا آپ اپنا پاؤں اس کے منہ  
 میں نہ ڈال دے اسی طرح انسان بھی کسی شخص کو گمراہی کے زہر  
 سے ہلاک نہیں کر سکتا۔ نہ کرتا۔ جب تک کہ ایک انسان خود اس کی  
 طرف قدم نہ اٹھائے اور اس کی زد میں نہ آئے۔ سانپ کو اللہ تعالیٰ  
 نے ہی پیدا کیا ہے۔ اس کے اندر مادہ زہر بھی اُسی نے رکھا ہے

مگر انہیں نہ تو سانپ کو دکت کا حکم دیتا ہے نہ سانپ کو دکت کے لئے چوڑا ہے۔ نہ  
 کسی انسان کو سانپ کے دکت کرنے پر وہ راضی ہے۔ بلکہ اس کے برعکس اس  
 کا ایشاد ہے کہ موزی جانوروں سے بچلے ہو۔ انکی زد میں نہ آو۔ وہاں  
 ان کے کاٹنے کے اپنی حکمت کا ملہ سے کئی قسم کی تریاقی ٹش رو۔ در  
 زہر کی دوا میں پیدا کریں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے شیطان کو پیدا کیا  
 ہے اور سمیت ابلی کی وجہ سے جو اسے تھن کی طرح اس کا مادہ خاصہ  
 جو کہ مہر اسہ شر اور محض شر ہو گیا ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے شیطان  
 کو نہ تو انسان کے گمراہ کرتے کا حکم دیا ہے نہ گمراہ کرنے کے لئے چوڑا  
 ہے۔ نہ شیطان کے کسی کو گمراہ کرنے پر راضی ہے۔ بلکہ اس نے اپنی  
 کتا برس میں اپنے حکماء و علما و انبیاء و سلا کی مہانت صاف کہل  
 دیا ہے کہ اس کی طرف قدم نہ اٹھانے۔ نہ اس کے نام میں آنا۔ بلکہ  
 اس کو بد۔ مبین سمجھنا اس سے بچنا رہنا اور صورت نیکیاں  
 کے کسی کو نہ دکر دینے کے اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال حکمت۔  
 تمام کی رہنمائی دوا میں پیدا کر رکھی ہیں۔ اس شیطان نے نہ کوئی بہ  
 نہ۔ آپ کرنا خدا کے دبا میں رہنا پانا۔ استغواہ استغواہ  
 کرنا۔ اس شیطان نے یہ تریاق ہے۔ اسلام ربانی کا پڑھا۔ خدا کو  
 یاد کرنا۔ اس کا منتر۔ ہاں جس طرح سانپ چاہتا ہے۔ کہ جو شخص  
 میری زد میں آ جاوے اس پر اپنا ڈنگ چلاؤں۔ اسی طرح شیطان  
 بھی ارادہ کرتا ہے کہ میں انسانوں پر اپنا ڈنگ چلاؤں۔ ان کا ایوان  
 لے جاؤں۔ انصاف یہ فیضان ان یوحہ بینکم العداۃ والہتداء۔  
 لیکن صرف سانپ کے چاہنے سے کوئی شخص شیطان سے ذرا نہیں  
 جاتا۔ وہ تو جیسا اس کا خاصہ ہے برابر ڈنگ چلاتا چاہتا ہے۔ یہ آگے  
 انسان کا اختیار ہے۔ کہ وہ سانپ کی طرف قدم نہ اٹھائے۔ اس  
 سے احتیاط رکھے۔

کیا شر شیطان سے ہے



پس وہ سہ ہشتین ہوجا رہے و قبضناہم قرناہم فیہما الہم  
ما بین ایدہما و ما خلفہما و حق علیہم القول فی ام قد خلت  
من قبلہم من الجن و الناس الہم انما خاہدین۔

تو بتایا کہ یہ سب شیطان انہیں دلوں کو اپنے جگہ میں بیگین کرتا  
ہے۔ جو ان کی سنتوں کو بدلتا ہے۔ اور جو ان کو بدلتا ہے۔ اور جو ان کو بدلتا ہے۔  
کی طرف پہنچے۔ جہالت۔ ان پر عمل کرتے۔ تنوں اور جہالت اختیار  
کرتے ہیں۔ ان کی سنتیں ان کا خود قول ہیں۔ لا غوینہم۔  
اجمعین۔ الاحباب۔ انہیں میں ان سب کے بھگتے ہیں  
سوی روز کا۔ مگر جو تہ سے خالص مجلس بند ہیں۔ وہ میرے قابو میں  
نہیں آسکتے۔ اور اللہ تم ہی ارادہ فرماتا ہے۔ ان سب کی لیس  
لک علیہم الا من التبعث من الغا دین میرے بندے  
پر تیرا کچھ اثر نہیں ہے۔ بجز ان لوگوں کے جو گمراہوں میں سے  
تیرے پیچھے سوچا ہیں۔ اپنے۔ دنیا کی نسیانی نسیاں اختیار کر کے  
اور شیطان کی طرف کھینچ جائیں اور پھر سورہ نحل میں اللہ تم  
فرماتا ہے انہیں سب سلطان علی الذین امنو علی ربہم  
یتوکلون۔ انما سلطانہ علی الذین یتولونہ والذین ہم  
بہ مشرکون۔ بات یہ ہے کہ بلاشبہ ان لوگوں پر شیطان کا قابو  
نہیں۔ جو یہ نالتے اور اپنے رب پر ہمدرد کرتے ہیں۔ اس  
کا قطع تو انہیں لوگوں پر ہر جو جس سے محبت رکھتے۔ اور اللہ کے  
شریف ٹھہراتے ہیں۔

شاہ عبدالقادر دہلوی اپنے ترجمہ قرآن شریف میں سورہ ابراہیم  
کے حاشیہ پر فرماتے ہیں کہ شیطان کا زور نہیں انسان پر۔ بلکہ مشورت  
دیتا ہے بدی۔ وہ ان کو اپنا بندہ بناتا ہے۔

قیامت کے دن جب لوگ شیطان پر اصرار دینگے تو۔ امت  
بھی جی۔ جی کہے گا۔ کہ مجھے نہیں کچھ جبر اور تشدد نہیں ہے۔ میری  
تم کو اپنی طرف بلاتا ہے۔ جیسا کہ سورہ ابراہیم میں  
فرماتا ہے۔ وقال الشیطان لما قضی الامر ان اللہ وعدکم

وعدا الحق و وعدتک نا خلقتکم ط و ما کان لی علیکم من سلطان  
الا ان دعوتکم فاستجبتم لی ۛ فلا تلو موئی و لو مو انفسکم  
ما ان بمصر حکم و ما انتم بمصرخی ط ان کفرت بواللہ کتھون  
من فبد ان الظالمین للہ عذاب الیم و رب اغیر  
فیصد ہر پچھلے شیطان وگوں سے کہے گا کہ خدا نے تم سے سچا وعدہ  
کر لیا تھا سو اس نے پورا کیا۔ اور میں نے تم سے وعدہ کیا۔ مگر میں نے  
تمہارے ساتھ وعدہ خلافی کی۔ ۛ۔ تم میرے کچھ جبر زور تو تھا نہیں۔ مگر  
بات انبی ہی حق کر میں نے تم کو اپنی طرف بلایا۔ و تم نے میرا کہنا مان لیا  
تو اب نبی الزام نہ ۛ۔ ۛ۔ اپنے تئیں الزام دو۔ سچ نہ تو میں تھری  
فریاد کو پہنچ سکتا ہوں اور تم میری فریاد کو پہنچ سکتے ہو۔ میں تو سرے  
سے ماننا ہی نہیں۔ جو تم ٹھکرو اس سے پہلے دنیا میں شریک خدا بناتے  
تھے۔ اس میں شک نہیں کہ جن وگوں نے شیطان کا کہاں کر اپنی جانوں  
پر غلام کیا۔ ان کو دردناک عذاب ہوگا۔

پس بلاریب شیطان کہ از خود کسی پر تسلط نہیں۔ مگر انسان  
آپ خدا سے داخل ہو کر شیطان کو اپنی طرف بدلتا۔ ورسکتے  
اور نسیج داتا ہے۔ نہ اس کی طرف جائے نہ اس سے اپنا وامن چڑھا  
شیطان کسی کو نہ گناہ پر مجبور کر سکتا ہے نہ کرتا ہے۔ ماں غافلوں کا ہوا  
اور ان لوگوں پر جن کی ایمانی طاقت کمزور ہے۔ یہ متعفن ہوائے  
و بانی جلد اثر کر جاتی ہیں۔ اور شیطانی ہواؤں کے مطلوب ہو کر  
شیطان کی طرف کھینچ جاتے ہیں۔ اور ہلاکت اخروی ان کے خیب  
ہوتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فویق حدی و فریق  
حق علیہم الضلالة ایک گردہ ان کا بدایت پاگیا۔ اور  
ایک گردہ پر ضلالت ثابت ہوئی۔ کیوں؟ انھم تحذوا انفسہم  
اولیہ۔ من دون اللہ و یحسبون انھم مهمتہ۔ و ان  
ان یہ لوگوں نے خدا کو چھوڑ دیا زمین کو اپنا رفیق خیرین۔ ۛ۔ خیال  
کر رہے کہ وہ بدایت پر ہیں (اعراف)

پس جو شخص شیطان کی طرف میل کرے اور اس کے بس میں رہے









ممنی ہے کہ اس پر مخالف بندوں پر تو ہرگز قابو نہیں پاسکتا۔ اکل  
 من اتبعك من الغارین۔ گڑباز جو لالچ وغیرہ میں آکر تیرے پیچھے  
 ہوئے تو تجھ سے ہرگز نہیں بڑھ سکتا۔ یاد رکھ اگر تو نے ایسا ہی بہکایا تو میں  
 تجھ کو اور تیرے تابعین سب کو دھنل جہنم کرونگا۔ وان علیک لعنتی  
 ائی یوم الدین قیامت تک تجھے لعنت ہے اور ساری دنیا تجھ کو ملعون  
 ملعون پکارے گی۔

## خدا تعالیٰ نے شیطان کو کیوں پیدا کیا جو انسان کو گمراہ کرتا پھر تباہ ہے

یہ سوال بعینہ اس نام کا ہے جس سے کبھی نہ کہہ کر خدا تعالیٰ نے دوزخ کے  
 جانوروں کو کیوں پیدا کیا۔ جو ایسا وقت انسان کو پھانسی ڈالتے  
 ہیں۔ یا زہر کو کیوں پیدا کیا جس سے بہانہ وقت انسان ہلاک  
 ہو جاتا ہے۔ یا جو آلودگیوں کا تعفن کر دیتا ہے۔ عود یا۔ سفید اور  
 طاعون کا موجب ہو کر مہلک ہو جاتی ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے دنیا میں  
 اچھی چیزیں بھی پیدا کی ہیں بُری بھی۔ سیاہ بھی۔ سفید بھی۔ میٹھی بھی  
 کڑوی بھی۔ خوشبو بھی۔ بدبو بھی۔ زہر بھی۔ نوشدارو بھی۔ تم زہر  
 مت کھو۔ دوزخ کے بس میں نہ پڑو۔ ہوئے متعفن میں نہ پھرو۔  
 بدبو اور کڑوی چیزیں مت کھاؤ۔ تمہیں کس نے بُری چیزیں استعمال  
 کرنے کی ہدایت کی ہے۔ خدا تعالیٰ نے تو صاف فرما دیا ہے ان  
 لا تعبدوا الشیطان انه لکم عدو مبین اس کے بس میں  
 مت آؤ۔ اس کی اطاعت مت کرو۔ وہ تمہارا صریح دشمن ہے  
 وہ غول راہ طاقت ہے اور اس کی اطاعت زہر بلا ہل ہے۔ نہو ات  
 نفسانی کی پیروی مت کرو۔ بد پرہیزیوں سے بچو۔ شیطان  
 ہوئے متعفن سے محفوظ رہو۔ غرض کہ ہر طرح تمہارا اختیار ہے  
 بد پرہیزیاں کرو گے۔ اچھے حکیم حقیقی خدا تعالیٰ کی نافرمانیاں کرو گے

تو امراض شیطانی کے بس میں پڑ جاؤ گے۔ اور اس کا ذہن تمہارے ہر جزو بدن میں رچکر سراسر شیطان اور شیطانی روپ بن جاؤ گے اور عاقبت کو برباد کر لو گے۔ اس کے بس میں نہ آؤ گے۔ عظیم حقیقی حکم مانو گے۔ اس کی ہدایات یعنی کلام ربانی پر عمل کرو گے۔ پرہیز (تقویٰ) اور صفائی و طہارت اختیار کرو گے تو اس ہوائے بد سے محفوظ رہو گے۔ تو جس طرح کہ زہر اور زہریلی ہوا اور دہندوں کا تمہارے اوپر تسلط نہیں۔ مگر تم اس کے بس میں پڑ جاؤ تو تم کو وہ ہلاک کر دیتے ہیں ایسا ہی شیطان کا تمہارے اوپر تسلط نہیں ہے۔ مگر انسان کو غافل اور کاہل دیکھ کر آچھاڑتا ہے۔ اور انسان کو ہلاک کر دیتا ہے۔ پس تم ہوشیار اور چوکنے رہو۔ اس کے بس میں نہ آؤ۔ آسمانی چیزیں و ہدایات ربانی اپنے پاس رکھو۔ وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ شیطان ایک ابتلا الہی ہے۔ جس کی مخالفت اعلیٰ درجہ کی کاہلیہ کا تاج پہناتی ہے۔

## آریہ کا اعتراض

کیا شیطان خدا سے زور آور ہے جو ارادہ

الہی دنیا میں پورا نہیں ہونے دیتا۔ اور

ایک دنیا کو گمراہ کر رکھا ہے

شیطان بگڑ خدا سے زور آور نہیں ہے وہ ایک منٹ میں شیطان اولیٰ

جہنم والیوں کو ہلاک کر سکتا ہے۔ لیکن اس کی رحمانیت نے جو ہر ایک کافر و  
 فاجر۔ مومن و عارف کی پرورش کر دی ہے۔ اور اپنی رحمت عامہ سے وہ ہزاروں  
 اور نیکوں پر اپنا سوچ چمکاتا اور فضل کا مینہ برساتا ہے۔ شیطان کو تمام  
 مخلوق کی طرح قیامت تک جہنم دے رکھی ہے۔ شیطان کی حماقت تھی  
 جو اس نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ رب ناظر الی یوم یبعثون  
 اسے دیر۔ یہ بچے اپنے لئے دن تک جہنم دے۔ خدا تعالیٰ نے سب  
 مخلوق کو مدت دے دی تھی۔ یہی چیز ہے مانگنا یہ نہیں کہ حق نہا  
 غنیمت اللہ تعالیٰ نے تمام جن رائی اور شیاطین کو قیامت تک جہنم  
 دے رکھی ہے۔ یہ ایک کو نیک بہرہ کرنے کا اختیار ہے۔ وہ کسی کے افعال  
 میں دخل نہیں دیتا۔ فضل دینا چاہے تو ایک دم میں تمام دنیا کو مسلمان کر دے  
 اس کے ارادہ کو کوئی روک نہیں سکتا ہے۔ اور شیطان کیا چاہے۔ جو  
 ارادہ الہی کا مزاحم ہو سکے۔ لیکن اس لئے کسی پر جبر نہیں کرتا نہ  
 کسی کی گردن پکڑ کر ہدایت کی طرف لے آتا ہے۔ جو شیطان حضاہل  
 اختیار کرتا اور شیطان کی طرف قدم ڈالتا ہے اس کا اپنا قصور ہے۔ شیطان  
 بھی اپنے خدا داد اختیار کو بجا استعمال کرنے سے مردود و مطرود مشہور و منظر ہر شر  
 بنا۔ جبر اس پر بھی کسی قسم کا نہیں کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے استطاعت نیک و بد کی تیز محفل۔ فطرت۔ سلمہ عطا فرمائی  
 ہزاراں ہزار انبیاء و مرسل اپنی کتابیں اور اپنی رضامندی کے اسباب  
 دنیا پر نازل فرمائے۔ اس پر بھی جو شخص گمراہی اختیار کرے۔ اس  
 کا قصور ہے اور خدا تعالیٰ تو کسی کے نیک یا بد ہونے کی پرواہ رکھتا اگر  
 تمام دنیا نیک ہو جائے تو اس کی یا دشاہت میں کچھ بڑھ نہیں جاتا۔ اور  
 اگر ساری دنیا فاجر و نامق۔ بدکار اور شیطان ہو جائے۔ اس کے کلیں  
 کچھ گھٹ نہیں جاتا۔ البتہ ان سوانح اور روکوں میں جو شخص ابتلا یا ش  
 کے میدان کو پہلے تک کر آگے نکل جائے وہ مرد میدان ہے۔

پھر جو اعراض شیطان کے وجود پر ہو سکتا ہے وہی دنیا کی پیدائش پر  
 ہے۔ کہ کیا اللہ تعالیٰ ایسا ہی کمزور اور بے بہت اور عاجز ہے کہ اس کی مرضی  
 اور ارادے بغیر دنیا میں بے انتہا مذہب باطل پھیل گئے ایک دنیا

گمراہ ہو گئی۔ اس کی بے خبری میں یا جبراً اس کی منشا کے برخلاف اس کے راج میں بیٹھ اور اچھس پیدا ہو گئے۔ اور وہ کسی کو نہیں مار سکتا۔ اگر بیچوں اور اچھسوں کی اسے خبر ہوتی یا اس کی قدرت سے باہر نہ ہوتے یا وہی جبراً اس کے دیں میں نہ آتے تو پہلے ہی سے سب کو اپنے تابع رکھتا۔ نہ خود ہی اُن کو اتنا بھاگ دکھاتا۔ نہ آریہ درت کے بادشاہ بناتا۔ اور خود ہی اُن کے ماتھے سے گلے استوائی وید دھرم کی توہین کرا کر اور جبکہ وہ اپنے اپنے مذہب کی عمدہ عمدہ تعلیم اس کے دھرم پوتروں کو دے چکے۔ اور ان گنت آریوں کی عزت لے چکے۔ اس وقت کہ جن کی نیند سے دید کے پریشور پیدا ہوئے۔

آریوں کی مرضی کے برخلاف ۵۰ کروڑ بدھ۔ ۲۰ کروڑ مسلمان۔ کروڑ ۱۰ عیسائی۔ دیدوں کے کذب آریوں کو گمراہ کر نیا لے دنیا میں موجود ہیں کیا یہ خدا کی بے خبری سے پیدا ہو گئے ہیں۔ اور کیا خدا ایسا ہی کمزور ہے۔

برہمنی حالت کرا حیرت نازید ۱ کہ ایشراہیں چنیں غفلت نازید

## شیطان کے وجود میں کوئی فلسفہ نہ

### راز بھی ہے؟

ہاں شیطان کے وجود میں ایک فلسفہ راز بھی موجود ہے۔ بات یہ ہے کہ اگر انسان کی سرشت خیر محض ہوتی اور اس کی طبیعت کلیتہً خیر ہی کی طرف مائل ہوتی اور اسے بدی کا میلان تک نہ ہو سکتا۔ تو پھر اُس کے وجود میں کوئی فضیلت اور شرف کی بات نہ ہوتی۔ لائقیت امت کا میلان طبیعت بدی کی طرف ہے ہی نہیں۔ اور ان کا بچہ ہی خیر کی طرف ہے۔ پس اُن کے لئے نیک ہونا کوئی فضیلت اور

شرف کی بات ہیں۔ کیونکہ شرکی طرف ان کا جھکاؤ ہو ہی نہیں سکتا۔ پس کمال کیا ہوا۔ کمال یہ ہوتا ہے کہ ایک وجود جس کی طبیعت میں بُرائی اور بھلائی دونوں کی طرف میلان ہے۔ شر کا زور کے ساتھ مقابلہ کر کے میدان جیت جائے۔ اور خیر کی طرف متوجہ ہو جائے۔ پس کمال ہمیشہ جذبات نفسانی کا مقابلہ کرتا ہے۔ ایک بیخود یا خوجہ اگر زنا کی طرف مائل نہیں۔ تو یہ اُس کا کوئی کمال نہیں۔ وہ زنا کی طرف رغبت ہی نہیں رکھتا۔ ایسا ہی جس شخص کی آنکھیں نہیں۔ وہ بد نظری سے بچنے کا ثواب حاصل نہیں کر سکتا۔ جس کے کان نہیں وہ بُری باتوں کے سننے سے بچنے کا اجر نہیں لے سکتا۔ تو بات یہ ہے کہ انسان کا کمال جذبات نفسانی کے مقابلہ سے ہے۔ اور یہی امر اس کے لئے کمال اور شرف اور فضیلت کا موجب ہے۔ جس کی وجہ سے وہ اثرات المخلوقات کہلاتا ہے۔

پس خدا تعالیٰ نے جس طرح انسان کے اندر دو قوتیں پیدا کر دی ہیں ایک شہوانی جو انسان کو دنیا میں کی ادنیٰ خواہشات کی طرف کھینچتی ہے اور دوسری عقلی جو فحشاء و فحشا سے بڑے کام سے روکتی ہے۔ اسی طرح اس تعالیٰ نے خاچے میں جی ہر ایک انسان پر ایک لہ شیطان غرق کر دیا ہے۔ اور ایک فرشتہ جو شخص کو اپنے شہوانی کو ترجیح دیتا ہے اور ہوائے نفسانی کا بندہ بنتا ہے۔ اُس کی لہ شیطان تائید کرتا اور اپنے رنگ سے رنگین کر دیتا ہے۔ اور جو شخص خوائے عقلیہ کا غالب رکھتا اور ہدایت ربانی کا پابند بنتا ہے۔ اس کی فرشتہ آسمانی مدد کرتا اور اپنے رنگ میں رنگین کر لیتا ہے۔ اور اس طرح دونوں قسم کے لوگ اپنے اپنے افعال کے موجب اپنے اپنے مقام کی طرف کھینچے جاتے ہیں۔ ہوائے نفسانی کے بندے او بیار الشیطان بن جاتے ہیں اور اسفال السافلین میں جگہ پاتے ہیں اور ہدایت بھلائی پر عمل کرنے والے او بیار الرحمان کی طرف کھینچے جاتے ہیں۔ اور آسمان پر پرواز کر جاتے ہیں۔ ہر ایک فرقہ اپنے اپنے مرکز اور مقام کی طرف کھینچا جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فریقا

ہدی و فریقاً حق علیہم الصلاۃ لانہم اتخذوا الشیطن  
اولیاء من دون اللہ الخ

جس طرح انسان کی اندرونی قوائے شہوانی پر عقل غالب آکر  
میدان مارتی اور بازی جیت جاتی ہے۔ اسی طرح مادی الی الخیر  
و خیر محض کی تاثیر جاذب شر پر غالب آکر اور عشق الہی میں تمام  
خار دار جھاڑیوں سے گذر کر مرد میدان کی طرح انسان ساحل  
قرب پر جا پہنچتا ہے۔ اور ابدی وصال محبوب سے شلذذ  
ہو جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آنحضرت م نے فرمایا ہے جفت النار بالشہوات  
و جفت الجنة بالمکارۃ۔ ہاں زہر کو بھی اللہ تعالیٰ نے بالارادہ  
بنایا ہے۔ لیکن کسی کے کھانے پر راضی نہیں۔ اور اگر کوئی بے احتیاطی  
سے یا جان بوجہ کہہ کر مر جائے۔ تو نہیں کہہ سکتے کہ خدا نے اسے  
زہر کھلا کر مار ڈالا۔ یا اس کے ہلاک کرنے پر راضی تھا بلکہ اگر جان  
بوجہ کر کھایا ہے۔ تو یہ امر خود کشی بذات خود ایک جرم میں داخل  
ہے۔ پس اگر شیطان کو خدا نے بالارادہ بنایا ہے۔ اور وہ ہوائے  
مستن کی طرح بگڑ کر منہر شر اور منبع شر ہو گیا۔ تو خدا تعالیٰ کی ہرگز  
ہدایت نہیں ہے۔ کہ لوگ اس کے قابو میں آئیں یا اس کی طرف  
قدم اٹھا کر جائیں۔ بلکہ وہ ایک روک سے زیادہ نہیں ہے۔ کہ اُس  
سے گذر کر اور اس کی کچھ پرواہ نہ کر کے عاشقان الہی قرب ربانی کا  
میدان جیت لیں۔ اور ایک ابتلا سے بڑھ کر نہیں۔ تاکہ خدا کے  
خالص غرض اور سرکش بندے پر کھ جائیں۔

ہم کو اللہ تعالیٰ نے اطلاع دی ہے کہ شیطان جلد باز تمہارا  
دشمن ہے۔ تمہیں خدا کی یا وہ سے غافل اور کاہل دیکھ کر اپنا  
اثر ڈالنا شروع کر دیتا ہے۔ جس سے ہم ہر وقت چوکتے رہ  
کتے ہیں۔ اور خدا کی یاد سے غفلت اور کاہلی کو دل میں راہ ہی  
نہیں دیتے۔

# اسلام

## گناہ کی نسبت بائبل اور حکماء کے خیالات

اسلام نے انسان کو فطرتی گنہگار اور شریر بالطبع نہیں ٹھہرایا۔ نہ اسلام کی تعلیم ہے کہ کوئی شخص جادہ شریعت پر ٹھیک ٹھیک نہیں چل سکتا۔ بلکہ قرآن شریف کے موافق تمام انبیاء و شریعت کی اتباع کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کے بیشمار بندے قلمبند معصومین اور اخیار سے ہیں اور ہو سکتے ہیں۔

الذین یجتنبون الکبائر والعصا حشاکم اللہ۔ وہ لوگ جو صغیرہ گناہوں اور بے حیائیوں سے بچتے رہتے ہیں۔ بجز معمولی سہو و خطا کے دجو انسان کی فطرت میں مرکوز ہے) اسلام کے رو سے سب معصومین تکلفین اور صادق مومنین میں داخل اور حقیقی نجات کے وارث ہیں۔ اسلام کے رو سے ہر شخص کبائر اور فواحش سے بچ سکتا ہے۔ اور معمولی لغزشوں سے توبہ کر کے آئندہ کو اپنی حالت درست کر سکتا ہے۔ اور ابدی حیات کا وارث ہو سکتا ہے۔ بخلاف آریوں کے جن میں بوجہ ایک گناہ یا سہو و خطا کے بھی معاف نہ ہو سکنے کے کوئی شخص نجات نہیں پاسکتا۔ اور عیسائیوں کے جن کی کتاب مقدس میں انسان کو فطرتی گنہگار اور طبعی شریر ٹھہرایا گیا ہے۔ چنانچہ عیسائیوں کی کتاب مقدس میں ہے کہ کوئی انسان زمین پر ایسا صادق نہیں کہ نیکی کو تلاش نہ کرے (واعظ ۷ باب ۱۲) اور ایوب ۱۴ باب ۴ میں۔ یہاں تک پہنچا سکیا گیا ہے کہ کون ہے جو ناپاک سے پاک نکالے اور زبور ۱۴ باب ۵

میں ہے کہ دیکھ میں نے بُرائی کی صورت پکڑی اور گناہ کے ساتھ میری  
ناں نے مجھے پیٹ میں لیا۔

یہ میاہ ۱۷ باب ۹- یسعیاہ ۶۴ باب ۷ میں ہے کہ دل سب چیزوں سے  
زیادہ جلد باز ہے۔ اور وہ نہایت فاسد ہے۔ اُس کو کون دریافت کر سکتا  
ہے۔ ہم تو سب کے سب ایسے ہیں۔ جیسے ناپاک چیز۔ اور ہماری ساری  
استبازیاں ہندی دھجی کی سی ہیں۔ اور ہم سب پتے کی طرح کھلاتے ہیں  
اور ہماری بدکاریاں آندھی کی مانند ہمیں آڑائیں گی۔  
رومیوں کے ۳ باب ۳ میں ہے کہ بہوں نے گناہ کیا۔ اور خدا کے  
دھماکے سے محروم ہیں۔ حکماء کے اقوال بھی اس کے قریب قریب  
ہیں۔

چنانچہ ارسطو کا قول ہے۔ بنی آدم ایک ناتواں شکل اور ڈھکنی گنبد  
اور حسد اور دودھ کے جہد کے سوا کچھ نہیں ہے۔  
بطلیموس کا قول ہے ہر ایک شے اپنی اصلیت کی طرف رجوع  
ہونے سے باز نہیں رہتی۔ پس انسان جو گناہ کرتا ہے۔ اُس کا  
ذاتی منش ہے۔

لوکیدس کا قول ہے۔ سارے آدمی گناہ کرتے ہیں۔ کیا ظاہر ہیں۔ کیا  
باطن میں اور بُری ہواؤ ہوس عقل کو نابینا کرتی ہے۔ اور اس طرح گناہ  
پورا ہوتا ہے۔

جالیئوس کا قول ہے کہ آدمی بالذات شریر اور گناہ کا طالب ہے  
اور اگر تہذیب اخلاق نہ ہو تو یقین ہے کہ بد سے بدتر ہو جائے۔

پلوتارک کا قول ہے کہ بُری ہواؤ ہوس پیدائش ہی کے وقت  
سے انسان میں پیدا ہوئی ہے۔ نہ یہ کہ پیدائش کے بعد اس میں ملتی  
ہو۔ اور اگر آدمی کو نصیحت اور تنبیہ نہ کرتے تو گمان ہوتا ہے  
کہ وہ جگلی جانور سے بھی زیادہ وحشت ناک ہوتا۔

اتقلیدس کا قول ہے کہ بدی انسان کا اپنا نتیجہ ہے۔

قراطیس کا قول ہے کہ جیسے ہر اتار میں ایک گلا ہوا دانہ ہوتا ہے۔  
ایسے ہی ہر آدمی میں بُری آندہ الہتہ ہوتی ہے یہاں تک کہ کوئی نہ گناہ



نہیں ہے۔

بقراط کا قول ہے کہ اگر تعلیم و تعلم اور درس و تدریس حکماء کا ایک لچر اور بیہودہ کام ہے۔ تو ضرور انسان سے مبرا ہے والا بد ہے۔  
کلائیسس کا قول ہے کہ اگر انسان کا دل ایک ناطق اور موکد شاہد ہے کہ وہ بدی اور شرارت کی طرف بہ دل رجوع ہے۔ یہ امر وال ہے اس کی خطا کا۔ ی۔ پی۔

فرزانہ لاؤمی کا قول ہے کہ انسان کو زیبا ہے کہ اچے بڑے دل کی شرارت سے ہمیشہ منفعل اور خجل اور سرنگون رہے۔

## گناہ کب سے شروع ہوا

اس بات کے بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ کہ گناہ کب سے شروع ہوا۔ جب سے اللہ تعالیٰ نے کسی ہستی کو افعال و اعمال کرنے کا اختیار دیا۔ اور وہ اپنے اختیار سے خدا کی مرضی کے مطابق یا اس کی رضا کے برخلاف اپنے قوائے اور اعضاء کو استعمال کرنے لگا۔ تب ہی سے گناہ شروع ہوا۔

گناہ کب سے شروع ہوا۔ لوگوں نے اس کی نسبت مختلف خیالات ظاہر کئے ہیں۔ اور ہر ایک فریق نے اس مضمون کے بیان میں طویل و طویل رام کہانی بیان کی۔ مگر ہم اس مضمون کرنے میں وقت ضائع کرنا نہیں چاہتے۔ کہ گناہ کب سے شروع ہوا۔ جیسا کہ اکثر اقوام نے اس کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ بلکہ ہم ان نتائج کو بیان کرنے کی کوشش کریں گے۔ جو علما انسانی افعال پر مرتب ہو رہے ہیں۔ اور ہم نہیں سمجھتے۔ کہ اس سوال کی کیا ضرورت ہے کہ گناہ کب سے اور کہاں سے شروع ہوا؟ ایک شخص کی آستین میں سانپ ٹھس گیا ہے۔ تو کیا اب اسے یہ معلوم کرنے کی کوشش کرنی چاہئے کہ سانپ سفید ہے یا کالا ہے اور وہ کس طرح سے اس کی آستین میں آگھسا۔ یا یہ کہ اس کے مارنے کی جلدی ملکہ کرے؟ ایک تھوڑی سی عقل کا آدمی بھی

اس بات کو آسانی سمجھ سکتا ہے کہ اس شخص کی جان آخر الذکر کوشش سے ہی  
 بچ سکتی ہے۔ نہیں تو اول الذکر کوشش کے رو سے وہ اپنی منطقی دلائل  
 کا شکار ہو چکا۔ اور اُس کی جان اپنے فلاسفرانہ خیالات کی نذر ہو چکی۔  
 مگر افسوس ہے کہ ان لوگوں نے مجھ جو گناہ پر سوچتے ہیں۔ اس اول الذکر  
 کوشش پر ہی عمل کیا ہے۔ اور وہ بھی اس خیال میں غلط ہیں کہ  
 ہیں کہ گناہ کہاں سے آیا؟ اس فلسفی کاوش کی وجہ سے اس مسئلہ  
 کی صورت ایسی خطرناک بن گئی ہے۔ کہ محسوم الفطرت انسان کو  
 دنیاوی نسی الاصل مذاہب کے اختراع و ایجاد کی ضرورت پڑ گئی  
 اور نتائج و کفار و کفر لادخل سما کے اختیار کرنے پر آخر کار وہ کوشش  
 منتہی ہو گئی۔ مگر ہم اس پیاز کے چلنے کی طرح تہ در تہ محسوس ہونے پر کچھ  
 بھی غور کرنا نہیں چاہتے اور اسے لا اصل سمجھ کر اسی جگہ ختم کرتے ہیں  
 کہ گناہ ہے کہیں سے آیا۔ اور کسی وقت سے شروع ہوا۔ بلکہ اتنا  
 ضرور بیان کر چکے۔ کہ

## ”گناہ کیا چیز ہے؟“

قاعدہ ہے کہ ایک امر کی پوری تحقیق اور تدقیق کے بعد جو نتیجہ  
 نکلتا ہے۔ اُسے مختصر الفاظ میں دنیا کے پیش کیا جاتا ہے۔ یا یوں  
 کہو کہ دریا کوڑے میں بند کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اکثر اوقات  
 ان نتائج کی ضرب انگلیں نجاتی ہیں۔ اور دنیا ان پر پورا  
 اعتقاد رکھتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے مشن سے یہ امر خارج  
 تھا۔ کہ وہ ایک مسئلہ کے متعلق طویل طویل کچھ دیتے۔ یا فلسفانہ  
 محسوس کہتے۔ اور نہ انہوں نے ایسا کیا ہے۔ اور انکی بعثت کی یہ  
 بھی غرض نہ تھی کہ احکام کے عمل و اصرار سے بحث کرتے۔ اور  
 ہر ایک امر و نہی کی نسبت و لایذہ تقریبیں کرتے۔ ان کا روئے  
 سخن جذب و جذب۔ علم۔ جاہل۔ شہری۔ دیہاتی سے ایک  
 ہی وقت میں ایک ہی سے الفاظ میں جگہ ایک ہی بجھتے۔

ہے۔ اس لئے وہ ابام ربانی اور القادر رحمانی سے آخری نتائج کو قطعی اور محکم طریق پر بیان فرمادیتے ہیں۔

نصرت انبیاء تک ہی یہ طریق محدود ہے۔ بلکہ حکماء بھی اسی پر عمل کرتے ہیں۔ غرض جیسے حکماء نے اشیاء کے خواص کے تجربہ کے بعد نتیجہ کے طور پر کسی شے کو گرم اور کسی کو سرد قرار دیدیا۔ ایسے ہی انبیاء نے بھی اعلیٰ علام الہی سے کسی شے کو حلال اور کسی کو حرام کسی کو جائز کسی کو ناجائز کسی کو گناہ اور کسی کو ثواب کہا۔

## پھر گناہ کیا شے ہے؟

علم مجھ کے لوگوں کو تو شاید اتنا ہی کہتا کافی ہو گا۔ کہ خدا کی مافرمائی کا نام گناہ ہے۔ جب ایک انسان خدا کے حکم کے موافق اپنے قوائے اور اعضا کو کام میں لگاتا ہے۔ یہ خیر اور ثواب ہے اور جب اُس کی مرضی کے برخلاف استعمال کرتا ہے اور افراط و تفریط کی طرف لڑل ہوتا ہے۔ وہ گناہ اور شر ہے۔ خدا کے حکم کی مثال صراط مستقیم و سڑک سیدھی کی سی ہے۔ کہ جو لوگ اس سڑک پر چلے جائیں جو اللہ تعالیٰ نے تجویز کی وہ نیکی اور ثواب کا کام کمانے والے ہیں۔ لیکن جو لوگ اس سڑک سے ادھر ادھر پھل کر چلیں وہ بدی اور شر کی طرف مائل ہیں۔

لیکن فلسفانہ مزاج والے لوگوں کی اس جواب سے تسلی نہیں ہوتی۔ ان کو جب تک فطرت کے آثار و نتائج اُن کے سامنے پیش نظر کر کے فلسفانہ ڈھنگ میں نہ سمجھایا جائے مطمئن نہ ہونگے۔ اس لئے اُن کے مذاق کے موافق اعلیٰ انسانی اور اس کے نتائج و آثار بیان کر کے فلسفانہ ڈھنگ میں گفتگو کی جاتی ہے۔

## گناہ کی فلاسفی

کل اقوام عالم میں گنہگار جوئے کا خیال مشترک طور پر پایا جاتا ہے

ہر ایک زبان میں ایسے الفاظ ملتے ہیں جو ثنوت و رعونت کا نازیبا  
 لباس پہن کر انسان کی اصل خاکساری و اقصیٰ تذلل کے اظہار کا وسیلہ  
 بنتے ہیں۔ یہ خود پسند اکڑنے والی ہستی کیوں ایسے گمراہ گمراہ الفاظ  
 بولتی ہے؟ اس کے قلب کے اندر کس نے خجیان ڈال رکھا ہے۔ کہ تجھ  
 میں ضعف اور نقص ہے۔ ایک وقت انسان پورے زور آور واجب  
 استحقاق سے تعالیٰ کی لیکر "میں اور ہم" بولتا ہے۔ مگر غریب نااندیشہ  
 انقلاب واقع ہو جاتا ہے۔ جس کی تاثیر اس سے یہ "خاکسار" یا یہ  
 "مہذبہ ضعیف" یا "ذریعہ بقدر" کہلاتی ہے۔ اصل یہ ہے کہ اس کی بناوٹ  
 کچھ ایسی موضوع ہوئی ہے کہ بلا قید اور بلا قلوب ہر قسم کے دل میں گزرتے  
 والے جذبات و تمنیات اور رنگ کے ممکن الصدور افعال کے اظہار  
 اور ارتکاب کا اسے استحقاق حاصل نہیں۔ بعض جذبات و اعمال تو  
 واجب الانتمار تحت طاؤس پر اسے ممکن کرتے ہیں اور بیٹھے کانٹوں  
 کا تاج پہنا کر انسانیلیب سے لٹکتے ہیں۔ کبھی ایک عمل کے کرنے سے  
 اسے عزت و شہرت کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ اور ایک دوسرے فعل  
 سے ذلت اور بدنامی محرومی منہ دکھلاتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ انسان مطلق  
 العنان اور سراسر خود بناوٹ کا نہیں ہے اس کے اعمال و افعال  
 ایک قید اور حد کے اندر محدود کئے گئے ہیں۔ یا ایک کامل مکمل نبی علیہ الصلوٰۃ  
 والسلام کے نفوس میں یوں کہو کہ یہ محلی کے آس پاس ریوڑ چارہ ہے  
 اسے احتیاط لازم ہے کہ کہیں کوئی بیڑ محلی درکھ میں نہ جائے نتیجہ  
 یہ کہ اس کو اقتدار مطلق حاصل نہیں اور اس کے کلی اختیارات محدود  
 ہیں۔ کیوں؟ قانون سیاست تمدن و معاشرت لینے قانون قدرت ایک  
 طاہر ظالم حاکم ہے جو آزادی کا دشمن ہے اور اپنے بچوں کو دلی جذبات  
 کے آزادانہ استعمال سے خواہ مخواہ روکتا ہے۔ ایسا نہیں! قانون قدرت  
 اس کے لئے ہے اور یہ اس کے برکات سے منتفع ہونے کے لئے ہی پیدا  
 ہوا ہے۔ تو پھر اس کی حرکات کی جانب پڑتاں کیوں نہ کی جائے  
 کہیں اسی میں نقص تو نہ ہو جو نظام عالم کے بے عیب چہرے پر داغ  
 اختلال لگانے کا موجب ہو۔

مختلف اقوام .. مختلف ممالک کے سوچنے والے مختلف زبانوں میں  
اس ایک بات پر۔ بدستور بظہر متفق میں کہ سماج، انسانی دوستی کے پیچیدہ  
ایک قوموں کے متعلق اعمال حسنہ یا سائل۔ حیوانی اشیاء، انسانی  
میں جو برزخ میں بدلتے چلے آئے ہیں۔ مگر اخلاق۔ سائل تدریج سے شرم  
اور مسل اور بلا تبدیل ہم کو پہونچ رہا ہے۔ مگر ان انسانی مسائل کی غور و نشان  
خاترات کے دھلنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

ان حدود کو چاند جاتے۔ لئے کبھی ماتھ پاؤں مارے جاتے  
ہیں۔ ضرور۔ تو پھر ان پہ کیا تاج مرتب ہوتے ہیں۔ جھوٹ۔  
وغا۔ مزید۔ قتل۔ ذہنی وغیرہ صفات وادی کے اس روشنی مانند  
ہوتے ہیں۔ جس کا علاج مدت سے ایک بہاری چٹان سے بند کر  
رکھا تھا۔ بند کے ٹوٹنے پر معاً تیشی آبادیوں کو وہ رو بہٹ گئی۔ قدرتی  
نے طاقت کا خلد اور اخلاق حمیدہ میں یک تو خوبی ایسی رکھ دی ہے  
جس نے انہیں قبول طم کا زیور پہنا دیا ہے۔ اسپرین کی افساد  
یعنی طاقت رویہ کے چاروں طرف ہو نہک ظلم کھڑے کر رکھے ہیں  
دوسرے نظریات کی آنکھ میں ان کی بڑی سے بڑی تصویر کھینچ دی ہے اس  
لئے نہ کہ ان سب دیون کو ذرا آزادی ملی تو آدم کا کارخانہ  
زیر و زبر کر دیں گے۔ اب بھی یہ دیکھنا ہے کہ انسان ان اضل اور  
معاظ کا کیسے مصداق و سرور بنتا ہے۔ اور کیونکر وہ عبادہ قرار دیا  
جاسکتا ہے۔

انسان کی بناوٹ پر غور کرو تو اس کے بدن، اعضا و دھمیں باؤں کے  
مشق آئینہ۔ کان زبان۔ ہاتھ پاؤں وغیرہ جہانناہ شریعتیں دنیا میں  
پائی جاتی ہیں یا جس قدر اخلاقی اصول ہیں۔ ان سب کا تعلق انہیں  
کے ساتھ ہے۔ تاکہ میں یہ بھی قوت ہے۔ کہ خدا کی قدرت کا مشاہدہ  
کہ ان میں یہ بھی قوت ہے کہ خدا کی حمد اور ستائش سننے۔ اور  
یہ بھی کہ کسی کی چٹائی کرے یا کسی کو نیرا کہے۔ اور بڑے مبالغہات  
کا اظہار کرے۔

یہ بڑا سیاست ماتھ پاؤں وغیرہ بھی دوہری قوتیں رکھتے ہیں۔

غرض انسان کی ذہنی وجہیں اعضاء میں دو متضاد قوتیں رکھی گئی ہیں انسان بدوں کسی دقت کے ان سے کام لے سکتا ہے۔ پس یہ اعضاء ہیں۔ جن کے ساتھ اخلاقی شریعت بلکہ قوانین معاشرہ و معاہدہ کا تعلق نہیں نظر آتا۔

## اب گناہ کیا شے ہے

چونکہ اخلاقی شریعتوں کا تعلق انسان کے دو ذہنی اعضاء کے ساتھ ہے۔ اس لئے ضرور یہ ہے کہ ان کی بنیاد پر غور کی جائے۔ معلوم نہیں حکماء ان کی بناوٹ کس قسم کی بنائیں گے۔ اور رنگوں وغیرہ کا کیا کیا حساب لگائیں گے۔ مگر ہم اس بارہ میں اس اصول پر عمل کرتے ہیں کہ کام اپنے نتیجے سے چھاننا جاتا ہے۔ اور ہمیں نتائج سے بحث ہے پس ہمیں یہ دیکھنا چاہئے۔ کہ پاؤں نے شراب پینے کی عادت جانے سے یا چھلکے کی طرف جانے سے باوجود اسی ایک رفتار کو استعمال کرنے کے جس کا وہ عادی ہے۔ کس طرح اپنے احکام الحاکمین کو ناراض کیا۔ اور کیوں اس کی فطرت اسے گنہگار ثابت کرے۔ ہی قہی اس کا جواب یہی ہے کہ پاؤں کی اس رفتار کا نتیجہ انسان کے حق میں سخت مضر ثابت ہوا حالانکہ وہی رفتار کسی کالج کی طرف جانے آئے میں صرف کی جاتی۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ پاؤں کا صاحب ایم اے بی اے پاس کرتا اور امتحان مقابلہ میں اول نمبر رہ کر اسٹراٹسٹ کسٹرن بنتا۔ جیسے پاؤں کی دو مختلف رفتاروں کی دو متضاد نتیجے مشاہدہ میں آئے ہیں۔ ویسے ہی باقی اعضاء کو بھی قیاس کرنا چاہئے۔ وہی مضر نتیجے معاشرت اور تمدن کو بلکہ انسان کے جسم و روح کو تباہ ہلاک کر نیوالے نتیجے جن کے اسناد کے لئے اخلاقی و اعتقادی کی سر تاج جماعت فرقہ انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے۔ جن کے استعمال کو واجب الادب مقتضوں کی قابل قدر کوششیں ابتدا سے مختلف رنگوں اور ہیئتوں میں اپنا کام

کر قی پل آئی ہیں۔ کوئی نئی اصطلاح ان کے ظہار کے لئے وضع کرو  
کسی نقطہ میں ان بد اثروں کا نام ہو۔ وہی تو گناہ ہے۔

## لوگوں نے گناہ سے نجات پانے کے

### کیا طریقے نکالے

ہر ایک انسان خواہ وہ کیسی ہی حالت میں کیوں نہ ہو یہ قسم کرتا  
ہے کہ وہ گنہگار ہے۔ اور ایسا ہی ہر ایک قوم نے سمجھا۔ مگر اب ہمیں یہ  
دیکھنا چاہئے کہ مختلف اقوام اور مختلف مذہب کے لوگوں نے  
گناہ سے نجات پانے کے کون سے وسائل سوچے اور اختیار  
کئے۔

فطرت کو اس شعور نے کہ میں ناقص ہوں۔ گنہگار ہوں۔ بقرار  
تو کر ہی رکھا تھا۔ اس پر ہر قوم نے نجات کی کیسی کیسی نامہ راہیں  
تجویز کر ہیں۔ قدیم اہل یونان نے حصول نجات کے لئے کیسے مصائب  
اٹھائے۔ عموماً کئے کہ انسانوں کی ذہنی نیاں چڑھا لی گئیں۔ مادی  
اشیاء کی پرستش زندگی کا جزو اعظم قرار دی گئی۔ عرض  
جس چیز سے کوئی سی صورت انسان کی زندگی کے سلسلہ ثابت  
ہو گئی۔ وہی مرجع بیم و امید قرار پائی۔

مصلحت آری دلت نے یونان اور دیگر اقوام دیا ہے چند قدم آگے  
ہی بڑھائے۔ کہیں گنگا میں ڈوب دینا۔ شرمناک شہ۔ جتنا تو جی میں  
بت کے تھ کے پیوں میں آہن جانا ساود اعتقاد پہنچا۔ یوں کہ نزدیکی  
فریہ۔ مول بہت یقین کیا جاتا۔ او کہیں خونخوار ارد کی زد میں  
چر جانا ابدی نجات پانے کا وسیلہ سمجھا جاتا۔ وغیرہ وغیرہ۔ میری عرض  
اس ظہار سے یہ ہے کہ انسان نے اضطراب اور گھبراہٹ میں گناہ  
سے نجات پانے کے لئے بے اختیار کیونکہ تھ پاؤں مارے۔ اور

گمناہ کی سزا دیکھ کر تکیف قرار دی۔

اب اس سے زیادہ عقل کی مدعی قوم کو دیکھو انہوں نے کون سی  
 اطمینان کی راہ سوچی ایک بڑے ہوشیار دانشور نے جو اصل میں یہودی  
 تھا۔ دورِ مذہبی سے استیصال مذہبِ حقہ مسیح کی یہ تدبیر نکالی۔ کہ اول  
 تو اہل یونان کی سلسلہ مائیں تہالوجی کے مذاق پر ایک تین ماں باپ  
 کے بیٹے کو خدا کا بیٹا قرار دیا۔ اور اس بات کا اہل یونان کے دلنشین  
 ہو جانا عجیب نہ تھا۔ کیونکہ وہ ہر نامی گرامی آدمی کو جیسے سکندر ارسطو  
 وغیرہ بخوشی خاطر سوز و لقب سے یاد کرتے تھے۔ پھر شریعہ سابقہ  
 کی تکذیب کی جو سوجھی تو مسند کفارہ کی تلقین و تعلیم شروع کر دی  
 اور کہے کہے پہ پہنچ پہلو دار خطوط کا سلسلہ جاری کر دیا۔ بالاضافہ  
 سوچنے والے جنہوں نے گریک مائیں تہالوجی کو پڑا ہے۔ وہ ذرا بھی  
 حیران نہیں ہو سکتے۔ کہ کیوں بڑی رغبت سے لوگوں نے اس عقیدہ  
 کو گوارا کر لیا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ تو انہیں کے خیالات کا نرم البدل تھا۔ اس  
 سادہ دل مومن کو حضرت حسین علیہ السلام کے دردناک واقعہ کو امت  
 کے گمناہوں کا کفارہ یقین کرتا ہے۔ حضرت مسیح کے کفارہ پر جو حضرت  
 حسین علیہ السلام سے کہیں بڑا کر ہے۔ اعتقاد کرنا کیا مشکل ہے  
 فرائض یعنی اعمال کا التزام جو اکثر کابل طبیعتوں کو ناگوار گذرتا  
 ہے۔ بے سدا۔ بغیر ضروری طیارہ دیا۔ پس اب قبول کرنے میں۔ یک  
 ہی کا ہے کی تھی۔ یہ سب فرضی ڈھکوسلے ہیں۔ اور دل میں ایک  
 جمائے ہوئے اور اعتقاد کے ہوئے خیال کی تائیدیں کہ گمناہ کی سزا  
 تھی۔ موت۔ سو خدا نے اپنے اوپر وارد کر لی۔

اس انوکھے مسئلہ کے بانی نے یہ نہ سوچا کہ کفارہ و خدا کو ایک  
 ضعیف المذبح کہ خود خدا بت کرتا ہے۔ جو عدم قوت فیصلہ کے

لے یہ شخص ہر دس تہرہ جو چاہے یہودی تھا اس نے فریب سے اپنے تئیں  
 جیسا ہی بنایا اور مذہبِ حقہ مسیح کو نسخہ دست کر دیا۔



باٹھ منہ دب ہو کر خود کشی پر آمادہ ہو گیا۔ اور باوجود علم و وسیع عقل بنا۔ اور اقتدار و خلق کے اور کوئی راہ قرار نہ دے سکا۔ دنیا میں ہزاروں آدمی زمانہ کی بکھار و دھڑ سے تنگ آ کر جان عزیز کو تلف کر دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اس میں خوبی کیا ہوئی جو فرد کی کیا ثابت ہوئی۔

وہ خود غور پر شیطان، تو دسایا اس کی بیڑوں اور معصوم میزوں کے پیچھے لک۔ اہ۔ وہی انسانی بناوٹ ہے۔ وہی قوائے ہیں۔ وہی ان کے اشارے ہیں۔ جو قبل اور بعد کفارہ کے بلا تبدیل کیساں چلے آئے ہیں۔ علی طور پر دنیا کو اس مسئلہ کی ایسی دے دکھایا کیا کیا اور نہایت کا یہ کیسا قابل مسخر طریقہ نکال گیا۔ میں کبھی جیسا یاں یوں دیکھ کر خود کشی پر الزام پسند نہیں کرتا۔ مسکین معذور ہیں۔ خود خداوند خدا نے تو یہ سپر نچل نمونہ دیا ہے یا ایمان مقتدا، اسی کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ حال مقتدا ہی کو یہ سوچنا چاہئے۔ کہ اس میں خوبی کوئی ہے کہ خدا عدل و رحم و بر زعم نصارا ضدین کے جمع کرنے سے تنگ آ کر خود کشی کر گیا۔ اور مخلوق کو کیا علی نمونہ دیا۔

## فطرت کے رو سے نجات پانے کا طریقہ

### اور نجات کی سچی فلاحی

فلت تقدیر انسان کو بتدار کرتی ہے۔ کہ یہ ضدیں ہیں۔ ان میں توفیق

ہم جیسا یوں سے دیکھتے ہیں کہ کفارہ پر ایمان لانے سے گناہ کی طاقت سبب ہو جاتی ہے یا سبب حمہ صاف ہو جاتے ہیں۔ پہلی شق بالکل غلط۔ جیسا ٹی نور قوموں سے بڑھ کر سمجھتے کرتے ہیں۔ دوسری حالت میں جیسا ہی امت حادہ کا دیکھ کر کہیں نہیں دیکھے جاتے اور جرائم پر انہیں سزا کیوں دیا کرتے ہیں۔

محال ہے۔ حالانکہ قدرتی واقعات پر غور کرنے اور پھر نتائج نکالنے کا آدمی روزمرہ کے واقعات زندگی میں مشاہدہ کرتا ہے۔ کہ سارا نظام عالم عدل اور میزان ستقیم پر چلتا ہے۔ تمام قوتیں تمام طاقتیں اپنی خصلت کے موافق خالق حقیقی کسی مشیت کے مطابق اپنا اپنا کام کر رہی ہیں اور ہر وہ ایک انجن اور خدا معلوم کتنی بڑی طاقت کا انجن گرم کار ہے۔ کہ یہ بے شمار مختلف کارخانے شب و روز درست انتظام سے جاری ہیں۔

عادل جیم ندانے اس کارخانہ کو اسی ترتیب کے ساتھ بنایا ہے  
 اگر ایک دفعہ انسان نے کسی سبب کے سمجھنے میں غلطی کی اور نقصان  
 اٹھایا تو وہیں اپنی غلطی پر آگاہ ہو کر نفع کثیر حاصل کر لیا ہو گا  
 پس اسی طرح پر اور ٹھیک اسی طرح پر ہاں اسی عدل اور رحم پر یہ  
 کارخانہ جاری ہے۔

زیادہ مثالوں کی چند اس ضرورت نہیں۔ غلطی کے بعد اصلاح کی توفیق شوکر کے بعد سنبھل جانے کی استعداد کس نے دی؟ اسی عادل رحیم نے تودی۔ یہی رجوع اور سچا رجوع جو غلطی کے بعد اصلاح کی جانب انسان کو حاصل ہوتا ہے۔ اور منافات پر بندہ امت اور آئندہ اس لغزش سے بچنے پر اشتغال جو انسان کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ بس اسی کا نام توبہ ہے اور اسی پر فضل کی قومیت ہے کہ اس سے انسان اپنے بجز و قصور کا دلی معترف ہو کر مسبب حقیقی علت العلل کی ایک طرف کمال خشوع و خضوع سے رجوع لاتا ہے۔ یہی تو نجات کی سچی فلاسفی ہے۔ جسکی علی ٹیلر درود مرہ مشاہدہ میں آتی ہے۔ باقی۔۔۔ خیالی اور دہمی اور اودھار کی باتیں ہیں۔ اس سچی فلاسفی کا نام الہی وصال الہی قرب ہے جو غائبانہ کی بڑی بہاری تسلی و مر جب ہے۔ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا اور انسان میں بعد از۔۔۔ نہیں و اذا استأثرت دعا دعی عنی فانى قریب اجیب۔ دعاة الداع اذا دعان اور نحن اقرب الیہ من جبل الوسید

اہل نظر اہل بعید۔ نہ انصاف سے سوچیں۔ کہ اس الہی سچی فلاسفی کا ثبوت روزمرہ کے واقعات زندگی میں کیا نہیں ملتا۔

عسر کے بعد سامان پُسر کس نے بنائے۔ دش کے لئے ادویہ کس نے پیدا کیے؟۔ قوم کی شکست و نجات پر اسباب جبر و ممت کس نے مہیا کئے۔ اللہ تعالیٰ ہی نے تو قانون قدرت کو اس اسلوب پر وضع کیا ہے کہ انسان کی استغاثہ کی معاسعت ہو سکتی ہے۔

بھان اللہ کیسی سچی تعلیم ہے۔ کیسی فطرت انسانی کے مطابق ہے۔ قانون قدرت اسی کا شاہد اور اسی کا موید ہے۔ قرآن کریم کے خدا اور انسان کے رشتہ کو کس خوبی سے بنایا ہے۔ اور بڑی بہاری بشارت دی ہے۔ کہ خونخوار مغلوب الغضب روٹھ کر نہ ماننے والی ہستی نہیں ہے۔ وہ ٹھٹھنے والا ہے۔ وہ قریب ہے۔ وہ ہم وقت مرادوں سے بدلانے پر آمادہ ہے۔ برابر رہا ہے۔ دوسرے انداز کی تعلیم میں اسی بات کی تکرار تھی۔ کہ صفات الہی کا مستند سب سے تاریکی میں پڑا ہے۔ کسی کتاب نے کسی معمول پر روشنی ڈالنے کا ذرہ اٹھایا۔

## اسلام نے نجات کا طریقہ فطرت اللہ کے

### موافق بتایا ہے

اسلام کی خصوصاً بڑی کارگزاری قرآن کریم کے دنیا میں نازل ہونے کی نزہت اور احمد۔ محمد۔ محمود صلیم کی بعثت کی امتیازی غنیمت تھی۔ کہ اس صل نامشہدہ مسئلہ کو دنیا پر کھول دیا جائے۔ سو مجد احمد ایسا ہی ہوا۔ خدا کو خدا کی صفات کو ایسا بیان کیا۔ ایسا ثابت کیا۔ جیسا کہ انسانی فطرت کی حالت تقاضا کرتی تھی۔ یہ نہیں کہ انسان سے کوئی قصور ہوا

اور وہ ایسا روٹھ جائے کہ کبھی مائے نہیں۔ انسان کے اندر غریبی تلاش کا مغنیات کی جستجو کا۔ یا یہ عبارت دیگر اُس کے قرب حاصل کرنے کا تقاضا ہو۔ اور وہ اُس سے کوسوں بھاگتا پھرے۔ انسان کے قلب میں نجات کی۔ راحت کی پیاس ہو۔ اور وہ انقلابات سے بچانے پر اُس کے قادر نہ ہو یا بچانے کا روادار نہ ہو۔ وہ بڑا غرض انسان جس طرح پر مخلوق ہوا۔ جس قسم کی صفات اور جذبات کا یہ مجموعہ ہے۔ پھر اس حالت کدانی پر جیسے اس کا سچا پھر آرزو کر سکتا ہے۔ کہ بچے بالادست ہستی ایسی درکار ہے اور میرا آقا میرا ملک ایسا ہونا چاہئے۔ اور آخر کار ایسا ہونا چاہئے انسان کی اس آرزو کو صرف قوتان ہی نے پورا کیا ہے۔ برخلاف اس کے یہ پختہ اعتقاد کیا گیا ہے۔ کہ خدا اور انسان میں اس قدر بعد فاصل ہے۔ کہ وہ خدا کی کسی خاص اختیاری رضامندی رکھتا ہو، سے دور ہو سکتا ہے۔ ورنہ انسان اعمال کے ذریعہ تو اُسے اُٹھا نہیں سکتا۔ یا العجب۔ عجب پھیل ہے۔ پھیل کو تو پھر مناسبت ملے مقصود سے ہوتی ہے۔ اس معقول عقیدہ کو قدرت کے کسی پہلو سے کوئی بھی موافقت نہیں۔

ایک اور سادہ دل قوم۔ مفریقین سے بے خبر قوم کہتی ہے کہ انسان سب کچھ است ہی سے اپنے ساتھ لایا ہے۔ اور تقدیر نے ازل ہی سے قسمت کی پڑیا بنا کر ایک ہی ڈوز ذخیرہ اس میں سب کچھ اسے کھلا دیا۔ یہ خیالی اور تاریک بات ہے۔ کوئی شہودی علی نظر اسکی نہیں۔ شریر المزاج انسان کو اپنی خواہش کو خدا نے قدوس کے ذمہ لگائے کا خوب متعجب نہ مل گیا ہے۔ مبارک جامع کتاب کہتی ہے۔

أَنَا خَلَقْتُ الْإِنْسَانَ مِنْ طَلْفَةِ امْشَاجِ نَبْتِ لِيَهْ فَجَعَلْنَاهُ صَاحِبَ بَصِيرَةٍ

میں نے انسان کو عورت کے مخلوط پانی سے پیدا کیا۔ پھر مودا خاتم و انسال بنانے کے لئے اسے میں دیر بنایا +

مطلب یہ کہ ابتدا میں بے علم الیقین حیوان تھا۔ جب عالم مشہود میں آیا تو قوت سمع و بصر کے ذریعہ سے پہلے اسباب خارجہ سے انواع و اقسام کے فنون اُس کو عیاں ہوئے۔ ہمیں تو مشاہدہ اسی بات کا سوید نظر آتا ہے۔ یہ اعتقاد کہ حال کے آثار اور نتائج گزشتہ جہ کے مقدمات کے مولود ہیں۔ خلق و فیق کی نسبت افترا پر وازی ہے۔ جی۔ دہا۔ اناستول عقیدہ تثنائیت ہے جو بدست انسان کے لئے ابدی موت کی مزا کا اہل فتویٰ ہے۔ میں اس مسئلہ کی جو انسانی سوسائٹی کی تاریک حالتوں کو کلی نتیجہ ہے۔ نے تردید کرنے کی کوشش نہ کرونگا۔ عیاں اس لئے بھی اس مسئلہ کی نسبت پوری دہا تحقیق دی ہے۔ شالیتین ان کتابوں کو بھی مطالعہ کرتے ہیں۔ مگر میں اتنا پوچھنے سے راہ نہیں سکتا۔ کہ اس سے معتقدین کے دل کو تیار راست کیا سکون حاصل ہوا۔ و ان کو گناہ سے بچنے کی کونسی عمل۔ دل لگئی؟ ان کی عقلاتی فاسدیت۔ اعتقاد نے کیا اثر ڈالا۔ مباحثہ اور چہا۔ اور علی نقی۔ ہم صفائی اور دلیری سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ عقاید اور دہا تثنائیت دہریت کے شعبے ہیں۔ اور لاریب ان مسائل کے مباحثہ نے ہلکی جاہلکی سے سادہ دونوں کو سب صفات کو۔ ہی کی طرف جہد پر دہری دہریت سے مائل کیا ہے۔

یہ واقعہ ہے کہ میں نہ نائیں کو بتاؤں کہ اسلام نے اس بارہ میں کیا کیا۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ غیر قوموں نے صفات الہی کے سمجھنے میں سخت ٹھوکر کھائی ہے۔ اعمال و عقاید کیا ہوتے ہیں؟ مباحثہ نے زدکام مہیو کی قرار دادہ صفات کی بنا پر اس کے خوش کرنے کے طے ہوتے ہیں۔ خوب اگر ان منسوب صفات کی مہیو مہیو موجودہ مجسم مشاہدہ میں آنے والا یقین کریں تو وہ کس ہریت و درخشاں ہوگا۔ ظاہر ہے کہ وہ ایک خوشحال و لافک و لوار عقیدہ۔ غضب ہمنی ہوگا۔ وہ قوم جس نے عقیدہ مندرجہ کی بنا ڈالی۔ ان کی تربیت پرستوں کی ہی قرار دادہ صفات

موصوف خدا کو مانا۔ کہ نجات ابدی دینی وہ کبھی پسند نہیں کرتا اور  
جہنم نہ ن کے زنجیر سے مظلوم انسان کو مخلصی دینے پر وہ کبھی خوش نہیں  
ہوتا۔ لہذا اس نے تو بس حد ہی کر دی کہ اہل تجسم، تشبیہ کے بھی کان  
کتر ڈبیے۔ حدود امکان کی جس قدر صفات ہیں۔ بھوکہ۔ پیاس۔  
دکھ درد۔ سب جہنم نہ ن کو بھی خدا کی طرف نسبت کرتے ہوئے  
کچھ شرم نہ کی۔

وہی کامل حمت للعالمین وجہ العہد والاسامی نے شریعت ہی میں رہن کی  
طرت لوگوں کو دعوت کی اور یوں بشریت نے یہ باستحقاق تاج فخر  
آپ کو مل۔

قرآن کریم کی ابتدائی سورت اناتر میں صفات باری تعالیٰ کا یوں  
استہارہ دیا گیا۔ حمد للہ رب العلمین الرحمن الرحیم  
ملک یوم الدین ط ہ قسم کی حمد و ثنا کا حق اللہ دینی وہ معبود  
حقیقی صفات کاملہ کی جامع ذات جس جس کا ذاتی نام اللہ ہے  
کو حاصل ہے۔ جس نے کل مخلوقات کی ربوبیت و پرورش کا ذمہ  
لیا ہوا ہے۔ جس نے بلا رخاست کے۔ بغیر مزدوری اور عمل کے  
مخلص فضل عظیم سے انسان کو خلعت وجود بخشا۔ اور اس کے لئے  
اس کے مقتضائے فطرت کے موافق تمام اسباب کو مہیا کیا الوحیم  
وہ جو اعلیٰ نیک پر اپنے مخلص و وفادار بندوں کو ان کی عبودیت  
و اخلاص کی وجہ سے مدارج عالیہ پر سہ افراز فرمایا گیا۔ اور ان کی  
ان کیوں کو جو ضعف بشریت کے باعث ان میں رہ جاویں گے  
اپنے احسان عام سے پورا کر دے گا۔ ملک یوم الدین۔ وہ جو بد  
کرداروں کو ان کی بدی پر اور نیکو کاروں کو ان کی نیکی پر  
جزا دیگا۔

یہی حقیقی اور واقعی بشریت (انجیل) ہے جس کی وضاحت اسلام  
نے کی ہے۔ اور یہ عین فطرت انسانی کے مطابق ہے۔ اور ٹھیک  
ثابت ہوا جو اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح کی زبان سے قرآن میں نقل  
فرمایا۔ واذا قال عیسیٰ ابن مریم یا بنی اسرائیل انی رسول اللہ

الیکم مصداقاً لما بین یدی من التوریتہ و مبشر ابوسول  
یاتی من بعدی اسمہ احمد دے بن مریم نے کہا اے نبی کریم  
میں اللہ کا رسول ہوں۔ تمہاری طرف اپنے سامنے کی کتاب توریت  
کو تصدیق کرنے والا اور اپنے سے پیچھے آنے والے ایک رسول  
کی بشارت دینے والا جس کا نام احمد ہوگا۔

اسلام نے انسان کو کاسب اعمال خیرایا۔ اللہ تعالیٰ قرآن  
شریف میں فرماتا ہے من عمل صالحاً فلنفسہ ومن اسام  
فعلیہا وماربک بظلام للعبید جس نے عمل نیک کیا  
اپنی جان کے لئے اور جس نے بڑا کیا اپنے ہی واسطے اور تیرا  
رب تو بندوں پر ذرا بھی ظلم کا روادار نہیں۔ اور پھر فرمایا  
من عمل صالحاً من ذکر و انش و هو مومن فلنجینہ  
حیوة طیبہ و لنجزینہم اجرہم باحسن ما کانوا یعلمون  
جو عمل نیک کرے مرد ہو یا عورت ہم اس کو اچھے درجہ کی مقدس  
زندگی عطا فرمائیں گے۔ اور اُن کے اچھے درجہ کے کاموں کی  
اُن کو جزا دیں گے۔

یہی انسان کا واقعی نیچر ہے۔ اور روزمرہ کے مشاہدہ میں  
آ رہا ہے۔ میچ اسباب پر تنک دی ہوتی طاقتوں کو ٹھیک  
اپنے معرفت میں نہت کرنے والے کیسے کامیاب ہو۔ اور  
یہ غور دار ہو رہے ہیں۔ اور اس کے خلاف کابل۔ بد دل۔ کافر  
نہت کیسی تباہی اور ذلت کے گڑھے میں گر رہے ہیں۔

پادری صاحبان بڑے ناز سے کہا کرتے ہیں۔ کہ قرآن  
شریف مسئلہ کفارہ سے خاموش ہے۔ خاموش نہیں۔ اس کو اخلاق  
انسانی کا قاتل۔ فطرت کا رجزن سمجھ کر اس کی بجھنی کرتا ہے۔  
و ان لا تذر و ذرة و ذرا اخری آئے اور کوئی بوجہ اٹھائیوالا  
و ان لیس للانسان الا ما سعی دوسرے کا بوجہ نہیں اٹھایا گیا  
و ان سعیه سوف ہدی۔ اے اور کہ انسان کے حصہ میں ہدی  
جو اُس نے کیا ہے اور اس کی پرکھائی پر نظر ڈالی جائیگی۔

وان قد ع مشقلۃ الی حملہا لایحمل منہ ثقی ولو کان  
 ذاب قرین اور اگر بوجھ کے تلے دیا ہوا اپنے بوجھ کے ہلکا کرنے  
 کے لئے کسی کو پکار دے گا۔ خواہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ اس  
 نے کچھ تخفیف نہ کریگا۔

اب کوئی اس کلام کو خدا کے کام (قانون قدرت) سے مقابلہ  
 کر کے دیکھے گا۔ اُسے اُس کی تصدیق نظر آئیگی یا اس خیالی اور  
 دہی مسکفرہ کی جو عیسائیوں نے گھڑ رکھی ہے۔

## توبہ اور اسکی فلاسفی حقیقی نجات اور

### اسکی بشارت

قرآن کریم نے آدم علیہ السلام کے قصہ میں آدم علیہ السلام کی کمزوری  
 کو جو عظیم مطلق نے خاص حکمت سے اس میں رکھی ہے بیان کر کے پھر  
 اصلی حقیقی مسکفرہ (یعنی نجات) مسرتوبہ کا ذکر کیا ہے فتنی ادم من  
 ربہ کما تفتاب علیہ اندہ هو لتواب المرحیم۔  
 پھر آدمؑ نے اپنے رب سے کچھ باتیں یکمیں پھر اُس کی توبہ  
 اس نے منظور کی۔ یقیناً اللہ تعالیٰ توبہ منظور کرنے والا  
 رحیم ہے۔

آدمؑ سے غلطی ہوئی۔ پھر خداوند نے اُسے کیا کلمات سکھائے۔ جس  
 سے وہ معافی کا مستحق ٹھہر گیا۔ ان کلمات کو ان باتوں کو آدم علیہ  
 السلام کی ولادت میں انسان کی فطرت میں ڈھونڈو وہ سب۔ کیا  
 یہی جو بہ وقت ہم آنکھوں سے دیکھتے ہیں خود ذکر کرتے ہیں ہر شے  
 میں گو اسباب کے غلط اور بے جا استعمال کیا جو ٹھوکر لگی۔ نقصان  
 جاقصہ ہوا۔ پھر آگاہ ہو کر سبب رجوع کر کے صحیح اسباب کو  
 جو استعمال کیا۔ آخر جبر کسر ہو گیا۔ غلطی مافات ہو گئی۔ اسطرح



نظام و انسانیت چلا جاتا ہے۔ اور پوچھی جلا جائیگا۔ جب تک اللہ چاہے تو یہ کیا ہے؟ غلطی پر متنبہ ہو کر اس صواب کی جانب رجوع کرنا اور پھر اصلاح کے لئے درست اسباب کو اختیار کرنا جسکی نفاذ تمام قانون قدرت میں دن رات شاہد میں آتی ہیں۔

قرآن کریم نے اس خصوص میں فطرت انسانی کی اور اعمال و انما کی اصلی اور پہلی تصویر کھینچ دی ہے۔ انسان سے تصور ہو جانا اور نغزوں کا وجود نہ ہونا اس لئے ہے کہ یہ اپنی عجز و محدودیت اور غلبہ الوہیت کو بھول نہ جائے غلطی کے بعد سچے رجوع حقیقی نشوع و خضوع ولی نعمت اس میں پیدا ہوتی ہے۔ تو اس سے حق تعالیٰ کی غفلت کا انکشاف جدید اس کو حاصل ہوتا ہے۔ پس یہی منشا ہے۔ ربانی اور اس کی اثبات اور رجوع کو قبول کرنا فضل رحمانی ہے۔

جس مذہب میں توبہ کی ذریت اور استغفار کا مسد نہیں ہے وہ مذہب ہرگز ربانی فطرت کی طرف سے نہیں ہو سکا۔ فطرت میں ہر روز اس کی نظائر مشاہد آ رہی ہیں۔ ہر جہاں ہم کسی اور میں غلطی کرتے ہیں۔ کسی قانون قدرت کو توڑنا چاہتے ہیں۔ اس کے نتیجہ پر متنبہ ہو کر فوراً صواب کی جانب رجوع کرتے اور قانون قدرت کے منتہی ہوتے ہیں۔ پس یہی مثال روحانی زندگی میں ہے۔ روحانی زندگی میں جہاں ہم سے غلطی ہوتی ہے فوراً پیچھے توبہ و اعابت اور اصلاح حالت سے اپنی اور ثواب کی جانب رجوع کرتے اور آئندہ کوئی اور عہدہ سے محدود حالت میں ہو سکتے ہیں۔ جس میں ہرگز نظام انظار نہ ہو۔ کسی میں غلطی کرنے کے بعد صواب کی جانب رجوع ہو جاتا ہے۔ اور وہ اپنی غلطی دور اور نور ہو جاتی ہے۔ اسی طرح غلطی میں جہاں ہم سے کوئی گناہ یا غلط ہوگی صواب کی رجوع کرنا۔ انسان میں تلافی اور مسد رفت و گزشت نسبتاً معیاً ہو جاتی ہے۔ قابل سزا نہیں رہتی دہرے جیسا کہ آریہ کا عقیدہ ہے۔ رجوع و اصلاح حالت کے پچھلی غلطی معاف نہیں ہو سکتی۔

اصل یہ ہے کہ خدا نے عظیم و حکیم نے ایک مصلحت اور حکمت سے انسان کی فطرت ہی ایسی پیدا کی ہے کہ اس سے منزلت اور لغزش - سہو و خطا و ظہور میں آتے ہی رہتے ہیں۔ اگر اس منزلت اور تصور کی خدا تعالیٰ کی طرف معافی نہ ہو سکے۔ تو کسی انسان کا ابدال آباد تک نجات پانا ممکن ہی نہیں۔ اور پھر نجات صرف ایک لفظ ہو جاتا ہے جس کے معنی اور مفہوم خارج میں کچھ ہو نہیں سکے۔

بات یہ ہے کہ یہ کمزوری فطرت انسانی میں اللہ تعالیٰ نے اس لئے رکھی ہے کہ تا انسان سے جب منزلت اور خطا سرزد ہو۔ تو بھیج کہ میں قصور وار غلطی اور ناقص ہوں۔ کمال ہے۔ عیب اور بے خطا صرف اللہ کی ذات ہے۔ ہم نے خدا تعالیٰ کو کمال اور مقدس کا ہے سے جانا۔ اپنی ناقصیت۔ نقائص اور نا پاک حالت سے خدا کو عیب۔ خطا اور قصور سے بدی کیسے پہچانا۔ اپنے عیبوں۔ خطاؤں اور تقصیرات سے لغزش اور خطائے بعد جب انسان اپنی خطا کا اقرار اور یقین کرتا ہے۔ تو رب العالمین کی عظمت تقدس اور کالیت کا خاص خیال دل کے اندر جاگزیں ہو جاتا ہے اور جب بھی تو بہ اور خدا کی طرف انابت اور رجوع کرتا ہے تو اپنی خفگی۔ ری انکساری اور تذل کے اسے خاص ادغان ہوتا ہے۔ گویا ادھر پر لے درجہ کی عظمت اور ادھر غایت درجہ کی ذلت کا خیال ہوتا ہے۔ عظمت الہی بندہ کو اس ذلت اور ندامت کی حالت میں دیکھ نہیں سکتی۔ سبھی تو بہ اور سچا دین اور رجوع کرنے کے بعد فوراً اللہ تعالیٰ بندہ کا ہاتھ اٹھا لیتا ہے۔ اور ماضی سے ورگزر کر اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور یہی سچا کفارہ اور سچی نجات ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَإِذَا جَاءَ لَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ  
بِآيَاتِنَا فَذَلِكُمْ عَلَيْكُمْ كِتَابٌ رُبَّمَا تَعْلَمُونَ  
فَإِنْ هُمْ عَلَىٰ سُوءٍ بِمَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهِمْ  
فَانْهَ غُفُورٌ رَحِيمٌ۔ اور اے نبی جب تیری پاس وہ لوگ آئیں  
جو ہمارے کلام پر یقین رکھتے ہیں۔ تو ان سے کہو کہ تم پر اللہ کا سلام

تھارے رب نے اپنی ذات پر رحم لازم کر لیا ہے۔ بات یہ ہے۔ کہ جو کوئی تم میں سے بُرا کام کر بیٹھے۔ پھر اس کے بعد اس سے توبہ کر کے اور اپنی حالت کو آئندہ کو سنوارے۔ تو خدا بھی بخشنے والا مہربان ہے۔

اللہ اکبر! سچی توبہ اور سچی انابت کے بعد رب العالمین کو بندہ کے تضرع اور زاری سے شرم آ جاتی ہے۔ اور وہ آخر کار اپنی عنایت فضل اور رحمت سے انسان کے گناہ بخش کر اپنے ظل رحمت میں جگہ دیتا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث کے اندر الہامی زبان میں آنحضرت فرماتے ہیں کہ ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے۔ یا ملائکتی لقد استجیت من عبدی ولیس له غیبری فقد غضبت له فرشتو! بچے بندہ کی کمال تضرع اور زاری سے شرم آتی ہے۔ اس کا میرے سوا کوئی نہیں سو میں نے اس کو بخش دیا۔

یہ بے گناہ کسے بعد سچی توبہ تضرع و زاری اس نیکی سے ہزار گنا اچھی ہے۔ جس کے مجدد انسان نے اسے رخص کر کے مولوی جانی فرماتے ہیں کہ چرت کر زنت مابہ جریر فنا گشتہ  
بہر ز ظالمیے کہ بہ عجب اور یہ کنہ۔

انسان کی کوتاہیاں اور ذلالت اس رب العالمین کی کمالیت و تقدس کا یقین دلاتی ہیں۔ انسان کی تقصیرات زاری اور تضرع کسے بعد خدا کی مغفرت اور رحمت کے سایہ تلے آتی ہیں۔ یقین جان کر اللہ تعالیٰ عطا فرمادے جو جیم اور بندوں پر کمال مہربان ہے وہ رو بخنے والی ہستی نہیں کہ بس ایک دفع جب انسان سے قصور ہو گیا۔ تو ظالم ہزار کی طرح انتقام کے پیچھے لگ جائے اور ہزار تضرع و زاری۔ سچی زہر سے معاف نہ کر سکے۔ اس کا تعلق عباد کے ساتھ اتنا ہی نہیں۔ جتنا کہ ایک منصف حاکم کا رعیت کے ساتھ ہوتا ہے۔ جس میں انسان کے سوا رحم ذاتی کا نام و نشان تک نہ ہو۔ بلکہ اس کا رعیت کے ساتھ ہوتا ہے تعلق بندوں کے ساتھ ایسا ہے۔ جیسے ایک مہربان آقا کا غلاموں کے ساتھ یا پیارے باپ کا اپنی اولاد کے ساتھ کہ وہ کبھی اپنے غلاموں

اور بیٹوں کی ہلاکت اور ضائع ہونا نہیں چاہتے۔ بلکہ اکثر تقصیرات سے درگزر کیا کرتے ہیں۔ اور صرف بعض قصوروں پر جو ان کی حالت کے اصلاح کے لئے ضروری ہو۔ مناسب مزا دیدیا کرتے ہیں۔ بجز اس حالت کے کہ جب وہ غلام یا اولاد بالکل باغی اور سرکش ہو کر مقابلہ اور مخالفت کے لئے اٹھ کھڑی ہو۔ یا اپنے آقا اور باپ کو آقا اور باپ سمجھ ہی نہیں۔ کہ ایسی حالت میں وہ عاق کر کے اور ابدی جہنم کے لائق ہے۔

## آریہ لوگوں میں گناہ سے نجات پانیکا

### طریقہ اور اس پر نظر

آریہ لوگ خدا تعالیٰ کو صفت حق اور مغفرت سے بالکل خالی جانتے ہیں اور ان کے مذہب میں گناہ کی معافی اور نجات کا کوئی طریقہ نہیں۔ بلکہ وہ لوگ سچی توبہ اور انابت کو ایک نغمہ اور فضول امر جانتے ہیں اور عدل ابھی کے سراسر بر خلافت ان کے نزدیک اگر انسان ایک دفعہ لغزش کھا جائے یا گناہ کر بیٹھے تو پھر سچی توبہ اور خالص رجوع سے کبھی اس کی تلافی نہیں کر سکتا۔ بلکہ وہ انسان نے گناہ کیا اور اوپر بے بس ہو کر اداگوں کے پھندے میں جا پھنسا اور تادم قیام کئی جون اپنے عمل کے پاداش میں بھگت لے لے اس سے بری نہیں۔ ان کے نزدیک اگر کوئی مسلمان یا عیسائی آریہ ہو جائے اور آئندہ کو دیکھ سچا متبع بن جائے۔ تاہم اس کے پچھلے گناہ جو پہلے مذہب میں کئے تھے ہرگز معاف نہیں ہو سکتے جس سے ظاہر ہے کہ آریہ کے مذہب میں داخل ہونا یا نہ داخل ہونا یکساں ہے۔ غرضیکہ وہ کسی مدت میں گناہوں کی معافی اور نجات کا کوئی طریقہ نہیں۔ بلکہ گناہ سے ابدی موت کا فتوہ لے ہے۔ نہ نند تو نہ نند نہ خود اس امر میں شاک ہے

اور ہزارہا نظریں اس کی موجود ہیں۔ کہ ادھر انسان سے ایک فحش ہوئی  
تو اس کی تلافی کا سامان پیدا ہو جاتا ہے۔ ادھر ایک ٹھوکر کھاتا  
ہے۔ اور دوسرے پہننے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ بسا اوقات مزلات  
اور تقصیرات اسکو پہننے اور کوتاہی کو پورا کرنے کی رہبر ہو جاتی  
ہیں۔ تو کیوں نہیں روحانی حالت کے خراب ہو جانے کے بعد  
انسان سمجھ سکتا۔ اور کیوں نہیں روحانی حالت میں نقص  
آنے کے بعد اس کی تکیوں میں کوشش کر سکتا۔ دنیا میں ہزاروں  
شریف آدمی دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں۔ بلکہ شرافت کی  
اعلیٰ کسوٹی زیر دستوں اور ماتحتوں کے قصور معاف کرنا ہے۔ افسوس  
ہے کہ آریہ لوگ خدا تعالیٰ کو اس اعلیٰ صفت سے بالکل جواب دے  
رہے ہیں۔ ان کے نزدیک وہ پرانا سچا فیوضات۔ دیالو۔ کرپالو۔  
بمبھی کسی کے گناہ معاف کر ہی نہیں سکتا۔ انسان لاکھ گڑ گڑائے۔ عاجزی  
کرے۔ آئندہ کے لئے اپنی حالت کتنی اصلاح کرے وہ کبھی بخشنے والا ہی  
نہیں۔ حالانکہ سہو و خطا کا مادہ جو انسان کی فطرت میں مرکوز ہے۔ جس  
سے کوئی انسان خالی نہیں (لا انسان مرکب من الخطاء والنسیان)

خدا تعالیٰ کی مغفرت اور عفو کو بغیر کوئی چیز اس کی تلافی ہی نہیں  
کر سکتی۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک قصور بھی معاف نہ ہو۔ تو نجات  
کا مفہوم ہی غفا ہو جاتا ہے۔ اور کسی انسان کا نجات پانا ممکن ہی  
نہیں رہتا۔ کیونکہ دنیا میں ایسا کوئی بھی شخص نہیں۔ جس سے  
کوئی گناہ یا خطا نہ ہوتی ہو۔ پس در صورت عدم مغفرت الہی کے کوئی  
شخص نجات پاتی نہیں سکتا۔

پس یہ آریہ کی سخت غلطی ہے جو وہ مسدود توبہ سے باز رہ کر اور خدا سے  
اپنی مغفرت کے تالین نہیں۔ حالانکہ گناہ کے لئے سچا کفارہ ہی یہ ہے۔  
یہو خدا تعالیٰ کے قانون قدرت میں نظر آتا ہے کہ اس دنیا سے  
نذر اسباب کے غلط اور بے جا استعمال سے جو ٹھوکر پڑتی ہے۔  
ٹھوکر آئندہ کو اپنی حالت کے اصلاح اور درستگی کا موجب ہو جاتی  
ہے۔ پس کوئی وجہ نہیں۔ کہ خدا تعالیٰ کا یہ قانون قدرت روحانی

دنیہ سے بالکل مشغول نہ ہو اور وہ کسی شخص کی سچی توبہ اور انابت  
 اور پُرسندہ کو اصلاح حالت پر ایک گناہ بھی معاف نہ کر سکے اور  
 جب تک انسان کو گناہ تھے بدلے میں کیڑے مکوڑے سود ہاندر نہ  
 بننے اسکا پچھانہ چھوڑے۔

پنڈت دیانند صاحب اپنی کتاب ستیا رتھ پر کاش اردو مترجم پنڈت  
 رادما کشن صفحہ ۶۹۱ میں لکھتے ہیں۔ کہ توبہ سے گناہ معاف نہیں ہو سکتے  
 بلکہ توبہ کی ہدایت سب کو گنہگار بنانے والی ہے۔ کیونکہ جب گناہ  
 معاف ہونے کا حوصلہ انسان کو ملتا ہے۔ تب گناہ کرنے سے نہیں  
 جھکتا۔ اس لئے ایسا کہنے والا خدا نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہی قرآن کلام  
 اللہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ خدا منصف ہے کبھی ظلم نہیں کرتا۔ گناہ معاف  
 کرنے سے توبہ اضعاف ہوتا ہے جیسا گناہ ہو۔ ایسی سزا دینی  
 منصف کا کام ہے۔

یہ مسئلہ اریہ لوگوں کا ہے جو سراسر عقل و نقل کے برخلاف ہے  
 اور قانون فطرت کے متضاد ہے۔ پنڈت دیانند جی خود بھی بیومکا  
 میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔ جس میں صریحاً توبہ کی ضرورت و ہدایت  
 موجود ہے۔

پنڈت جی لکھتے ہیں اس ایشور کے ہدایت کئے ہوئے دھرم  
 کو ماننا ہر انسان پر یکساں فرض ہے اور چونکہ اس کی مدد کے بغیر  
 بچے دھرم کا علم اور پابندی اور تکمیل کا میا بی نہیں ہو سکتی۔ اس  
 لئے انسان کو ایشور سے اس طرح مدد مانگنی چاہئے۔

اے انجی دہیشور! عہد و صداقت کے مالک و محافظ میں سے  
 دھرم پر چلوں گا۔ میں اس کی پابندی کرونگا۔ اے پریشور! مجھے  
 بچے نیک چلن اور دھرم پر عمل کرنے کی طاقت ہو۔ آپ مجھ کو  
 بہت دیکھئے۔ کہ میرا یہ بچے دھرم کا عہد آپ کی عنایت سے پورا  
 ہو (عہد یہ ہے کہ) میں آج سے بچے دھرم کی پابندی اور جھوٹ  
 آٹھنے چال چلن اور ادھرم سے دلدی اختیار کرتا ہوں۔ (یجر وید  
 ادھیائے مٹر۔ ۵۰)

اب سوال یہ ہے کہ اس عہد کے مطابق جس کو اسلامی محاورہ میں توبہ کہتے ہیں۔ اس عہد (توبہ) کرنے والے کو کیا فائدہ۔ خدا کے سامنے تو ایسی عاجزی سے اظہارِ اخلاص کیا۔ اور وہ اس سے جواب ملا۔ کہ تیرے پیچھے گناہ تو بدستور ہیں۔ جن کی پاداش میں تو پامنا کے گرم۔ چھپسکی۔ سور اور باندھنے کا۔ کیونکہ بغیر اس کے ہمارا عدل اور رحم ہے۔ البتہ آئندہ کو اگر۔ تو نے کچھ نیک کام کئے۔ تو ان کا تجھے نیک عوض ملے گا۔ پھر تہلے اے خدا سے تو معمولی بنے دکاندار بھی کئی درجہ اچھے ہوتے۔ جن کے لڑکر اگر اخلاص سے توبہ کریں اور آئندہ کو فرمانبرداری اور نیک چلنی کا عہد کریں تو وہ ایک دود فتنہ تو ان کو بخش ہی دیتے ہیں۔ مگر پریشور ایسا کر پا لو ہے کہ باوجودیکہ اُسے بندے کے دل کا حال بھی بخوبی معلوم ہے کہ وہ محض اخلاص سے میرے آگے گڑا گڑا رہتا ہے۔ تاہم اس کے حال پر رحم کر کے اس کے قصور معاف نہیں کرتا۔ کچھ پوچھو تو پریشور بھی سچا ہے۔ وہ اگر اسی طرح توبہ پر گناہ معاف کرتا جائے۔ تو اُس کے ملک اور حکومت میں فساد آتا ہے۔ کیونکہ انہی بدکرداروں کو تو اس نے حیوانی قابلوں میں ڈال کر دنیا کو آپ دکر رکھا ہے۔ گناہ بنیں اتھ سے نکل گئیں اور رب مکتی خانہ میں چلی گئیں تو وہ لائے گا کہاں سے۔ جب تو یہ کہ بندت جی کے منہ سے بھی کبھی کبھی ببولے سے سچی بات نکل جاتی ہے۔ تو کسی پر ایہ میں نکلے۔ آپ خود سمجھا رہے ہیں کہ اس کے ساتھیوں باب میں ملتے ہیں۔ کہ عدل اور رحم خداوندی آپس میں متضاد نہیں ہیں ہم بندت ہی کی تقریر کی تشریح کرنے کو انہیں اور ان کے چہلوں کو بتاتے ہیں کہ عدل کے معنی ہیں۔ وضع الشی فی جملہ دریا۔ چیز کو اس کے ٹکے رکھنا اور۔ ہم کے معنی ہیں۔ ارادہ خیر یا کسی کی حالت زار پر ترس کھانا۔ یہ صفت ارادہ خیر کی بندت جی جی خدا کی نسبت ملتے ہیں (ستیا رتھ صفحہ ۲۲۸)

پس بندت جی بتلا میں کہ ایک شخص ولی اخلاص سے خدا کے آگے بغیر کسی عذاب کے دیکھنے کے گڑا گڑا رہا ہے۔ توبہ کرتا ہے۔ تو اس کا

عدل رحمت کے معنے ہیں ہر ایک چیز کو اس کی جگہ پر رکھنا اس نوبہ کے لئے یہی کوئی محل تجویز کرے گا یا نہیں۔ اس کی گریہ وزاری بے دیکھے آہ و بکا۔ سچی ندامت۔ حقیقی ندامت کا بھی کوئی محل ہے یا نہیں بندوں کے فعل کے لئے کوئی نہ کوئی محل ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس محل پر توبہ کا کوئی محل نہ ہو۔ پس قبول توبہ عین عدل اور رحم دونوں ہے یا نہیں۔ بلکہ توبہ کا نہ قبول کرنا اور گناہوں کا نہ معاف ہونا سراسر ظلم اور خلاف عدل ہے۔ کیونکہ وضع الشئ فی محلہ کے خلاف ہے۔ اصل میں پنڈت جی کو حقوق العباد بندوں کے حقوق اور حقوق اللہ (خدا کے حقوق) میں اشتباہ ہو گیا۔ ان کی تقریر سے جو صفحہ ۲۴۱ میں مندرج ہے۔ یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو دونوں میں تمیز نہیں۔ سو ہم اپنے آپ یہ بھائیوں کو بتاتے ہیں کہ ان میں قہر و فرق ہے۔ اور ہم بھی حقوق العباد میں قبول توبہ کے قائل ہیں۔ جسے تک د۔ نفس جس کا نقصان کیا گیا ہے معاف نہ کرے۔ کیونکہ اس سے انتقام عالم بگڑتا ہے اور قسم شافی میں قبول نہ کرنا ہے۔ بشریکہ صدق دل اور خالص نیت سے محض خدا کے عذاب پہنچے۔ تمام بد سے پاک توبہ ہے۔ نیز یہ بھی شرط ہے کہ توبہ کرنے کے وقت دل کے پورے یقین سے آئندہ گناہ نہ کر نیکا اقرار کرے۔ ورنہ کوئی توبہ نہیں۔

اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے (نما التوبة علی . للذین یعملون السوء . یجعل الله لهم توبون من قريب . فاولئك يتوب الله علیهم . وكان الله علیما حکیم .) لیست التوبة للذین یعملون السیئات حتی اذا حض احدہم الموت قال انی تبت الا و لا الذین یموتون وہم کفار . اولئک اعدنا لهم عذابا الیم . اللہ تو یہ صرف انہی لوگوں کی قبول کرتا ہے جو نادانی سے کوئی حرکت کر بیٹھے۔ پھر جلدی سے توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ بھی ایسا ہی کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔ اور اللہ سب کا حال جانتا ہے رتوبہ کو بھی جانتا ہے کہ بچے دل سے ہے یا نہیں) اور حکمت والا ہے۔ اس کی



حکمت اور عدل قبول تو بہ ہی کا متقنی ہے) اور ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں جو عمر بھر بُرے کام کرتے رہے۔ یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سامنے موت آکھڑی ہو تو کہنے لگے۔ کراہ میری توبہ اور اسکی طرح ان کی توبہ بھی قبول نہیں ہو جو کفر ہی کی حالت میں مر گئے ان لوگوں کے لئے ہم نے عذاب دردناک تیار کر رکھا ہے (نساء ۷۸)۔  
 ۷۸۔ اٰیٰت۔ وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاَحْسٰۤثَةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرَ اللّٰهَ فَاَسْتَغْفَرُوا الَّذِیْنَ اٰتٰوْهُم مِّنْ لَّدُنْهُمْ اَلَا اللّٰهُ وَلَمْ یَصْبِرُوْا عَلٰی مَا فَعَلُوْا وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ  
 معافی ان لوگوں کے لئے ہے جن کو گناہ کر کے خدا یاد آجاتا ہے اور اپنے گناہوں پر بخشش مانگتے ہیں اور جانتے ہیں کہ خدا کے سوا کوئی گناہ بخش نہیں سکتا۔ اور اپنے کئے پر دانستہ اڑے نہیں رہتے۔

پنڈت دیانند صاحب نے اس میں بھی غور سے کام نہیں لیا۔ کہ دنیا میں جتنی صفات کمال ہیں۔ ان سب کا سرچشمہ صفات خداوندی ہیں۔ مثلاً سخاوت اور فیاضی ایک صفت کمال ہے۔ تو دراصل اسی سرچشمہ کا ایک سوتا ہے۔ ایسا ہی عدل رحم۔ محبت وغیرہ صفات کمال سب اوسی سرچشمہ کے نشان ہے۔ جس کو اللہ ہمیشہ گاڈ اور خدا کہا جاتا ہے۔ پس جب ہم دنیا میں بہت سے مقدمات میں مدعیان اور مستغنیان کو معاف کرتے ہی دیکھتے ہیں اور ان کی کمال تعریف کرتے ہیں۔ اور بسا اوقات کہتے ہیں کہ یہ درعفو لڑتیت کہ در انتقام تو خدا کی نسبت کوئی دلیل اس صفت کمال کے ماننے سے ہمیں مانع ہے۔

اُس پنڈت جی کا یہ کہنا کہ توبہ ہے گناہوں پر جرات ہوتی ہے۔ عجب حیرت افزا ہے۔ پنڈت جی کو یہ بھی معلوم نہیں کہ دنیاوی کاروبار میں جس میں بندوں کو اپنے تصور کی معافی کا علم بھی ہو جاتا ہے۔ معافی سے جرأت اور دلیری نہیں ہوتی۔ تو خدا کی معافی سے جس کا علم بھی اس دنیا میں قطعی طور پر نہیں

ہو سکتا۔ کیونکہ موجب ازویا و جرأت ہو گا۔ ہاں ایسے آدمیوں کی تو بہ اسلام میں بھی قبول نہیں۔ جو گناہ کرتے ہوئے یہ دلیری رکھیں۔ کہ تو بے گناہ معاف کرا لیں گے۔ ہاں خطا کے بعد یہی توبہ انابت اور اصلاح حالت پر گناہ ضرور معاف ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں بشارت دیتا ہے۔ غور سے سنو۔

قل یا عبادى الذین اسرفوا علی انفسہم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعاً و هو الذی یقبل التوبۃ عن عبادک و یعصوا عن السیئات۔  
 قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان الحسنات ینذہبن السیئات نیکماں برائیوں کو کھا جاتی ہیں۔ اچھی خدمات معمولی قصور کو خیال میں نہیں لانے دیتیں۔ ماتحت اور خادم معمولی قصوروں کے بعد جب اچھی خدمات سے آقا کو راضی کر لیتے ہیں۔ تو آقا گذشتہ قصوروں کا کچھ خیال نہیں رکھتا۔ بلکہ بالکل بھول جاتا ہے۔ اس اصول کی طرف خیال کیا جائے تو ایک گناہ کے بعد توبہ کرنا۔ اللہ کے حضور گرد گردانا۔ تادم ہونا۔ پچھتانا۔ بار بار اس کو یاد کرنا۔ آئندہ کو گناہ چھوڑ دینا۔ اپنی حالت کو سدھار لینا۔ کیا کوئی نیکی نہیں ہے۔ جو اس گناہ کی تلافی اور معافی کا موجب ہو سکے۔ ستیارتو بہ کاش باب چہارم صفحہ ۱۲۸ میں لکھا ہے۔ کہ توبہ کرنے کا مقصد یہ ہے۔ کہ رسولی خانہ کی ہوا صاف ہو جائے اور جو بے خبری سے بے دیکھے جانوروں کا خون ہوتا ہے۔ اس کا کفارہ ہو جائے، کیا یہاں ایک نیکی کے ہوئے گناہ معاف نہیں ہوتا۔ پس جب آدمیوں کے نزدیک بھی کھڑے گھوڑے وغیرہ کا خون کیا ہوا (جو یہ بھی آدمیوں کی بھی اور انہی کے بھائی بند ہیں) صاف ہو جاتا ہے۔ تو اگر یہی توبہ سے ایک سچے انسان کے قصور اور گناہ معاف ہو جائیں۔ تو تعجب کیوں ہے؟

# عیسوی نجات اور اس کا فطرت انسانی کے برخلاف ہونا

عیسائی لوگ بھی اس توبہ کی خلافتی سے بے خبر ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ بلا مبادلہ خداوند تعالیٰ کسی پر رحم نہیں کر سکتا۔ نہ کسی کے گناہ معاف کر سکتا ہے۔ حالانکہ دنیا میں وہ ہمیشہ سے بلا مبادلہ رحم کرتا چلا آیا۔ اور بلا مبادلہ رحم کرنا ہی اس کی عادت ہے اور توبہ میں قلم مبادلہ بھی ہو جائیگا۔ انسان جو کہ ایک اس طرح کی اکٹونے والی اور سرکش ہستی ہے۔ جب وہ جبین نماز خداوند تعالیٰ کے دروازے پر رکھ دیتی ہے۔ اور اپنے گناہ کا سچا اقرار کر کے اور سچی ندامت دل پر وارد کر کے روٹنا اور چلا تا اور روح و جسم کو گھساتا ہے۔ کیا یہ کچھ چیز نہیں اور کیا یہ ایک قسم کی سزا کے روحانی نہیں ہے؟ اگر یہ سزا نہ فی نہیں ہو سکتی بلکہ تو کیا یہ سزا کافی ہو جاتی ہے۔ کہ بقول نصاریٰ گناہ انسان کو رہے ہیں۔ اور سزا خدا کے بیٹے نے اپنے اور پیش از وقت مل کر لی۔ حالانکہ قیامت کے دن گناہوں کے قصور دیکھ کر اسی انداز سے سزا ہونی چاہیے تھی۔ انسان مزے سے گناہ کرتے اور عیش و عشرت مناتے ہیں۔ اور خدا کے بیٹے کے حال پر مہربان آجی۔ یہ تو سزا کا احمقانہ طریقہ ہے۔ جس کی دہی مثال ہے دنیائی ختم کرے اور وہ ہٹا چینی بھرے گا۔

ہینک عیسائی لوگ منہ سے تو نکار نکار کر کہتے ہیں کہ عیسوی مذہب کے اندر آنے سے انسان کو ایک نئی روحانی زندگی حاصل ہو جاتی ہے۔ اور روح القدس کی تاثیر سے گناہوں کی طرف سے تنگ نہیں رہتا۔ لیکن علیٰ نظیر اس کی دنیا میں

کہیں دیکھی نہیں گئی۔ جس طرح اور قومیں گناہ کرتی ہیں۔ عیسائی لوگ بھی برابر اسی طرح اور اسی قسم کے گناہ کرتے رہتے ہیں۔ بلکہ بعض بعض گناہ عیسائیوں میں باخراط بڑے ہو گئے ہیں۔ شراب خوار قوم دنیا میں عیسائیوں سے بڑے گناہگار نہیں۔ سوائے اس کے چوری۔ ذیبتی۔ قمار بازی۔ خوبکشی۔ قتل۔ جھوٹ۔ حلاق و غیرہ کون سے گناہ ہیں۔ جن کے عیسائی مرتکب نہیں ہوتے۔ اور کون سے اعمال نفاق شر بہت ہیں۔ جو ان سے سرزد نہیں ہوتے۔ بلکہ شریعت الہی کا نام تو یہ لوگ (عہد یقین) و تقویم پڑھتے، لکھتے کہ اس سے آزاد ہو چکے ہیں۔ انکا ظلم و شریعت الہی کا حکم، اس لئے کہ کزور ہو رہے قایم تھا اٹھ گیا۔ روکیو نامہ پولوس، پس، بن کا یہ کہنا کہ ہم لوگ اعمال کی برکت اور روح القدس کے بخشان سے گناہ سے بالکل معصوم اور نجات پا جاتے ہیں۔ اور عیسائی ہو کر گناہوں کی طرف ہمارا میلان تک نہیں رہتا۔ شریعت زبانی و حکم سارا اور بھی منسلک ہے۔

عیسائیوں نے گناہ سے بچنے اور نجات کا کچھ طریقہ پیش رکھا ہے۔ سراسر عقل و نقل کے بد خلاف ہے۔ نہ کسی فلاسفر اور حکیم کی عقل ہو نہ نصرت الہی اس کا ساتھ دیتی ہے۔ ذکر الہی آسمانی کتاب اس کے ساتھ موافقت کرتی ہے۔ اور نہ ورک آف گناہ و رخصت الہی کی فعلی کتاب میں اس کی خیال ملتی ہے۔ اور نہ در و آف گناہ و رخصت الہی کی قول کتاب میں اس کی تسلیت پائی جاتی ہے۔

دنیا میں یہود۔ بدھ۔ اسلام و مجوس۔ ویدی مذہب وغیرہ میں سے کوئی شخص بھی عیسائیوں کے عقیدے پر غریبہ نجات کے ساتھ اتفاق نہیں کرتا۔ نہ مٹی گنہ۔ نہ بات کی بدایت۔ نہ کرتی ہے کہ گناہ شدہ انسان۔ سے کسی نئی کے زمانہ میں کوئی شخص کے گناہ دوسرے شخص پر لا دینے لگے ہوں۔ یا اسے ہاتھ ہوں۔ بلکہ اس کے برخلاف نوریت عرسی جس سے ہر ایک امتیاز بنی اسرائیل مٹل کرتے رہے۔ لور کیا ہے۔ کہ ہر ایک

اپنے ہی گناہ کے سبب اراجائیگا داستانم باب ۱۶۔ وہ جان جو  
گناہ کرتی ہے سو ہی مرے گی۔ بیٹا باب کی برکاری کا بوجھ نہیں  
اٹھائے گا۔ اور نہ باب بیٹے کی برکاری کا بوجھ اٹھاوے گا۔ صلوٰۃ  
کی صداقت اسی پر ہوگی۔ اور شریعت کی خسارت اسی پر پڑے گی  
آخرتیں ۱۰ باب ۲۰۔ اور ایسا ہی انجیل پولوس مقدس بھی زمانے  
ہیں۔ پس ہر ایک ہم میں سے خدا کو اپنا اپنا حساب دیگا۔ پس چاہے  
کو کم آئے کو ایک دوسرے پر عیب نہ لگاویں۔ بلکہ یہ غور کریں۔ کہ  
وہ چیز جو ٹھوکر یا گرنے کا باعث ہے۔ اپنے بھائی کے سامنے  
نہ رکھیں۔

اور پھر فرماتے ہیں۔ کہ یقیناً خداوند تمہارے گناہگاروں کی عداوت  
کرے گا۔ اور انتقام لے گا۔ دھرمانی ۱۰ باب ۲۰

اور یہ واقعی بڑی غور طلب بات ہے۔ ہزاروں سال تک جس طرح  
اور انبیاء اور ان کی امتوں کو خدا تعالیٰ نجات دیتا چلا آیا ہے۔ اسی  
روح امت مسیحیہ کے لئے یہی قانون نجات مقرر کرتا ہے کیا حضرت مسیح  
کے وقت سے دنیا کی فطرت بدل گئی۔ کہ ان کے لئے یہ قابل تسخر  
ہو یہ نجات مقرر کیا۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ حضرت مسیح سے چہ جواستیں  
تقیں ان لوگوں سے نجات پائی یا نہیں۔ اگر ان میں سے کسی نے  
نجات پائی ہے۔ تو وہ ہی طریقہ نجات امت مسیحیہ کے لئے بس  
کافی تھا۔ اور اگر نہیں پائی۔ تو ان لوگوں کے لئے سبیل نجات  
کیا تھی؟ کیا خدا نے ان کو گناہ سے بچنے کی طرح پیدا کیا تھا۔  
جو دوزخ کا ایندھن بنیں۔ اگر پہلی امتیں نجات پانے کے لائق

ہیں۔ یہاں سے ظاہر ہے کہ عیسای پہلی امت ہی اسی پر عیب ہیں یا نبوی دکرین  
وہ خدا کو اپنا حساب دینے اور سزا پانے میں عیسای خدا سے ہر گناہگار  
جی گناہوں کی سزا و جزا نہیں دے۔ تو کفارہ مسیح کے ہونے کا کیا فائدہ ہوا۔  
ہو۔ اس کی کیا ضرورت رہی۔ مسیح بچاؤ کی جان نجات میں تھی۔ گناہگار  
ہی عیب ہوں گے سر پر چڑھ رہے۔ وقفہ فکر و یا اولیٰ اکالہ باب

نہیں ہوئیں۔ تو کمزور نہ مسیح دنیا کے پیدا ہوتے ہی تشریف لائے  
 تاکہ اگر فطرت کے موافق یہی طریقہ نجات تھا۔ تو جب سے فطرت  
 انسانی کی ابتدا ہوئی۔ تب سے یہ انوکھا طریقہ نجات بھی قائم ہوتا  
 اور لوگ نجات پا جاتے۔

اس کے سوا انجیل مقدس بھی حضرت مسیح ؑ کی صلیبی موت کو  
 باعث نجات قرار نہیں دیتی۔ اور نہ نجات کے لئے موثر خیال  
 کرتی ہے۔ بلکہ پولوس مقدس انجیل میں صاف فرماتے ہیں۔ کہ  
 اگر بعد اس کے کہ ہم نے سچائی کی پہچان حاصل کر لی ہے۔ معلوم  
 ہو گیا ہے کہ نکلانا امر گناہ اور ناکردنی ہے) جان بوجھ کر گناہ کریں  
 تو پھر گناہ کے لئے کوئی قربانی نہیں۔ مگر عدالت کا ایک ہونک  
 انتظار اور آتش غضب جو مخالفوں کو کھا جائیگا کافی ہے۔

جس نے موسیٰ کی شریعت کو حقیر جانا تو وہ رحمت سے خارج  
 ہو کر دو نہیں آدمیوں کی نحوہ ہی سے مارا جانا ہے۔ پس خیال کرو  
 کہ وہ شخص کس سزا کے لائق ٹھہریگا۔ جس نے خدا کے بیٹے کو  
 پا مال کیا۔ اور عہد کے ہو کو جس سے وہ پاک ہوا تھا۔ ناپاک  
 جانا۔ اور فضل کے روت کو ذلیل کیا (عبرانی ۱۰: باب ۲۲ - ۱۷ - ۱۸  
 ایسا ہی عبرانی ۶ باب ۲ میں ہے۔

سو اگر پولوس مقدس کا یہ قول ٹھیک ہے کہ مسیح کی قربانی  
 پر ایمان لانے کے بعد بھی اگر گناہ کی طرف ذرہ بھر میلنا کیا  
 جائے۔ تو اُمت موسوی سے بھی زیادہ سزا ہوگی۔ تو عیسائیوں  
 کا دنیا میں کوئی ٹھکانا نہیں۔ اور ان کے لئے بڑا خطرناک  
 مقام ہے۔ اس لئے کہ کوئی عیسائی ایسا نہیں۔ جو لو کے عہد  
 سے پاک چلنے کے بعد پھر گناہ نہ کرتا ہو۔ پس یقیناً خدا تعالیٰ  
 ایسے غمگینوں کی عدالت کریگا۔ اور انتقام لےگا (عبرانی ۱۰: باب ۲۲  
 انجیل کے روت سے ایک گناہ کی سزا بدی موت اور دائمی دوزخ  
 ہے۔ پس کوئی مسیح ؑ ہرگز ہرگز نہ بے گناہ ہے۔ اور نہ نجات  
 پاسکتا ہے۔ یہ وہ آریہ اور ہر فرقہ سے ان کا حال بدتر ہوا۔

مسیح کی جان مسفت پر گھٹی۔ اور عیسائی آگے سے بھی گئے گزرے۔

اس کے بعد حضرت مسیح ۳۰ سالے انجیل میں بھی ہمیشہ کی زندگی کا موجب اعتقاد و توجید و رسالت کو قرار دیا ہے۔ اور نجات کا موجب احکام ربانی اور تورات کی تعمیل کو ٹھہرایا ہے۔ (دیکھو انجیل یوحنا ۱۰: ۱۰)

## عیسائیوں کی نجات کا طریقہ عقل اور قانون فطرت کے برخلاف ہے

عقل کے برخلاف اس لئے کہ کسی دانشمند کی فطرت اس بات کی نگاہ میں نہیں دے سکتی۔ کہ ایک کے گناہ دوسرے پر لا دئے جائیں۔ گنہگار مرنے کریں۔ اور نہ گناہ اس کی جگہ بکھڑا جائے۔ خدا کی کتاب اس بارے میں ایسا ارشاد فرماتی ہیں۔ (وان کا ضرور و ازرق و نہی اخرے لئے کوئی آٹھائے والا دوسرے کے گناہ آٹھائے نہیں سکتا۔ وان یس لایس لایس لایس لایس لایس اور انسان کو وہی کچھ مل سکتا ہے۔ چہ اس نے آپ کیا۔ جس سے انظار من اشع۔ ہے کہ گنہگار کے گناہ دوسرے کے گناہ پر لا دینے زرح ہے و انصاف ہے۔ نہ نیچے میں (۳) کی گفتار ہے۔ کوئی منصف حاکم ایسا کر سکتا ہے۔ کہ یہ تو نہ کو قتل کرے۔ نہ یہ کو زندہ کی جگہ خالی کو چھوڑ دے۔ نہ یہ کوئی بددینی کا طریقہ بے ضرر و قوت و قوت کے اور دے مر رہا ہو۔ اور بلکہ اس کا رفیق بجائے اس کے کو قوانینِ اعلیٰ کے موافق اس کے لئے کوئی دوا لائے یا کسی طبیعت پر کو بلا لائے جو اس کا علاج کرے۔ بددینی کے جوش میں

جہٹ رہنا سر پھوڑ کر مر جائے۔ کیا بکر کو کوئی شخص اس حالت میں عقلمند کہے گا۔ نہ اس کے سر پھوڑنے نے عمری کی بیماری کو کچھ فائدہ دیا۔ اُن بکر نے اعتقادہ جوش میں لغو حرکت کر کے اپنا سر پھوڑ لیا۔ اور اپنی پیاری جان ناحق ضائع کی۔ بغیر اس کے کہ عمر کو کچھ فائدہ پہونچے۔ یا اس کو درد سے کچھ آفات نہ ہو۔

یہی حالت مسائیوں کے خدا کی ہے۔ لوگوں کو گناہ کے زہر سے مرنے دیکھ کر اُن کے لئے کوئی تریاق تو پیدا نہ کیا۔ البتہ ہمدردی کے جوش میں آپ پہانسی پر چڑھ کر مر گیا۔ تعجب کی بات ہے کہ دانا بیاں فرنگ جو اعلیٰ درجہ کے فلاسفر ہیں۔ اس نامعقول عقیدہ کو کس طرح مان رہے ہیں۔ مجھے اس دانیات عقیدہ پر کبھی ایسا تعجب نہیں ہوا۔ جتنا اس بات پر تعجب ہوتا ہے۔ مگر ایسے اعلیٰ درجہ کے فلاسفر اور حکماء یورپ جو بال کسی کمال نکالتے ہیں۔ اور فطرت کے رموز اور اعمال انسانی کی مابین اور اُن کی جو ابدی وغیرہ کو بخوبی سمجھتے ہیں یہ بات کیونکر مان رہے ہیں۔ کیا کوئی ہے جو مجھے اس حیرت سے نکالے؟

## اسلامی اصول نجات کی تصدیق عقل

### نقل دونوں کرتی ہیں

اس کے برخلاف قرآن شریف کے اصول نجات کی تصدیق عقل ہی کرتی ہے۔ وہ نقل بھی نقلی تصدیق تو اس ممکن ہوتی ہے۔ کہ دنیا کی تمام کتابیں۔ توریت۔ زبور۔ دیہ وغیرہ سب وہی بات کے قائل ہیں۔ کہ ہر ایک شخص اپنے افعال



اور اعمال کا جواب وہ آپ ہے۔ ایک کے گناہ دوسرے پر ہرگز  
لاوے نہیں جاتے۔ اور تمام آسمانی کتابیں نجات کا انحصار  
سچے ایمان اعمال حسنہ۔ تقویٰ طہارت اور زہد پر رکھتی ہیں۔  
ساری توریت انہی مضامین سے بھر رہی ہے۔ اگر تم نیک کمال  
کرو گے۔ شریعت پر عمل کرو گے۔ تو دنیا و دین میں برخوردار اور  
کامیاب ہو جاؤ گے۔ بلکہ اکثر جگہ انجیل بھی اسی امر کی تصدیق کرتی  
ہے۔ حضرت مسیح م فرماتے ہیں۔ کہ اگر تو ہمیشہ کی زندگی چاہتا ہے  
تو ملکوں پر عمل کر۔ اور اس کے حکم بھاری نہیں ہیں۔ نامہ اول  
یوحنا باب ۳۔

ایسا ہی یعقوب حواری اپنے خط کے دوسرے باب ۱۴ میں  
کہتا ہے کہ اگر کوئی کہے کہ میں ایمان دار ہوں۔ اور عمل نہ کرتا  
ہو تو کیا فائدہ۔ کیا ایسا ایمان اُسے بچا سکتا ہے۔ اگر کوئی بھائی  
یا بہن تنگ ہووے۔ اور دذنیہ رو فی میسر نہ ہو۔ اور تم میں سے  
کوئی انہیں کہے۔ کہ سلامت جاؤ۔ گرم اور سیر ہو پرا نہیں دے  
چیزیں نہ دے۔ جو بدن کو ضرور ہیں تو کیا فائدہ؟ اسی طرح ایمان  
بدونِ عمل کے ساقط نہ ہو تو اکیلا ہو کے مردہ ہے تو ایمان لاتا ہے  
کہ خدا ایک ہے۔ اچھا کرتا ہے۔ شیاطین بھی ملتے اور تفرقہ کرتے  
ہیں۔ پراے وہی آدمی کب تجھے معلوم ہوگا۔ کہ ایمان بے عمل  
مردہ ہے۔ پیشوا نے انبیاء حضرت ابراہیم ؑ بھی اعمال سے راستباز  
کئے گئے۔ اور صرف ایمان سے نہیں۔ اور توبہ سے گناہوں کا  
معاف ہونا امثال ۲۸ باب ۱۳ سے ظاہر ہے۔ کہ وہ جو گناہوں  
کو چھپاتا ہے۔ کامیاب نہ ہووے گا۔ پر وہ جو گناہوں کا  
اقرار کرتا ہے۔ اور اُسے چھوڑ دیتا ہے۔ اسی پر رحمت ہوگی  
توبہ اور استغفار ہی اُسے حضرت داؤد کا اور داؤد لا گناہ معاف  
ہوا۔ (زبور ۵) ایسا ہی توبہ سے خدا تعالیٰ کا گناہ معاف  
کرنا۔ اور حضرت انبی کا ذکر ۱۰۳ زبور ۸۶ زبور ۱۵۔ امار  
۲۶ باب ۴۔ استثنا ۳۰ باب ۱۔ ۲ میں ہے۔ اصر کسی جگہ بائبل میں

صاف لکھا ہے۔ کہ جس خدا کے آگے گناہ ہے اقرار کر لی دیر ہے اور  
بصاف گزرتے میں دیر نہیں۔ اور اس کے گناہ بگھٹتے ہے گناہ کا بخشا کا تا  
ملی باب ۱۴-۱۵ وغیرہ ہے ثابت ہے۔

یہ قواسمی اصول کی صداقت کی نقل و بدل ہوئی۔ اب عقلی میں گھٹے  
ایمان یعنی خدا تعالیٰ کا سچا یقین اور اسکی بستی کا پورا افسوس و ہلاکت  
انسان کا نجات دلنے والا ہے۔ خدا جو ہمارا حقیقی محسن اور سچا مربی  
ہے۔ جب ہم اس کی نعمتوں کا شکر۔ عنایتوں کا احسان مانگتے۔ تو کیوں نہ  
وہ ہم سے پیار کرے گا۔ اور کیوں نہ ہم کو اپنا مخلص در دست بنائے گا۔  
یجہم و یحبون۔ خدا کے بچے مومن اور عاشق اس سے پیار کرتے ہیں  
اور خدا ان سے پیار کرتا ہے۔

جب ہم کو اس پیار سے کا سچا یقین ہو گا۔ تو کیوں نہ ہم محبت  
سے اُس کے فرمانوں اور ارشادات کو مانیں گے جتنی خدا تعالیٰ سے ہیں  
سچی محبت اور سچا ایمان ہو گا۔ اُسی قدر سچے دل سے اُس کے حکموں  
کو مانیں گے۔ اور منع کی ہوئی چیزوں کو چھوڑ دیں گے۔ جسے کہ جب ہمارا  
یقین اعلیٰ سے اعلیٰ ترقی پا جائے گا۔ تو ہم سے کوئی گناہ بھی ہونا نہ پائے گا  
اور ہماری زندگی پاک اور بہشتی ہو جائے گی۔ اسی طرح نیکی کا عادت سے  
بعد طبیعت ثانیہ ہو جانا اور بے کلام دور ہو جانا۔ تقویٰ اور طہارت موجب  
نجات ہے۔

اعمال حسنہ سچے ایمان کا پھل ہے۔ جب ایمان کا درخت اچھا ہو گا۔ تو  
وہ کبھی بُرا پھل نہیں لائیگا۔ کیونکہ اچھا درخت بُرا پھل نہیں لاسکتا ہے  
توبہ و مغفرت انسان میں جو خدا تعالیٰ نے سہو اور خطا کا مادہ رکھا  
ہے۔ اس کی تلافی، جزا و توبہ اور خدا تعالیٰ کی مغفرت۔ جسے وہ کوئی  
چیز کر ہی نہیں سکتی۔ بلکہ خدا تعالیٰ نے سہو اور خطا کا مادہ رکھا ہے  
اسی لئے ہے۔ کہ تا انسان اپنے تئیں قصور مند اور خطا کار نہ کہ ہمیشہ  
دست نیاز اللہ تعالیٰ کی طرف پھیلاتا رہے۔ اور خدا تعالیٰ کے فضل  
و کرم و مغفرت کا مزہ چکھتا رہے پس انسان کی اولیٰ و سبیل و  
چکنے کی دیر ہے اور اللہ تعالیٰ کو صاف کرنے کی دیر نہیں ہے

باز آواز آکر دوستی باز آ + مگر کا ذوقِ بدبت پرستی باز آ  
 اس درگاہِ نویدی نیست + صد بار اگر توبہ شکستی باز آ  
 اس بابت کی خاموشی کہ توبہ اور استغفار سے غناہ کیونکر معاف  
 ہو سکتے ہیں۔ اور خدا نے عادل صرف ایک شخص کے روئے  
 چلانے سے غناہ کیسے معاف ہو سکتا ہے۔ یہ ہے کہ اس میں انسان  
 اپنے گناہ کا اقرار اور ندامت کا اظہار کرنے اور رونے چلانے  
 بچنے سے اپنے غناہوں کی سزا اپنے اوپر آپ وار دکر لیتا۔ اور  
 ایک طرح پر سزائے بد اعمالی آپ برداشت کر لیتا ہے۔ اللہ تم  
 ہی سزا کا فی سبھکے اگر اس کی توبہ اور انابت سچی ہوتی ہے۔  
 اور آئندہ کو ترکِ غناہ کا عزمِ معصم کرتا ہے تو اس کے گناہوں پر  
 قلمِ عفو پھیر دیتا ہے۔ اور یوں اس رونے چلائیوالے کے آئندہ  
 اس کے اپنے سیاہ نامہ اعمال کو دھوئے اور دامنِ آلودہ پر آنسوؤں  
 کے پانی کے چھینٹے ڈالے جاتے ہیں۔ انسان جو ایک فخر اور گھمنڈ  
 کرنے والی ہستی اور کسی کے آگے نہ جھکنا گوارا کرنے والی ہستی ہے  
 جب اپنا سارا گھمنڈ چوڑ دیتی ہے۔ اور جبینِ نیاز خدا تعالیٰ کے آستانہ  
 پر رگڑتی ہے۔ تو یہ اس کے لئے کچھ کم سزا نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ روحانی  
 عذابِ جسمانی سزا سے کہیں بڑھ کر ہے۔ پس گناہ کا اقرار اور سچی  
 پشیمانی ہی گناہ کا سچا اور اصلی کفارہ ہے۔

## عیسائیوں سے استفسار

جو عیسائیوں سے استفسار کرتے ہیں۔ کہ آپ براہِ جہر بانی بیان فرماویں  
 کہ آپ جو ہر روز شادی کرتے ہیں۔ کہ عیسائی مت اختیار کرنے اور  
 مسیح پر ایمان لانے سے انسانِ گناہ کے پھندے سے نجات پاتا۔  
 اور حیاتِ ابدی کا وارث ہو جاتا ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے۔ اگر  
 یہ مطلب ہے کہ عیسوی مت میں آنے سے کوئی شخص گناہ کرنے ہی

نہیں پاتا۔ کیونکہ مسیح نے بڑے سانپ کا سر کچل دیا ہے۔ تو یہ تو بائبل کا  
 غلط ہے۔ عیسائی رنگ پتہ پالنے کے بعد ہزاروں گنا کرتے۔ بلکہ  
 گناہوں میں ان کا نمبر دوسرے مذہبوں سے بھی بڑھ چکا  
 بڑھتا ہوا ہے +

اور اگر یہ مطلب ہے کہ عیسوی مت میں آنے سے جس قدر  
 گناہ کئے جائیں۔ فوراً معاف ہوتے جاتے ہیں۔ تو یہ بھی بالکل غلط  
 ہے۔ اس لئے کہ پولوس رسول انجیل میں صاف کہتا ہے۔ کہ بعد اس  
 کے کہ ہم کو سچی سچی پہچان حاصل ہو گئی ہے۔ اگر پھر گناہ کریں تو  
 ہمارے لئے کوئی گناہ نہیں، اس کے سوا ہم نے کبھی عیسائیوں کو  
 اہانت عامہ کا وعظ کرتے نہیں سنا۔ کہ عیسوی مت میں آؤ۔ ہر جو  
 چاہو کرو۔ پا کرں کیلئے سب کچھ پاک ہے۔ بلکہ عیسوی مت میں بھی  
 آکر بھی گناہوں سے ممانعت کی جاتی ہے۔ اکثر قصور وں پر  
 پادریوں اور وعظوں کو موقوف کر دیا جاتا ہے۔ عام عیسائیوں کو  
 جرائم اور عزلات پر جیلانوں میں بھیجا جاتا ہے۔ چھانسی دیا جاتی  
 ہے۔ جرمانہ کیا جاتا ہے۔ پس عیسوی مت میں گناہ سے نجات کا طریقہ  
 کوئی بھی نہ رہا۔ محض زمانی جمع خرچ ہوا۔ اگر واقعی گناہ معاف ہو  
 جایا کرتے۔ تو دنیا میں بھی کسی قسم کی سزا ان کے لئے جائز نہ ہوتی  
 اللہ تعالیٰ ہی فرماتا ہے۔ وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَةُ نَحْنُ  
 ابْنَاءُ اللَّهِ وَاحِبَاءُ قُلُوبِهِمْ يَحْذَرُ الْيَهُودُ بَنِي إِسْرَءِيلَ وَنَحْنُ  
 بَشَرٌ مِمَّنْ خَلَقَ +

## عیسائیوں کی قسمت

انتہار نور افشاں مطبوعہ ۱۸۷۹ء۔ دہلی میں ایک صاحب طالب نے  
 نے مسلمانوں کی نسبت یہ اتہام لگایا ہے۔ کہ بتول اسلام ”جو کچھ  
 اس دنیا میں ہوتا ہے۔ خواہ نیک یا بد اس کا کریمہ والا خدا ہے۔

اور ہدی کا بانی اور موجد وہی ہے۔ حالانکہ یہ کلام ربانی کی ہدایت کے مرتبہ جبرعلات ہے۔ قرآن شریف میں تو اللہ تعالیٰ یہ فرمانا ہے کہ یوسفی لعباد لا الکفر فدا اپنے بندوں کے کفری راضی نہیں۔ اور پھر فرمایا کہ ان اللہ یا مہ بالفضلہ خدا بڑے اکاموں کا حکم نہیں دیتا۔ پھر فرمایا۔ فیما کسبت ایدیکم تمہارے ہی اقدوں سے بڑا کیا وہ جب نہیں معلوم کہ طالب الدین صاحب اپنے یہ عقیدہ اہل اسلام کا کہاں سے معلوم کر لیا۔ کہ ہدی کا بانی اور موجد خدا ہے۔ خود باتہ ہدی کا بانی اور موجد ہرگز خدا نہیں۔ خدا خیر ہی کا بانی ہے۔ خیر ہی کے انتظام کے لئے اُس نے انبیاء بھیجے۔ کتابیں نازل فرمائیں اور سب انتظام کئے۔ مگر غرض یکے کوئی کتاب نازل نہیں کی۔ نہ شر کا حکم دیا۔ پس طالب الدین کا یہ اتہام بالکل باطل ہے۔ مسلمان لوگ بوجہ علت اعلیٰ نہ ہونے کے چونکہ انسان کی ذات کو مخلوق الہی سمجھتے ہیں۔ اس لئے ضرور انسان کے افعال و عوارض وغیرہ کو بھی مخلوق الہی سمجھتے ہیں۔ اس لئے کہ اگر خدا کی مخلوق نہ ہوں۔ تو بالاستقلال انسان کے مخلوق مانتے پڑینگے یا کسی غیر کے مخلوق سمجھتے کہ جو کسی لوگ مانتے ہیں۔ اور یہ دونوں شرک ہیں۔ لیکن ہرگز ان کا عقیدہ نہیں کہ انسان صدور افعال میں مجبوراً اور غیر مختار ہے۔ وہ بیشک مختار۔ اور آزاد ہے۔ مگر اس کا اختیار علیہ الہی ہے۔ اسی اختیار سے جو کار خیر و شر وہ کرتا ہے۔ اس کا جواب وہ ہے اور اس پر سزا و اجزا مرتب ہوگی +

مسلمانوں میں ایسی تقدیر نہیں مانی گئی۔ جیسا کہ طالب الدین صاحب کا خیال ہے۔ البتہ عیسائیوں میں ایسی تقدیر مانی گئی ہے۔ جس کو مزیور میں کہا ہے۔ اُس نے ایک تقدیر مقرر کی جو انہیں نہیں سکتی۔ اور اُسی نے فرعون کے دگو سخت کیا کہ وہ ایمان نہ لا سکا۔ (خروج ۴ باب ۲۱-۳ اور ۲ باب ۲۰) اور وہی دلوں کو سخت اور کڑا کرتا ہے (اسٹنٹ ۲۹-۳۰) اُس نے لوگوں کو وہ دلی جو بھیں وہ آنکھیں جو دیکھیں۔ وہ کان جو سنیں نہیں دئے

دانش ۲۹ باب ۴۴) اور خداوند ہی کی طرف سے تھا کہ لوگوں کے ظلمت  
 چھوٹے ویشو ۲۲ باب ۴۰) اُس نے اُن کے دوس کو پھیرا کہ دے اس کے  
 اس کے لوگوں سے عداوت کرے۔ لگے۔ اور اس کے بندوں سے دغا بازی لازمی  
 ۱۰۵۔ ۲۵) اور ہاں خیر یوں کو بھی اُس کو برے دن کیلئے بنایا ہے (امثال ۱۶  
 باب ۴) خدا ہی نے لوگوں کو گمراہ کیا۔ اور اُسی نے لوگوں کے دل سخت بنائے  
 دیسیا ۶۳ باب ۱۷) وہی سلامتی کو میدا کرتا اور بلا کو بناتا ہے دیسیا ۶۵  
 باب ۷) کوئی شخص ایمان نہیں لاسکتا جب تک کہ خدا جبراً نہ کھینچ لاوے۔  
 (یوحنا باب ۴۴) اعمال ۱۲ باب ۴۔ اور جتنے ہمیشہ کی زندگی کیلئے تیار کے  
 گئے۔ ایمان لائے۔ ایتھے۔

خدا کا ارادہ کاموں پر نہیں۔ بلکہ بولانے والے پر موقوف ہے (نارمرومی ۱۱) کا  
 باب ۸) وہ جبر چاہتا ہے رُم کرتا ہے۔ جبر چاہتا ہے جبر کرتا ہے۔ پس یہ  
 نہ چاہتے والے پر نہ دڑنے والے پر۔ بلکہ خدا نے جیم پر موقوف ہے  
 جو نہ کتاب میں وہ فرعون سے کہتا ہے۔ کہ میں نے جے اس نے برباد کیا  
 ہے۔ کہ تم پر اپنی قدرت ظاہر کروں۔ اور میرا کام تمام روئے زمین پر مضبوط  
 ہے۔ پس وہ جبر چاہتا ہے رُم کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے سخت کرتا  
 ہے۔ پس تو مجھ سے یہ کہے گا۔ پھر وہ کیوں الزام دیتا ہے۔ کس نے  
 اس کے ارادے کا مقابلہ کیا۔ اے آدمی تو کون ہے جو خدا سے مکرار  
 کرتا ہے۔ کیا کار گیری کا رنگ کو کہہ سکتی ہے۔ کہ تو نے مجھے ایسا کیوں  
 بنایا۔ کیا گھمار کا منی پر اختیار نہیں۔ کہ وہ ایک ہی خون سے میں سے  
 ایک برتن عزت کا۔ اور دوسرا بے عزتی کا بنا دے۔ اگر خدا اس ارادے  
 سے کہ اپنے غم کو ظاہر کرے اور قدرت کو دکھاوے۔ قبر کے برتنوں  
 کی جو تباہ کر چکے لائیں تھے۔ نہایت برداشت کی اور اپنے بے نہایت  
 جلال کو رُم کے برتنوں پر جو اُس نے حسرت کے لئے آگے تیار کئے تھے  
 ظاہر کیا تو کیا ہوا (رومی ۹ باب ۱۴) (متی ۱۱ باب ۳) خدا ہمارے کاموں  
 کے سبب سے نہیں بلکہ اپنے ارادہ ازلی رحمت اور نصیب کے بلاتا ہے (ملاکی  
 ۱ باب ۹) خدا کی مرضی کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوتا۔ (متی ۱۰ باب ۲۹) (ملاکی  
 ۱ باب ۴۳) ازل سے ہی بعض لوگ مزا کے لئے کچھ گئے (استثنا)

۱۳ باب ۳) یوحنا ۳ باب ۱۔ یہود ۱۱ باب ۴) خدا ہی نے اسرار شریعت کو عالموں اور داناؤں سے چھپایا۔ اور بچوں پر ظاہر کیا۔ (متی ۱۱ باب ۲۵۔ ۶۲) لوقا ۸ باب ۱۰) متی ۱۳ باب ۱ اور ۲ قریبی ۴ باب میں لکھا ہے۔ اور ہماری انجیل اگر پوشیدہ ہو رہے تو انہیں پہ پوشیدہ ہے جو ہلاک ہوئے ہیں کہ اس جہان کے خدا نے انکی عقلوں کو جو بے ایمان ہیں تاریک کر دیا ہے۔ تاکہ مسیح کی جلال والی انجیل کی روشنی انپر نہ چمکے۔ اور قدرت کی بزرگی ہماری طرف سے نہیں۔ بلکہ خدا کی طرف سے ہے۔ نتیجہ۔ اب ان حوالات بائبل کو پڑھ کر طالب الدین آپ ہی انصاف کر لیں۔ فرشتہ کی قابل اعتراض تعلیم تورات و انجیل میں ہے یا قرآن مجید میں۔ فقہر دیا اولی الالباب۔

## ویک تقدیر

آریوں کے نزدیک انسان کی موجودہ زندگی کلیتہً گذشتہ زندگی کا پھل ہے دو دیکھو آریہ مسافر میگزین بابت ماہ اگست سن ۱۹۷۹ء صفحہ ۴۳۔ اور پینڈت فیکر ام کی کتاب ثبوت تناسخ صفحہ ۱۰۳ وغیرہ جس میں صاف لکھا ہے۔ کہ انسان کا پچھ دراحت مسرت و مغرت اور سارا تفرقہ گذشتہ جنم کے اعمال ہی سے ہے۔ چنانچہ آریہ مسافر میگزین اپنے رسالہ ماہ اپریل سن ۱۹۷۹ء کے ٹائٹل پیج کے صفحہ اخیر پر فوراً نیوک کرنے کی فلاسفی بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ پھر بگھر میں نہیں آتا کہ فوراً نیوک تو بہلا جیسے تیسے کسی اور عورت سے کر بھی لیا۔ لیکن اولاد کیسے پیدا ہوگی۔ اول تو یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔ کہ عورت سے ہم بستی کرتے ہی ضرور اس وقت حمل ٹھہر جاوے۔ ہمارے دھرم کے انونساں تو ابھی بڑی اولاد پر اربہ کا پھل ہے۔ کوئی ٹھیکہ نہیں اٹھا سکتا کہ اسے ضرور اولاد ہوگی۔ اگر اسوقت نیوک کرنے میں حمل ٹھہر جاوے تاہم دوسرے ہینہ کا انتظار تو کرنا پڑا۔ پھر ہی فوراً کی شرط ٹوٹ گئی۔

پس آریوں کے اعتقاد کے موجب کسی انسان کو اپنے گذشتہ اعمال کے پھل سے ایک ذرہ بھی بچ و راحت۔ افلاس و غنا زیادہ نہیں مل سکتے خواہ لاکھ کوشش کرے۔ ہر ایک کی بُری بھلی قسمت اس کی گردن کا

مار ہے۔ چاک کو تقدیر کے ممکن نہیں کرنا روفہ سوزن تدبیر گو لاکھوں برس سچی رہے آریوں کے اعتقاد کے موجب کوشش بے سود ہے اور محنت رائیگاں جس قدر سیکہ گذشتہ جنم کے کرموں کے افسار حاصل ہوتا ہے۔ کوشش کی جائے یا نہ کی جائے۔ خود بخود پہنچ رہے گا۔ اور جس قدر دکھ گذشتہ بد اعمالیوں کے بموجب پہنچتا ہے۔ اُن کے دفعیہ کیلئے دھڑ دھوپ کی جائے یا نہ۔ کبھی پچھا چھوڑنے والا نہیں جس شخص کے گذشتہ اعمال کا پھل بد بختی اور بد نصیبی افلاس و ادبار ہے کبھی ملنے والا نہیں ہے۔

باب مزم و کوثر سفید نتوال کرد حکیم بخت۔ کسے را کہ یا قندب یاہ آریوں کے نزدیک انسان مجبور محض ہے گذشتہ جنم کے پھل کے مقدار۔ رنج و راحت، تیز غم و مسرت۔ عناء و فلاکت۔ اس کی ہلکی یا زیادہ ہو نہیں سکتی۔ انسان کو دکھ پہنچنے کے لئے ضرور ہے کہ کسی بُری عورت سے اس کی شادی ہو۔ دکھ دینے والی اولاد پیدا ہو۔ دکھ سے ہی اسباب پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے سکھ کے لئے خوبصورت نیک عورت عورت سے ان کی شادی ہونی ضرور ہے اور انسان اس میں مطلق مجبور ہے بلا کوشش اس کے اچھی اولاد ہونی پر ضرور ہے۔ کوشش اور محنت کو اس میں دخل تک نہیں +

پس اگر آریہ لوگ خیال کریں تو پراربدہ قسمت اور تقدیر کی تعلیم جیسی کچھ اُن کے مذہب میں ہے۔ دنیا کے کسی مذہب یا فرقہ یا قوم میں نہیں ہے۔ اس پر سخت تعجب کی بات ہے کہ ان مسلمانوں کو جبری تقدیر کا الزام دیکر ایمان کو مجبور مطلق کا خطاب دیتے ہیں۔

چنانچہ آریہ مسافر میلین اپنے رسالہ ماہ و ستمبر ۱۹۰۶ء صفحہ ۳۳ میں ویدک گرم فلاسفی کی فضیلت بیان کرتا ہوا عیسائیوں اور محمدیوں کے عقیدت کے ضمن میں بائبل آیات کے مذکور کے بعد مقصد ذیل جہات



لکھتا ہے وہو ہذا بینه ہی میل قرآن کی ہے۔ جیسا کہ مطلع قول حوالا جاتا  
سے صاف عیان ہے۔

(۱۱) اللہ علیٰ کل شئی قدیور۔ اللہ اوپر ہر چیز کے قادر ہے یعنی  
جو چاہے کر سکتا ہے سورہ بقرہ

(۱۲) ولقد فرمنا لجنہم کثیرا من الجن والانس رسولنا  
آیت تحقیق پیداکئے ہم نے واسطے دوزخ کے بہت جنوں سے اور  
آدمیوں سے۔

(۱۳) ان الذین کفروا سوائہ علیہم انذر تھم امر لم  
تذرھم لا یومنون۔ ختم اللہ علی قلوبہم وعلی سمعہم  
وعلی ابصارہم غشاوۃ والہم عذاب عظیم رسول بقرہ  
تحقیق جو لوگ کافر ہوئے برابر ہے اوپر اونہ کی ڈرایا کہتے ان کو نہیں  
ایمان لایسکے۔ مگر اللہ نے ان کے دلوں پر اور۔ اور آنکھوں کے پردہ  
اور واسطے ان کے عذاب ہے بڑا۔

(۱۴) یغفر لمن یشاء ویعذب من یشاء۔ وہ مانتا۔ بشت ہے جسکو  
چاہتا ہے اور عذاب کرتا ہے جس کو چاہتا ہے۔

(۱۵) خلق اللہ آدم علی صورۃ۔ یعنی پید کیا خدا نے آدم کو  
انچ صورت پر کیسیا سعادت کن اوں۔ اساتد شکوۃ جلد م صفحہ  
۱۱۱ باب الاسلام، یہی حدیث اور جگہ اس طرح لکھی ہے۔ خلق  
آدم علی صورۃ الوحان۔ یعنی مخلوق ہوا آدم اور صورت رحمان  
کے۔ شکوۃ۔

(۱۶) وہ شخص ہے کہ اچھی طرح بنایا۔ ہر چیز کو پیدا کیا۔ اور شروع کیا پیدا  
کرنا انسان کا مٹی سے پھر کی اولاد اسکی پانی حیرت سے۔ پھر درست کیا

۱۔ اس مٹی مرث کو قرآن شریف کی آیات میں لکھ دینا آریہ مسافر کی عقل کی خوبی  
ہے جس نے حدیث کو آیت سمجھا +

۲۔ ترجمہ بالکل غلط ہے۔ اصلی ترجمہ یوں ہے اور تم کو کان آنکھ اور دل عطا فرمایا کہین  
تم ان نعمتوں کا شکر کم کرتے ہو +

اوسکو اور بچہ نکال چکا اوسکے معرغ اپنی سے اور کیا واسطے تمہارے بنتا اور تمہارا  
انہول تھوڑا سا جو شکرت کرتے ہو (سجود)

(۷) کیا نہیں یاد کرتا انسان کہ ہم نے پیدا کیا اوسکو پہلے اس لئے نہ تھا  
کچھ (سورہ یوسف)

(۸) سو اے اس کے نہیں کہ حکم اسکا جب چاہے پیدا کرنا کسی چیز کا  
یہ کہہتا ہے واسطے اس کے ہو۔ پس وہ ہو جاتا ہے (سورہ یوسف)

(۹) کل ششی احصینا کو فی امام حسین اور ہر چیز کو شہاد  
کر رکھا ہے ہم نے لوح محفوظ میں (سورہ یوسف)

(۱۰) کل ششی احصینا۔ اور ہر چیز کو گن لیا ہے ہم نے اوس کو  
انگنے کر (سورۃ النساء)

(۱۱) مٹا دیتا ہے اللہ جو چاہتا ہے اور ثابت کرتا ہے جو چاہتا ہے  
اور نزدیک اوسکے ہے اصلی کتاب (سورہ رعد)

(۱۲) ومن یضلی فاولئک ہم الخاسرون اور بے اللہ بے شک  
سو ہی ہیں زیان میں۔ (اعراف)

(۱۳) اور جسکو خدا گمراہ کرے پھر تو نہ پاوے۔ اس کا رفق راہ چلانے  
والا رکھتے (

(۱۴) خدا گمراہ کرے جسکو چاہے (سورہ اعراف)  
(۱۵) اور جس کو غلطی میں ڈالے۔ اللہ تو کوئی نہیں سوچانے والا۔

یہ حوالے ہیں جو آریہ سافری نے محض بے عقلی کے طوط پر جبری تقدیر کی  
بائید میں لکھے ہیں۔ جن کو جبری تقدیر سے کوئی تعلق نہیں۔

پہلی آیت سے تو اتنا ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے۔ یعنی  
وہ سر پر شکستیاں ہے۔ اس کو تقدیر سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ خدا تعالیٰ

کی قدرت عامہ کا اظہار ہے +

دوسری آیت کہ ہم نے ہمیشہ جن دانش جنہم کیلئے پیدا کئے ہیں  
ہم اس کی تفسیر کی ہے کہ کئے ہیں۔ کہ یہ لام استعارہ باللہ کیلئے آیا ہے  
یعنی خدا نے ان کو جنہم کے لئے مخلوق نہیں کیا تھا۔ پر وہ خدا داد  
قوتوں کو معلل چھوڑ کر یا بے جا طوط پر استعمال کر کے جنہم کے لائق

ہو گئے۔ جیسا کہ اس آیت کا سیاق و سیاق ظاہر کرتا ہے۔  
 تیسری آیت سے اندر ظاہر ہوتا ہے کہ جنہوں نے اپنے ارادہ و اختیار  
 سے کفر اختیار کر لیا ہے۔ اللہ نے بھی راہ ہدایت اُن پر بند کر دی۔ اور  
 جبراً اسلام کی طرف اُن کو لے جانا نہ چاہا۔ ایسا ہی ویدک میں ہے۔ کہ  
 صرف پاک اور بے عیب انسان خدا تک پہنچ سکتا ہے۔ عیب والے  
 اس خدوت سے محروم رہتے ہیں۔ آری یہ مسافر میگزین ماہ دسمبر ۱۹۷۸ء  
 صفحہ ۱۷۵ پر منظر ۱۷۵

چوتھی آیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بخشش اور عذاب خدا کے ہاتھ میں  
 ہے وہ اپنے قوانین مقررہ کے موافق جسکو بخشش کے قابل دیکھتا ہے۔  
 بخش دیتا ہے۔ جس کو عذاب کے لائق پاتا ہے۔ اس کو عذاب کرتا ہے۔  
 چونکہ عادل و عیہ ہے۔ اس کی مشیت عدل و رحم کے موافق ہے۔ نہ ظلم  
 و جور پر مبنی۔

پانچواں فقرہ کوئی آیت قرآن کی نہیں۔ ایک معمولی حدیث ہے جس  
 کا صرف استنباطی مطلب ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات کاملہ کا  
 ٹیکہ منظر پیدا کیا ہے۔ جو روح انسانی کے حادث ہونے کی بدیہی دلیل  
 ہے۔ ورنہ آپ سے ہونے والی چیز کیلئے کوئی ضروری نہیں ہوتا۔ کہ وہ  
 دوسری ذات کے صفات کاملہ کا پورا منظر اور آئینہ حق نہ اور سچا عین ہو  
 جس نے اس کو پیدا کیا۔ اور اس سے محض بے علاقہ ہے۔ اور  
 فقرہ کہ خدا نے انسان کو رحمان کی صورت پر پیدا کیا۔ استنباطی مطلب  
 رکھتا ہے۔ کہ جس طرح رحمان بلا امتیاز بد و نیک پر اپنا سورج چمکاتا اور  
 کافرو مسلم پر اپنی رحمت کا مینہ برساتا ہے۔ اسی طرح اللہ نے انسان کو پیدا  
 کیا ہے۔ اپنے انسان کو بھی ایسے ہی صفات اختیار کرنے چاہئیں۔

چھٹی آیت میں انسان کی پیدائش کا ذکر ہے کہ انسان کو اس ذات  
 نے بنایا ہے۔ جس نے برائے کو مزد و نیت اور حسن صورت عطا فرمایا۔ اور یہ  
 کہ انسان کی پیدائش کا مادہ اولین مٹی ہے۔ اور پھر حقیر سا پانی مٹی جو اپنی  
 شہادت کا ست ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے کابد انسان کو مزد و نیک بنا کر اپنی قدرت کاملہ سے

اُس میں روح پھونکی۔ آنکھ۔ کان اور دل عطا فرمایا۔ پس انسان کو چلنے کے  
ایسے غنی ومنعم اللہ کی شکر گزاری کرے۔ جس نے حقیر بانی سے ایسی جنتی  
جاگجی موزون شکل پیدا کر دی۔ اور ناشکرانہ بنے۔ نہ اپنے جسم و روح کو اس کی  
مخالفت سے باہر نکال کر ماخلف بنے۔

ساتویں آیت کا مطلب صرف اتنا ہے کہ انسان جو خدا کا تمکار کرتا ہے  
اُسے اتنی سمجھ نہیں۔ کہ وہ پہلے ہیلت کدائی اور تشخص موجودہ میں مطلق  
نہیں تھا۔ خدا نے محض اپنی قدرت کاملہ سے اسے پیدا کر دیا۔ پھر وہ کیوں  
اُسکی ناشکر گزاری کرتا ہے۔

آٹھویں آیت کا یہی مطلب ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کے مقدرہ کام میں اتنی  
جلدی ہو سکتی ہے۔ کہ اُن کے لئے وقت مقررہ ہو ہی نہیں سکتا۔ پس اس کو  
اس پیرایہ میں ادا کرتے ہیں۔ کہ اوپر ایک امر کو کہے کہ ہو اور ہو جاتا ہے۔  
نویں دسویں آیت کا یہی مطلب ہے کہ ہر شے الہی علم میں ہے۔ اور کوئی  
بات الہی علم سے باہر نہیں۔ اور علم الہی کو لوح محفوظ سے استعارہ کیا جاتا ہے  
اسکو جبر سے کوئی تعلق نہیں۔ آریہ بھی اس بات کے مخالف نہیں۔  
علم الہی سے کوئی بات یا کوئی شے کسی زمانہ میں مخفی نہیں۔

گیارہویں آیت کا مطلب اتنا ہی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ہر روز امورات  
کا نجات میں خود اثبات کر رہا ہے۔ وہ بیدار اور مطلع نہیں ہے۔ اُس کے  
محدد اثبات کے نظائر ہر روز پیش نظر آ رہے ہیں۔ کوئی آن اور مکان  
خالی نہیں۔ کسی قوم کو اٹھاتا۔ کسی کو نیچا دکھاتا۔ کسی کو عزت دیتا۔  
کسی کو ذلت دیتا ہے۔ مگر عندہ ام الکتاب اصل کتاب اس کے پاس ہے  
اور وہ قوانین مقررہ اللہ ہی کو معلوم ہیں۔ جس کے موافق ایسا وقوع ہوتا  
آتا ہے۔ انسان اس کی حکمتوں پر محیط ہونے سے عاجز ہے۔

بارہویں سے پندرہویں آیت میں اضلال الہی کا ذکر ہے۔ یعنی اللہ جبکو  
ہدایت سے محروم کرے۔ اوسکو دوسرا کوئی راہ ہدایت دکھا نہیں سکتا۔  
اور اللہ کا ہدایت سے محروم کرنا مقدرہ قوانین کے موافق ہے۔ نہ کہ  
اندھا عندہ اور اُس کی تفصیل ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ اور آریہ مسافر  
بھی اپنے اسی رسالہ ماہ و نمبر شمس کے صفحہ ۱۱ میں لکھتا ہے۔ کہ مبہم و مبہم

انسان نیک کام کر لیا۔ توں اُسے نیکی کا پھل ملے ہوئے شروانی کی طرف بڑھ گیا۔ اور وہ زیادہ سے زیادہ پاکیزگی کی طرف چلتا ہوا آخر کار پہنچا۔ اور بار میں پہنچ گیا۔ اور ہکاری بنے گا۔ لیکن جو انسان عیبوں سے پر ہے۔ اُسکو کبھی بھی وہ شروت نہ مل سکے گی۔ جو کہ اُسے دہرم کے راستہ میں چلنے کے لئے مدد دے سکے۔ اور عیب والوں کو خدا اس شروت سے محروم رکھتا ہے۔ پس ہی اللہ تعالیٰ کا پر عیب انسان کو اس شروت سے محروم رکھنا مضل الہی ہے۔ ورنہ۔  
 ان آیتوں کے ذکر کر نیچے بعد آریہ مسافر نتیجہ نکالتا ہے۔

مذکورہ بالا حوالجات سے صاف عیاں ہے کہ بابل و قرآن ہر دو کا عقیدہ واحد ہے۔ دونوں صرف خدا ہی کو واجب الوجود اذلی ہستی مانتے ہیں۔ باقی تمام کتم عدم سے وجود میں آیا ہے۔ ذی سوع اور غیر ذی سوع تمام مخلوق خدا نے محض ارادہ سے پیدا کر دی وہ جو چاہے سو کرے۔ رحمتیں رحمتیں سب اسی سے ہیں۔ وہ جس کو راہ دکھاتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے۔ مخلوق اپنے تئیں کی مرضی پر غالب نہیں آ سکتا۔ جو کچھ ہو گا وہ اس نے پہلے سے مقرر کر دیا ہے۔ اور وہی ہوتا ہے۔ جو کچھ اس نے پہلے سے مقرر کر دیا ہے۔ غرض کہ انسان کچھ نہیں۔ خدا سب کچھ ہے۔

اما الجواب۔ بابل اور قرآن اگر اس بات میں متفق ہیں۔ کہ صرف ایک ہی واجب الوجود اذلی ہستی ہے۔ اور باقی سب خدا کی قدرت کا ظہور جو پہلے نہ تھا۔ اور خدا نے اپنی قدرت کا علم سے پیدا کر دکھایا۔ جاندار اور بے جان ہر شے اُسی نے پیدا کی۔ تو وہ اس بارہ میں بالکل سچے ہیں۔ سچی ہستی اللہ ہی کی ہے۔ باقی سارا جہان اُس کی قدرت کا اثر اور صنعت کا نقش ہے۔ جو اس کے مقرر کئے ہوئے قوانین پر چلا جاتا اور مقدرہ آئین پر روانہ ہے۔ جو شخص اس کے برخلاف عقیدہ رکھتا ہے۔ اہل درجہ کا مشرک۔ صداقت سے کوسوں دور اور جہنم کا وارث ہے۔ خدا کو مان کر بھڑکی کوئی شخص کسی غیر کی ہستی واجب نہیں مان سکتا۔ اگر کوئی ہستی خدا کی احاطہ حاقیت سے باہر ہو۔ تو

پھر وہ خدا کا ہے کا ہے۔ اسی طرح ماری ہستیاں اور دنیا کا انتظام بھی خود  
 بخود مانا جاسکتا ہے۔ جو فطری اصول پر روانہ ہے۔ پھر خدا کی کیا ضرورت  
 ہوئی۔ اور اختیار کے دو سے بے شک اللہ تعالیٰ مختار مطلق ہے۔ جو  
 چاہے سو کرے۔ اوسکو کوئی روکنے والا۔ اور اسپر کوئی اعتراض کرنے  
 والا نہیں۔ اور ہدایت و ضلالت اور رحمتیں اور زحمتیں بھی اسی کی  
 طرف سے ہیں۔ لیکن بے اصول محض کچھ شایبی کے طور پر کچھ بھی نہیں  
 ہوتا۔ بلکہ ہدایت کے طالبوں کو وہ ہدایت دیتا۔ اور پر عیب انسان کو  
 وہ ہدایت سے محروم رکھتا ہے۔ قوانین قدرت کو توڑنے والوں کو زحمت  
 میں مبتلا کرتا۔ اور اصول فطرت کا خیال رکھنے والوں اور قوانین قدرت کی  
 پیروی کرنے والوں کو سایہ رحمت میں جگہ دیتا ہے۔ سب کچھ اسی کی طرہ  
 سے مگر اندھا دھند نہیں۔ سنت اللہ کا خیال رکھنے والے برخوردار  
 اور کامیاب ہوتے ہیں۔ اور سنن الہی کو توڑنے والے ناکامی اور ذلت  
 کے گڑھے میں پھینکے جاتے ہیں۔ اور وہ موجودہ جہنم کے اعمال ہی کی سب  
 سزا جزا ہوتی ہے نہ گذشتہ کی (جب کہ آریوں کو خیال ہے۔ اسی جہنم میں  
 انسان ترقی کے اعلیٰ عالم پر چوڑھ سکتا اور دوزخ میں ذلت کے  
 اسفل السافلین میں گر سکتا ہے۔ کل انسان منہ مشورۃ فی حقہ  
 وخرج لہ یوم القیامۃ کتاباً یلقاہ منشوراً۔ اقراء کتابک کفی  
 بنفسک الیوم۔ سلیٹ جیسا ط۔ ہر ایک انسان کی گردن میں اللہ تم  
 نے اس کے اعمال (موجودہ جہنم کے تیار کئے ہوئے) لٹکا رکھے ہیں۔ اور  
 اس کے کرم اس کی گردن کا ڈرہ رہے ہیں۔ اور قیامت کے دن اللہ تم  
 اپنی اعمال مخفیہ کو عالم بروز میں اعمال نامہ کی شکل میں داہنے یا بائیں  
 ہاتھ میں دیدے گا۔ اور فرمایا گیا کہ اپنا نامہ اعمال پڑھو۔ تیغ تیری  
 جان پر یہی حساب لینے والا کافی ہے۔

پس یہ تو بالکل سچ ہے۔ کہ ہدایت و ضلالت۔ رحمت۔ زحمت اللہ تعالیٰ  
 ہی کی طرف سے ہے۔ غیر کی طرف سے نہیں۔ نہ خدا کے ملک میں  
 کوئی شریک ہے۔ نہ کسی غیر کو رحمت۔ زحمت کی طاقت حاصل ہے  
 لیکن کوئی بات بے ہمت اور پر انداز دھند نہیں ہوتی۔ بلکہ ایک مقدرہ

اصول کے موافق جس میں تجدید کو راہ نہیں۔ اور جس کے انقلاب کے بعد اس کے نتیجے بجھنے لگا۔ غلوں اپنے غلوں کی مرضی پہ غالب نہیں رہتے بلکہ بددعا کا ہندو تو زمین کے سے نیچے جھکتا پڑتا ہے۔

اور نہ اگر حجابات کو نہیں سنتے تو وہ ذہنیں دست و حرکت دیتے یا خود می کسی کی طرف سے ہے وہ کیا شان کا دور چاہیہ ایک سو ہے اور چہر کیا جو بتائیے اس کے سوال و جواب یہ رتبہ ہوتے ہیں۔ اس کے اپنے آفسدہ ہیں جب شان کا دور آتا ہے کیا ہو رہا ہے اور اس کے فعل کے رتبہ یہ ہیں ایک نتیجہ رتبہ کرتا ہے۔ خود رعیت جو خود رعیت۔ تو سب رعیت یہ رعیت ہے ان کی طرف سے ہوتی ہے نہیں انسان زبر کھاتا ہے۔ اللہ قائل اس کو مار دیتا ہے۔ انسان خوشدار و ستارہ رتبہ ہے۔ دست و حویں رتبہ ساری ہے۔ کیا یہ انسان کے فعل جو رتبہ یا اللہ۔ موت یا موت کا اللہ قائل ہیں رتبہ یہ شان ہے اللہ قائل ہے۔ اگر آئے۔ مشرک یہ دوسرے نہیں تو بھلا۔ رتبہ صرف جہہ ہے چہ چہ۔ رتبہ اس فرشتہ کی جہہ مستندہ پڑتا ہے۔

قولہ ابن نمیر کہ یہ یہ لپٹا ہوتا ہے۔ اس کے رتبہ رتبہ میں قاریہ یثین لپٹا ہوتا ہے۔ رتبہ روز محمدیوں کا عمل ان اشعار کے سب ہے۔

ہر آب زمزم و کوثر سفید تو الہ کرد  
حکیم جنبت کسے کہ بافتند سیاہ  
چاک کے نقدیر کو کرنا نہیں ممکن رفو  
نوزن تدبیر گر لاکھوں برس سیتی رہے

مگر کئی فرقے ایسے ہیں جو حد سے اس کے بڑھ کر قائل ہیں جبر یہ مضبوط کیسے وغیرہ۔

جواب۔ مسلمان جن معنی میں تقدیر کے قائل ہیں۔ کسی دانشمند کو ان سے چارہ نہیں۔ تقدیر خدا قائل کے آئین و قوانین مقررہ ہیں۔ جن کے موافق دنیا کا انتظام ہو رہا ہے۔ اور جس میں رد و بدل کو دخل نہیں۔ نہ خدا قائل کا جبر اسلامی تقدیر اس بات کی ہدایت کرتی ہے کہ ہمیشہ ترقی کرو۔ نیک

براجوں پر چلو رکھل میسر لہما خلقہ نہیں تو خدا اقلانے کے قوانین  
 کیسی نہیں بدلیں گے۔ ہرگز نہیں نہیں گے۔ ان کا تھنے والا ضرور سزا  
 بھگے گا۔ زمین آسمان ٹل جائیگا۔ مگر تقدیر الہی کبھی نہ ٹلے گی۔ اور وہ  
 شعراؤں کے عقیدہ تنازع کے حسب حال ہیں۔ جس کے رو سے دیکھ یا  
 سکے ذلت یا افلاس بدی یا شرارت ہرگز ٹل ہی نہیں سکتی۔ خواہ لاکھ  
 کوشش کریں۔ ہزار جتن کریں نہ مسلمانوں کے۔ جنہوں نے سارے جہان میں  
 توحید کی روح پھونکی۔ اور کوشش کرنا۔ اور سُنن الہی کا خیال رکھنا جن کا  
 اس اصول اور کلام الہی کا عین ارشاد ہے۔ اور جبر یہ مفہوم فرقہ کا  
 تو آپ نے ذکر کیا۔ مگر قدریہ کا ذکر کیا۔ جو بھائی بھائی کلیتہً بلا استقلال  
 رنج غصہ کی طرف سے سمجھتے ہیں۔ اور عین کا استدلال بھی قرآن شریف سے  
 ہے۔ فرقہ جبر اور قدریہ دونوں افراط تفریط کی طرف مائل ہیں۔

ایمان میں الجبر والا اختیار ہے۔ یعنی انسان نہ مختار مطلق ہے۔ بلکہ اس کا  
 اختیار عطاء الہی ہے۔ ابدتہ مجبور مطلق ہے۔ بلکہ اس کو کسب کا اختیار  
 حاصل ہے۔ جس پر سزا جزا مترتب ہوتی ہے۔ دما اصابکم من مصیبت  
 فبما کسبت ایہد یکم۔

قولہ۔ اس میں کلام نہیں۔ کہ قرآن و حدیث شریف اور حدیثوں میں عام  
 طور پر عقیدہ تقدیر یا قسمت کی تعلیم موجود ہے۔ جیسا کہ حوالیات ذیل سے  
 صاف ثابت ہے اور جو آدمی ہے۔ لگاوی ہے ہم نے اُس کی بُری  
 قسمت اس کی گردن سے۔

تفسیر حسینی میں لکھا ہے کہ ہر موجودے راکت بے است حد گردن او  
 آویختہ دور آنجا نوشتہ شقی ام سعید و تفسیر حسینی جلد اول صفحہ ۳۰۵۔  
 ظاہر ایں حدیث آن است کہ در آمدن یہ بہشت و دوزخ منوط و  
 مربوط بمل نیک و بد نیست۔ محض بہ تقدیر و قضاء الہی است  
 وے تعلق بخیر و شرع خود را برائے بہشت آفریدہ خود عمل نیک کند یا نہ  
 دینے را بر دوزخ پیدا کردہ کار اُسے بد کند یا نہ مشکوٰۃ جلد اول صفحہ ۴۹۹  
 جواب۔ اپنی آیت نبی اسرائیل میں ہے۔ وکن انسان الزمان و طایفہ  
 قی عنقد و تخرج لہ یوم القیامۃ کتاباً یکتھا منشوراً۔ اس کا



مطلب صاف ہے۔ یعنی ہم نے اس دنیا میں ہر ایک شخص کے اعمال کا اثر اس کی گردن سے باندھ رکھا ہے۔ اور انہیں پوشیدہ اثوات کو قیامت کے دن ظاہر کر دینگے۔ اور ایک کلمے کے اعمال نامہ کی شکل میں دکھا دیئے۔ جسے وہ پڑھ سکے۔ اور اپنی سب کر تو تیں معلوم کر سکے۔

اس آیت میں عمل میں طائر دہرندہ سے استعارہ کیا ہے۔ کیونکہ ہر ایک عمل نیک ہو یا بد وقوع کے بعد پرنہ کی طرح پرواز کرتا ہے اور مشقت یا لذت اس کی پرواز کرتا ہے۔ اور دل پر اس کی کثرت باطانت باقی رہ جاتی ہے۔ یہ قرآنی اصول ہے کہ ہر ایک عمل پوشیدہ طور پر اپنے نقوش چھاتا رہتا ہے۔ جس لوح کا انسان کا فعل چھوتا ہے۔ اس کے مناسب حال ایک خدا تعالیٰ کا خل صادر ہوتا ہے۔ اور وہ خل اس گناہ کو یا اس کی نیکی کو ضائع نہیں ہونے دیتا بلکہ اس کے نقوش دل پر ثبت ہو جاتے ہیں۔ اور انہیں پیروں پر لکھے جاتے ہیں۔ اور یہ پوشیدہ طور پر ایک اعمال نامہ ہے۔ جو دوسری زندگی میں کھلے طور پر ظاہر ہو جائیگا۔ غرض کہ عالم آخرت کوئی نئی چیز نہیں ہوگی۔ بلکہ اس کے تمام تقاریر اس دنیوی زندگی کے اظلال و آثار ہونگے۔ یہ مطلب ہے اس آیت کا نہ کہ خدا نے ہر ایک کی مشیت میں جبر یا کمال یا کمال دیا ہے دفعہ کبیر جلد ۵ صفحہ ۳۸۹ و ۳۹۰) ملاحظہ ہو۔ تفسیر حسینی میں جو لکھا ہے کہ ہر موجودے کتابے است از گردن او آویختہ۔ دور انجا نوشتہ کہ شقی یا سعید اس کتاب سے بھی استعارۃً اس کے اعمال مکتبہ مراد ہیں۔ جو اسکی شقاوت یا سعادت اخروی کا موجب ہیں نہ کہ جبری تقدیر رہی دوسری عبارت یعنی ظاہر اس حدیث کا یہ ہے کہ بہشت دوزخ میں داخل ہونا عمل نیک و بد پر نہیں۔ بلکہ محض تقدیر الہی سے ہے۔

یہ حدیث کے لفظ نہیں ہیں۔ بلکہ شاخ حدیث کا قیاس ہے جس نے اس حدیث کے ضمن میں بیان کیا۔ جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ

ایک انصار کے چہرے لڑکے کو جبرہ بہشتی بنایا تھا۔ اور آنحضرت م نے اس  
 آدم کو علم الہی کے حوالہ کیا۔ اور قطعاً بہشتی کہنے سے ناراض ہوئے۔ کہ علم  
 غیب حوالہ خدا ہے۔ وہ جانے کون بہشتی ہے اور کون دوزخی۔ مومن کا  
 کام سکوت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو بہشت کے لئے پیدا کئے ہیں۔ یا  
 دوزخ کے لئے اسی کو علم غیب سے معلوم ہے۔ غیر شخص اس بارہ میں قطعی  
 رائے نہیں لگا سکتا۔ اس حدیث اور اسی قسم کی اور حدیثیں صرف  
 خدا تعالیٰ کے علم غیب کی طرف راجع ہوتی ہیں نہ کہ جبر کی طرف  
 جیسا کہ اور حدیث ہے کہ

سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ خِدَارِي  
 الْمُشْرِكِينَ قَالَ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا عَامِلِينَ۔ متفق علیہ  
 آنحضرت صلوات اللہ علیہ کی اولاد کی بابت پوچھے گئے تو فرمایا خدا کو خوب  
 معلوم ہے کہ کس قسم کے کام کرتے۔

ورنہ آنحضرت م کا جو تقدیر کی نسبت خیال تھا۔ وہ ایک اگلی حدیث  
 سے ظاہر ہے۔ جہاں لکھا ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت م سے سواں کیا  
 کہ ہمیں فرمائے۔ کہ سر جو ہم پڑھواتے ہیں اور دعائیں جو کرتے ہیں۔ اچھا  
 کی چیزیں جو ہم استعمال کرتے ہیں۔ کیا تقدیر کو روک سکتی ہیں۔ آپ  
 نے فرمایا یہ باتیں بھی تقدیر سے ہیں۔ یعنی جس طرح بیماری وغیرہ مقدر ہے  
 اسی طرح ان دعاؤں سے ان کا دفعہ بھی مقدر ہے۔ یہاں سے صاف  
 ظاہر ہے کہ تقدیر سے آنحضرت م کو مراد غرض وہ قوانین مقدرہ ہیں  
 جن کے موافق افعال اور نتائج ان کے وقوع میں آتے ہیں۔ اور وہ سب  
 اللہ تعالیٰ کے اندازہ کئے ہوئے ہیں۔

اور ایک حدیث میں آپ م نے فرمایا ہے کہ کوئی بچہ نہیں بڑھتا نہ ہوتا  
 ہو۔ فطرت اسلام پر چڑھ اس کے ابا چچا سے جو دین کر دیں یا نصرانی  
 یا مجوسی۔ جس طرح چوپایہ کا بچہ کھل چو پائیے ہوتا ہے۔ اسی میں کوئی نقصان  
 نہ کرے نہ نقصان نہیں ہوتا۔ یعنی خدا تعالیٰ نے اسے اپنے چاہنے پر توڑ دیا ہے۔ اور  
 لوگ ان وغیرہ کاٹ ڈالتے ہیں پس اچھے سے ان کو سبب ابا چچا وغیرہ کی طرف  
 سے لگا کر چھوڑ دینا چاہئے۔

نہیں ہوتا۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی۔ فطرت اللہ (اسلام) کو لازم ہے پکڑو۔ پس اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا۔ فطرت الہی میں رد و بدل مناسب نہیں۔ یہی پکا دین ہے۔ اتنی متفق علیہ۔

ادھر کی حدیث سے تو اظہار میں الشمس ہے کہ ہر ایک انسان فطرتاً ہی پر ہی پیدا ہوتا ہے۔ صرف محبت بد خراب کرتی ہے۔ یا متواتر طور پر عقاید قیوم اختیار کر کے جہنم کے قابل بن جاتا ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ بوجہ تعلیم قرآن برائی بھلائی وغیرہ جو کچھ انسان کرتا ہے۔ متواتر طور پر یا محبتاً ابد سے اختیار کر لیتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے اس پر کوئی جبر نہیں۔ نہ اس نے کسی کو ہلاکت کے لئے پیدا کیا ہے۔ انسان خود ہی شقی، سعید اور مومن و کافر بن جاتا ہے۔ والکفر نکال ایمان فاعل العباد قول ابی حنیفہ۔

قولہ۔ مسئلہ تقدیر کی تصدیق میں خواہ کچھ ہی کہا جائے۔ اس امر واقعہ سے انکار نہیں کیا جاتا۔ کہ یہ اس عقیدہ کا قطعی اور بے خطا نتیجہ ہے کہ من خدا ہی واجب ہے الوجود ازلی ہستی ہے۔ باقی سب کچھ محض اس لی مرنے سے عدم سے موجود میں آیا ہے۔

جواب۔ نتیجہ نکالنے والے کو تو دیکھو۔ خدا تعالیٰ کی ہستی کو مسئلہ تقدیر جبری سے کیا تعلق ہوتا۔ وہی ایک سچی ازلی ہستی ہے۔ اسی نے خلقت کے متین عہد قوانین مقرر کئے۔

انسان کو اختیار کا علم ملا کر اشریت کا تاج اس کے زیر پر رکھا۔ اعمال خیر کی ہدایت کر دی۔ افعال شر اور طرق بد سے متنبہ کر دیا۔ عہد سے عہد قوائے عطا فرمائے۔ احسن سے احسن تقویم میں پیدا کیا۔ اب اگر انسان نے ان قوائے کی بد استعمال اور اخراط و تفریط سے اپنی مملکت کو بگاڑ لیا ہے۔ تو اس میں خدا کا کوئی قصور نہیں۔

انہیں روح اور مادہ کو واجب الوجود مانیں یا خدا کا مخلوق انسان اپنی حالت بگاڑنے والا یا سنوارنے والا آپ بھی ہے۔ اور اپنے افعال اور حصول ہر کام پر آپ ہے۔ خدا تعالیٰ کو ہستی واحد و واجب ماننے میں جبری تقدیر کا مسئلہ پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ روح اور مادہ کو قدیم

مانتے اور متنازع پر یقین کرنے سے جبری مسئلہ تھری پیدا ہوتا ہے۔ بس انسان کو نیکی بدی خیر و شر بخوراحت میں ذرا دخل نہیں رہتا۔ آریہ لوگ بتلائیں کہ اگر ماسوائے اللہ سب کچھ خدا کا مخلوق نہیں ازل اور قدیم اور خدا قائل کے احاطہ خالقیت سے باہر ہے تو کائنات کا مقدر اور خالق خدا کا کس طرح ہو سکتا ہے کیونکہ کسی شے کے خالق اور قوانین کے واضع اور مقدر کیلئے ساقبت لازم پڑی ہوئی ہے۔ اگر خلقت قوانین مقدرہ روح مادہ سب آپ سے آپ اور قدیم و ازل ہیں تو خدا اتنا بڑا کون سے کیا تعلق اور قوانین کے وضع اور مقدر کر نیک اسکو کب موعظ ملا قولہ۔ کچھ عرصہ سے اسلام دنیا میں بھی اس سے بناوات اختیار کر رہے ہیں۔ ظاہر ہونے لگے۔ لیکن تمدن دان و دماغ پر اسکا کہ اسقدر مضبوط جما ہوا ہے۔ کہ مہیوں کا اس کی غلاتی سے یگانہ یک نجات پانا قریباً ناممکن ہے۔

جواب۔ حضرت امام، علیہ السلام، فرماتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے جو کچھ تقدیر کے بارے میں سینا و مال سے بددیکھا اپنا اور تقدیر کی اصلی تلاشی بیان ہوئی۔ پس آپ یہ کہنا کچھ عرصہ سے ناممکن ہے۔ غلطی اور غلط ہے۔

قولہ۔ قرآنی عقیدہ کے موافق خدا اپنے مخلوق کو خلق کر کے وقت میں ہی کرم تمام کو اچھا یا بُرا خوش وقت یا بد وقت اُٹھا چکا ہے۔ انسان لازمی طور پر دم حیات میں سے بغیر کسی ذاتی قابیلیت کے یا تقدیر کے خدا کے فضل یا غضب کے پیدا ہوتا ہے۔ بعض انسان مضبوط جادو۔ عقائد دیا مقدر اور راستہ باز پیدا کئے جاتے ہیں۔ بعض کو ذلت و بیوقوفی سات ملتی ہے۔ پاک و معنی اور عزت عطا ہوتی ہے۔ ان سب پر خدا کا تسلط و جبر ہوتا ہے۔ ہم بعض کلاسیک۔ بدولت اور کینے پیدا کئے جاتے ہیں۔ بعضوں کو کلاسی۔ خود بخود۔ محنت۔ بد صورتی۔ غلامی اور خرابی بخشی جاتی ہے۔ ان سب پر خدا کا جبر ہے۔

جواب۔ تمہارا یہ کہنا، کچھ بیوقوفیت ہے۔ قرآن شریعت کا عین عقیدہ، برکت نہیں ہے۔ کہ خدا اتنا بڑا ہے کہ سب یا قصے کے گنہگار

قہر کرتا یا کسی پر غضب کرتا ہے۔ بلکہ ہر ایک کے ساتھ اس کے اعمال کے موافق سلوک ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں صاف فرماتا ہے ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسہم خدا کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا۔ تا وقتیکہ وہ اپنے دلوں کی حالت نہ بدلیں اور پھر فرمایا۔ هو الذی خلقکم فمنکم کافر و منکم مومن واللہ بما تعملون بصیر۔ وہی اللہ ہے جس نے تم کو رسانی فطری حالت میں پیدا کیا۔ پھر تم اس سے کوئی کافر بن بیٹھا اور کوئی مومن بننے اپنے اعمال کے سبب سے تم متفرق ہو گئے۔ اللہ نے جبراً نہیں کیا اور اللہ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔ جیسی اپنی حالت بناو گے ایسا تم سے سلوک کریگا۔

پنڈت دیانند جی کتاب ستیا رتھ پر کاش مترجمہ ماسٹر آمارام کے صفحہ ۵۴۱ میں لکھتے ہیں۔ بدھوں نے پس ورنہ ادویا (جہالت) میں ترقی کی ہے جس کی نظر ان کے سوا دوسری ہو نہیں سکتی۔ یقیناً تو یہی ہوتا ہے کہ وہ اور ایشور سے مخالفت کرنے کا ان کو یہی نتیجہ ملا ہے۔ پس ادویا میں ترقی جہالت۔ کم عقلی بھی اس حال بد کی سزا ہوتی ہے نہ خدا کا ظلم اور غفلت۔

اں یہ ٹیکہ کہی کہ بعض انسان مضبوط بہادر۔ خوبصورت۔ عقلمند و فیرہ بعض باہل۔ کمزور۔ بزدل۔ کہینہ وغیرہ پیدا کئے جاتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے ظلم نہیں ہے۔ بلکہ قانونِ نزول و انوارِ ایمانِ مباحثہ کی مخالفت یا موافقت اور اس کے بعد عہد یا امت کی تعلیم یا تربیت اور ندری یا جہلی صفت کا یہ نتیجہ ہے۔ اس کو تنبیح کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ ان اللہ لیس بصلام للعبد اللہ انسان پر ہرگز ظلم کا روادار نہیں۔ لکن ان اللہ لا یظلم الخا من شئنا

نہ وید میں بھی لکھا ہے جب تک لوگ دھرم پر چلتے ہیں۔ تب تک سلاطین برہمنی رمتی ہے۔ اور جب بد اعمال ہو جاتے ہیں۔ راقی نیست و نابود ہو جاتا ہے۔

منزل ۱۔ سکت ۳۹۔ منہ ۱۔

ولیکن الناس الفسہم یدظلمون۔ خدا کسی شخص پر ذرا بھی ظلم کا  
زوداوار نہیں۔ لیکن انسان اپنی جانوں پر آپ ظلم کرتے ہیں۔

ان جوڑ شادیاں۔ ان میل رشتے۔ بچپن کے بیاہ۔ بے وقت مباشرت  
قانون ازدواج کی مخالفت۔ قانون قدرت میں افراط تفریط۔ اولاد  
کے بزدل۔ نادان جاہل۔ کم عقل۔ کمزور۔ ناقص الخلقیت وغیرہ پیدا ہونیکا  
موجب ہو جاتا ہے۔ جس کے تمام حکما رد الہا قابل ہیں۔ ان باتوں کو  
تناسخ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ ساری دنیا وید کے مخالف ہو جاؤ۔  
قانون ازدواج کی مخالفت نہ کرو۔ لوگ دانا۔ ذہین۔ خوبصورت  
صاف بالین وغیرہ ہونگے۔ سارا جہان وید کا عامل بن جاؤ۔ قانون ازدواج  
کی مخالفت کرو گے۔ اولاد ناقص۔ کمزور۔ بزدل۔ نالائق پیدا ہوگی۔ اب  
ہوا کا اثر۔ محسوس ولادت قانون ازدواج کی مخالفت یا موافقت  
انسان کی شکل۔ صورت۔ عقل۔ و ذہن۔ حسن و بیاں کے اختلاف کا موجب ہے  
نہ فید کی تعمیل۔ عدم تعمیل اور تناسخ۔

آریہ مسافر میگدین رسالہ نمبر ۱۷۷ میں لکھتا ہے کہ جس طرح عموں کو  
کا پیدا کرنا بہت کچھ کسان کی خاص تدابیر و احتیاطات پر منحصر ہوتا ہے  
اسی طرح نالائق اولاد پیدا کرنا بہت یا لائق اولاد پیدا کرنے کی تدابیر  
خاص ماں اور باپ کے اختیار میں ہے۔ اور وہ اس وقت ہو سکتا  
ہے۔ جب والدین ہمیشہ اپنے اطفال اس قسم کے رکھیں۔ جس قسم کی  
اولاد پیدا کرنے کی وہ خواہش رکھتے ہیں۔ اور ان کی خواہش کا  
بہت بچہ اثر کر جادہ ان سے ایگر و سو وقت تک کہ بچہ شکم مادر سے  
پیدا نہیں ہوا۔ بچہ پر پڑتا ہے۔ صفحہ ۳۲، مورت جس قسم کا دیہان  
کرتی ہے۔ اسی قسم کی اولاد پیدا ہوتی ہے۔ اس واسطے ایک اولاد  
پیدا کرنے کے لئے عورت کی حفاظت چاہئے (صفحہ ۲۶)

اور چہرہ اسی رسالہ کے صفحہ ۲۶ میں لکھا ہے۔ بال بچہ فانیک یا بد  
لائق یا نالائق۔ بیمار یا سندر۔ ت وغیرہ پیدا کرنا مانتا ہے۔ جس کے تمام  
اختیار میں ہے۔ ورنہ کہ عورت طرہ کی صورت ہے اور مرد تنہا  
کی صورت ہی۔ طرف اور تخم کی آمیزش سے سب جسموں کی پیدائش ہے

ڈاکٹروں کے تجربے اور معمول مشاہدوں نے اس اصول کی بخوبی تصدیق کر دکھائی ہے۔ کہ انسانوں میں بہت سی بیماریاں موروثی ہوتی ہیں۔ اور اسی وجہ سے منوجی مہاراج اوصیائے فرماتے ہیں کہ اگرچہ مگر۔ بکری اوٹ وغیرہ کی ان میں کثرت ہو۔ تو بھی ان خاندانوں میں بیاہ نہ کرنا چاہئے۔ یعنی جس خاندان میں ہوا یہ۔ دمر۔ ماضر کی خرابی رہے گی۔ چل چلی۔ وغیرہ عجز کی بیماریاں ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور کہ ڈاکٹروں نے یہاں تک ثابت کیا ہے۔ کہ اگر کسی کے دادا میں خونریزی کی عادت ہے تو اس کے پوتے میں بذریعہ خون سرایت کر جائیگی۔

اور پھر لکھتا ہے۔ جس بیج سے ایسے بڑے لوگ اور نیک آدمیوں کے اجسام پیدا ہوتے ہیں۔ ایسے بیج کو بیسوا وغیرہ کے بڑے کھیت میں بونا یا غراب بیٹ اپنے کھیت میں ڈلوانا عینا غلط ہے۔ (صفحہ ۱۲۴)۔ ستیا۔ تہ پرکاش۔

کیوں صاحب اب بی آپ کی تشفی ہوئی یا نہیں۔ کہ اختلاف افراد بشری کا اصلی سبب کیا ہے؟ پس یہی قانون ازواج و آئین مباشرت میں افراط تغریظ۔ اور بے اعتدالیاں اور بے احتیالیاں۔ ذکر متنازع۔ اگر متنازع اس کا موجب ہوتا۔ تو یہ اعتیالات سب نفوں تھیں۔ اعمال کے موافق انسان جنم لیتا۔ خواہ کہیں بیج بودو۔ کہیں شادی کرود۔ تداہیر حسنہ نام میں لاؤ یا نہ لاؤ۔ پس بیک اور خواہش کے تلو لاؤ کا پیدا کرنا بقول آریہ مسافر میگزین کے مانا اور تیلکے غار۔ نتیجہ میں ہے۔ تو جہ متنازع کے باطل اور خلاف عقل ہونے میں کوئی بھی شبہ نہیں۔ کیونکہ متنازع کا اعتقاد بالکل اس مانی کے منافی ہے۔ متنازع کے رو سے ہر بیج کا اپنا بیج یا تندرست کند ذہن یا ذہین۔ لائق یا نالائق پیدا ہوتا صرف گذشتہ جنم کے اعمال پر منحصر ہے۔ نہ تداہیر نام پر۔

لیکن آریہ میگزین کی اس تحریر۔ بہ ثابت ہوئے کہ اولاد کے لائق یا نالائق تندرست یا بیمار ہونے کو گذشتہ فیضوں کے اعمال کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ یہ امر ان باپ کی اعتیالات و تداہیر پر منحصر ہے۔ پس ان دونوں بیانون سے ایک ضرور جو تداہیر

اگر نیک یا بد۔ تندرست یا اچھا۔ اور اولاد کا پیدا کرنا ماں باپ کے اختیار میں ہے اور انسانی تدابیر پر منحصر ہے۔ تو تنازع کے بطلان میں کوئی شبہ نہیں۔ لہذا اگر تنازع کی وجہ سے ہے تو دیکھ کی یہ ساری منطق غلط۔ اور کل تدابیر و احتیاطات لغو و فضول۔

ایسا اختلاف شدید ایک ہی عقیدہ کے متعلق دنیا میں کسی مذہب میں نہیں۔ بجز آریوں کے جن میں ایک ہی اعتقاد کے رو سے زمین آسمان کا فرق اور سخت درجہ کا تناقص اور تضاد ہے۔

یہی آریہ میگزین اپنے نومبر ۱۹۰۱ء کے رسالہ صفحہ ۱۲ میں وراثت کے نیم کو بے بنیاد ثابت کر رہا ہے اور صاف کہتا ہے کہ روئے زمین پر کوئی نسل انسانی اس درجہ وحشی اور گری ہوئی نہیں۔ کہ وہ اس قسم کے ظالمانہ کوڑوں کو مانتی ہو۔ کہ جو ایک کے جرم کے بدلے دوسرے کو سزا دینا روا رکھے۔

اور آپ ہی اس رسالہ میں اپنے پہلے خیال کے بالکل برعکس خیال بچ کا حق یا نالائقی تندرست یا بیمار ہونا ماں باپ کے سر پر ٹھہرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ سب کچھ ماں باپ کے اختیار میں ہے۔

پس العجب ثم العجب کہ وہ آپ ہی موروثی امراض وغیرہ کے عدوت کا موجب مانتا تھا کہ بے امتیالیوں اور قانون قدرت کی خلاف ورزی کو ثابت کر رہا ہے۔ اور آپ ہی چہرہ پر چلتا ہے۔ کہ دنیا میں ایسا وحشی کوئی نہیں جو اس ظالمانہ کوڑوں کو مانتا ہو۔ کہ ایک کے جرم کے بدلے دوسرے کو سزا دینا روا رکھے۔ پس آریہ مسافر میگزین کے مذکورہ بالا اقوال کے بموجب سب سے پہلے آریہ ہی بڑھ کر وحشی قوم ثابت ہوتی ہے۔ جو اور دکا بیمار یا تندرست لائیں یا نالائقی ہونا یا باپ کے سر پر ٹھہرتی ہے۔

انہیں ہم کہتے ہیں۔ کہ یہ مضبوط یا کمزور۔ ذہین یا کند ذہن۔ لائیں یا نالائقی وغیرہ ہونا تنازع پر ہرگز منحصر نہیں ہے۔ بلکہ سچے قانون قدرت کی خلاف ورزی یا موافقت کا نتیجہ ہے۔ قدرت انہی بے سمجھی غفلت



یا ظلم سے ایسا برگز نہیں کرتی۔ جیسا کہ آپ نے صفحہ ۱۲ میں بے شکام  
 سرالائی ہے۔ نہ ہی وہ بعض گملوں میں خراب بیج ڈالتی ہے۔ کہ جو  
 بے وقوف۔ دغا باز۔ جھوٹا۔ اور جو پیدا کر دیتی ہے۔ اور بعض نیا ایسے  
 بیج کہ کسی میں شاعر کسی میں نلا سفر اور کسی میں بہادر اور ایچ آتے ہیں۔  
 قدرت کا ہرگز قصور نہیں ہے۔ نہ قدرت بخیل ہے۔ بلکہ وہ ہمیشہ  
 جو ادو کریم اور فیاض ہے۔ پلیدہ امبسوطان یخنی کیف لیشاء  
 تم جیسا بیج پودو۔ جیسی عمدہ زمین تیار کرو۔ جتنی عمدہ کھاد دو وہ عمدہ  
 پھل پیدا کرنے میں بہرگز بخل نہ کرے گی۔ جس قدر بہتری اور عمدگی ہے  
 قدرت کی طرف سے ہے۔ جس قدر خرابی اور بُرائی وہ ہماری طرف  
 سے ہے۔ ہم خراب بیج بومیں۔ اچھی زمین میں نہ کاشت کریں۔ عمدہ  
 کھاد نہ دیں۔ تو قدرت برگز عمدہ پھل پیدا نہ کرے گی۔ جیسا بیج بوڑھے  
 اُسی قسم کے پھل کی امید رکھو۔ چونکہ بیج بونے میں بہت کچھ انسان کا  
 دخل ہے۔ اس لئے اسی قدرت انسانی افراد میں اختلاف پڑ جاتا  
 ہے۔ بیج کا رنگ پیسکا پڑ جاتا ہے۔ عمدہ بیج۔ عمدہ زمین اور عمدہ مٹی  
 ہو۔ تو کبھی خراب چل پیدا ہو نہیں سکتا۔ عالم علوی کی طرف سے تمام  
 رو میں کیسان آتی ہیں۔ اور ہم میں یکساں نور پر نفع کی جاتی ہیں  
 قدامت برگز ظالم یا بخیل نہیں۔ امتداد صرف میرج مادہ اور  
 خارجی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

بیج کا بونا چونکہ انسان کے اختیار میں ہے۔ اس لئے جیسا بیج بویا  
 جاتا ہے۔ قدرت دیس پھل کر دیتی ہے۔ بچپن کی شادی کا پھل۔ ناقص  
 سیدہ اور خراب ہوتا ہے۔ جیسا کہ پنڈت دیانند جی نے بھی ستیا رکھ  
 پر کاش میں بیان کیا ہے۔ عمدہ اور جوان شادیوں کا پھل عمدہ سے عمدہ  
 پیدا ہوتا ہے۔ غرض کہ قدرت عمدہ بیج کا عمدہ اور بُرے کا بُرا پیدا  
 کر دیتی ہے۔ قدرت کی شان اس سے بلند ہے۔ کہ آتش زدہ بیج  
 کے رحم میں پڑنے سے تندرست آدمی پیدا کر دے۔ نہ وہ ظلم کر سکتی  
 ہے۔ کہ تندرست آدمی کا عمدہ بیرج پڑنے سے خراب یا اچھا آدمی  
 پیدا کر دے۔ وہ ہر حال میں اپنے اصول کی یا بند ہے۔ اپنے قوانین

کی خلاف ورزیوں کی ہر جگہ سزا دیتی اور قوانین کے اتباع کی جزا دیتی ہے۔  
 نہ قدرت کو جیسا مادہ ملتا ہے ویسا انسان پیدا کر دیتی ہے۔ ناقص بیج بونا  
 ہرگز قدرت کا تصور نہیں۔ یہ انسان کا اپنا تصور ہے۔ اور اس تصور کا نتیجہ  
 انسان بگھٹتا اور اولاد کو بگھٹاتا ہے۔ جس طرح کہ اگر ایک انسان دوسرے  
 انسان کو جان سے مار ڈالا تو مقتول کا اس میں کوئی قصور نہیں بلکہ اس  
 کی سزا قاتل کو ہوگی۔ اسی طرح ماں باپ خراب بیج بونے سے اپنی اولاد کو رنگی  
 بناتے۔ اور ہلاک کرتے ہیں۔ جس کی سزا وہ دنیا میں اٹھاتے اور عقبہ میں  
 اٹھائیں گے اور اپنی اولاد کے حق میں بُرا بیج ہوتے ہیں۔ ورنہ اگر الدین  
 چاہیں۔ تو رشی منی یوگی لو کے لڑکیاں پیدا کر سکتے ہیں۔ دیکھو آریہ مسافر  
 میگھین زمرہ سنہ ۳۷ صفحہ ۳۷) کا فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے:-

لَسَاءَ لَكُمْ مِمَّا تَكْمُلُوا احْرَقْتُمْ اِنِّیْ شَتَمْتُ و قد موالا نفسکم  
 و اتقوا اللہ و اعلموا انکم ملقود و لبشر المومنین۔ تمہاری عورتیں  
 تمہاری کھیتی (محل تولید نسل انسان) ہیں۔ پس تم اپنی کھیتی میں آؤ۔  
 جب لمبی طور پر تمہارا بیج چاہے اور اپنے لئے ٹیک اولاد آگے بھیجو  
 اور جان لو کہ تم نے اللہ سے ضرور ملنا ہے وہ تمہاری بد اعتدالیوں کی دونوں  
 جہان میں سزا دیگا۔ اور مومنوں کو جو قوانین قدرت کی رعایت رکھتے  
 ہیں۔ بشارت دیدے کہ انکو اولاد صالح ملے گا جو دنیا و دین میں  
 اُن کے کام آئے۔

قولہ۔ عقیدہ تقدیر سے انصاف و اخلاق کا خون ہوتا ہے۔ ازر دئے  
 انصاف انسان کو وہی ملنا چاہئے۔ جو کہ وہ خود کھاتا ہے۔ جس کو وہ  
 کھاتا نہیں۔ اس کا وہ مستحق بھی نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ کرنی ویسی بھرنی الخ  
 جواب۔ اس عقیدہ تقدیر سے ہرگز انصاف کا خون نہیں ہوتا  
 دنیا کا انتظام خدا تعالیٰ کے اٹل قوانین مقررہ کے موافق چل رہا ہے  
 اگر تم بر خور دار ہونا چاہتے ہو۔ تو ان قوانین قدرت اور سنن الہی  
 کا خیال رکھو۔ ورنہ ازہی سورا ندہ و زان سو در ماندہ ہو جاؤ گے اور ابدی  
 ہلاکت میں جا پڑو گے۔

انسانی افراد کی اختلاف حالت کا موجب اُن کے مختلف اعمال

اسی جنم کے ہیں۔ ان مسعیکر لشتی انسان سنن انہی کی پیروی سے اپنی حالت بہتر کر سکتے۔ درخلاف ورزی سے بدترین بنا سکتا ہے۔ پس جب انسان کے اخلاق حالت کا موجب اسکے اپنے اعمال ہی ہیں، تو انسانی و اخلاق کا خون ہرگز نہیں ہو سکتا۔

اور یہ امر کہ انسان کو وہی ملنا چاہئے جو اُس نے کمایا۔ قرآن شریف میں یہی ارشاد ہے۔ **وَاَنْ لِّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی** و ان لا قدرہا ذرۃ و نہی اخیر نے انسان کیلئے اور کچھ نہیں مگر جو اس نے آپ کمایا اور یہ کہ کوئی شخص دوسرے کا بوجہ نہیں اٹھا سکتا۔ **مَنْ یَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةً خَیْرًا یَّرَہٗ مِنْ یَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةً شَرًّا یَّرَہٗ**۔

قولہ۔ ویدک تثلیث کو قبول کرنے سے تمام سوالات حل ہو جاتے ہیں۔ جواب۔ ویدک تثلیث کے ماننے سے نہ خدا رہتا ہے نہ اُس کے صفات بے بلا صاحب جب روح اور مادہ کو مگر اُن کے صفات و خواص کے آپ سے آپ مان لیا تو پھر خدا کی کیا حاجت ہوئی۔ کیا مرنے جوڑنے جاڑنے کے لئے۔ آیا جوڑنا جاڑنا بڑی بات ہے یا پیدا کرنا۔ روح دیر کرتی۔ اگر پیدائش میں خدا کی محتاج نہیں تو ترکیب میں اور بھی بالکل بے نیاز ہیں اگر یہ سلسلہ کائنات اذلی ہے۔ کسی خاص وقت سے شروع نہیں ہوا۔ تو پھر اس کا خالق اور مقدر خدا کس طرح ہو سکتا ہے۔ ہر مخلوق و مرکب اسکے لئے خالق اور ترکیب دینے والا لازم ہے۔ جو وجود میں مخلوق و مرکب سے سابق اور اول ہو۔ جب خالق اور مخلوق مرکب اور ترکیب ازل سے ہیں تو وہ کونسا زمانہ آیا۔ جس وقت پہلے پہل خالق نے مخلوق کو رچا اور مرکب کیا۔ تمام قوانین مقدر کئے۔ اس تثلیث کے ماننے سے تو خدا اپنی جگہ سے جاتا رہتا۔

اور آپ کا یہ لکھنا کہ کائنات کے اندر صفت پائی جاتی ہے اور کوئی صفت بنیہ صانع کے نہیں ہو سکتی۔

کیا مادہ اور روح میں کوئی صفت نہیں پائی جاتی۔ مادہ و ارواح کے خواص و عجائبات تو شاربہ میں نہیں آ سکتے۔ تو کیا یہ بغیر کسی صانع اور خالق کے آپ سے آپ پیدا ہو گئے۔ اور اگر ایسی خواص صفت

اجاب والی چیزیں اور خود پیدا شدہ مان لی جائیں تو باقی مصنوعات کو بنیہ صانع  
 کہو ماننے میں کیا قائل ہو سکتا ہے؟

۱۔ لھی ویدک تثلیث عیسائیوں کی تثلیث سے البتہ ضرور مشابہ ہے۔ وہ  
 بھی باپ بیٹا اور روح کو تین اتانیم الہی خیال کرتے ہیں۔ آریہ لوگ بھی  
 باپ کی جگہ ایشور۔ بیٹے کی جگہ مادہ اور روح القدس کی جگہ روح کو قائم  
 قائم کر کے عیسائیوں کی تثلیث کی تائید کرتے ہیں۔ ورنہ کوئی حق پرست  
 خدا کو علت ادنیٰ۔ موجد حقیقی۔ بدیع السموات والارض مان کر قدامت  
 مادہ و روح کا قائل نہیں ہو سکتا جس کے آریہ لوگ قائل ہیں +

تو لہ۔ ایشور سے انکار کیجئے۔ جلالت کا انتظام اور جویوں کو خود بخود باپ  
 پٹن ملنا محال ہوگا۔ جیو کو ان تین میں سے نکال دیجئے۔ دھرم اور صرم باپ  
 پن کی ساری بیوستھا بگڑ جاتی ہے۔ مادہ کو زمانے۔ ایشور اور جیو کے  
 غیر مادی ہونے سے مادی جلالت کا بننا ناممکن غیر متا ہے۔

جواب۔ جب جیو۔ مادہ و اُن کے خواص و صفات و سلسلہ انتظام  
 کے ازلی مان لئے۔ تو پھر ایشور کے ماننے کی کیا ضرورت ہے۔ ایک دہرہ  
 کہہ سکتا ہے۔ کہ جیو کا خود بخود یہ ہی خاصہ ہے کہ جس قالب سے تعلق  
 پکڑ لیتا ہے۔ اپنے اعمال کے موافق اس میں جزا بھگتے کو اس کی فطرت  
 متقاضی ہے۔ خدا کے ماننے کی کیا ضرورت مادہ کا انتظام یہ بھی چلا جاتا  
 ہے۔ کوئی جزا مزا اخروی ہے ہی نہیں۔

پندت دیا مند جی کا یہ جواب کہ پھر جیو ادنے قالب میں جانا  
 پسند نہ کریگا۔ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ دہرہ کہتے ہیں کہ جیو کا یہ بھی  
 خاصہ ہے کہ اس کی فطرت اپنے اعمال کے موافق جزا مزا بھگتے کو  
 متقاضی ہے۔ پس جہاں تعلق پکڑ لیتا۔ کہوں کے موافق جزا مزا بھگت  
 لیتا۔ بھگتے والے کی کوئی ضرورت نہیں۔

باقی رہا جیو و مادہ کا وجود اس کی نسبت یہ گزارش ہے۔ کہ  
 جب تک علت اولیٰ کی پیدا ایش بہ سبب نہ ہوں ان پر اسکا  
 قبضہ جائز ہو ہی نہیں سکتا۔ نہ وہ اُن سے عبادت لینے کا  
 مستحق ٹھہر سکتا ہے۔ نہ ہی یہ ہی ضرور ہے کہ وہ اشیاء جو اپنی

پیدایش میں علت اول کی محتاج نہیں۔ اس کا پورا پورا کام دے سکیں اس کی صفات کاملہ کی ملکہ ہو سکیں۔ نہ یہ ضرور ہے کہ سب ارواح ایک ہی قسم کے ہوں۔ کوئی بھی ایسی نہ نکلی جو متعلق بہ ابدان نہ بنے گی۔ صفت سے خالی جو۔ یہ ضرور ہے کہ ایشر مادہ۔ ارواح میں سے تہرج بلامرج کے طور پر ایک سب پر غالب ہو کر مسلط ہو جائے۔ میوں بے انت ارواح ایک خدا پر غالب نہ آسکیں۔ جب کہ صفت قدامت اور غیر مخلوقیت میں یکساں ہیں۔ غرضکہ مادہ و ارواح کو غیر مخلوق ماننے سے استدرافتہ اض وارو ہوتے ہیں۔ جن کا کوئی جواب ہو ہی نہیں سکتا۔

## دعا اور اس کی حقیقت

دعا کے معنی ہیں پکارنا یعنی کسی ضرورت یا مشکل کے وقت اللہ تعالیٰ کو پکارنا اس ضرورت کو پورا کرے اور مشکل کو دفع کرے۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ ادعونی استجب لکم۔ تم مجھے پکارو میں تمہاری سزوں گا۔ اللہ تعالیٰ دعا کو سنتا ہے۔ اور کوئی دعا اکارت نہیں جاتی اور کیوں جائے۔ عام کریوں اور جوادوں کا دروازہ جب کھٹکھٹایا جادے تو کھل جاتا ہے۔ ومن دق باب الکرم الفتح تو اللہ تعالیٰ جو کریوں کا کریم اور جوادوں کا جواد ہے اسکا دروازہ میوں نہ کھلے۔ غرضکہ انسان کی ہر ایک دعا ضرور ضرور سننی جاتی ہے اور ہرگز اکارت نہیں جاتی۔ بشرطیکہ دعا سچے دل اور تضرع و اجتہال اور شریایا مقررہ کے ساتھ ہو۔ جو استجاب دعا کے لئے ضروری ہیں۔

استجاب دعا کیلئے کامل ایمان۔ کامل یقین کامل امید کامل محبت کامل وفاداری خدا کے ساتھ گہرا تعلق۔ پورے درجہ کا تضرع و زاری اور اجتہال معاش حلال ضروری ہے۔ جس قدر یہ باتیں

زیادہ ہرنگی۔ اتنا ہی جلدی اور زیادہ دعائیں مستجاب ہو گئی۔  
 اور دعا کی حقیقت یہ ہے کہ ایک سعید بندہ اور اس کے رب میں  
 ایک یقین مجازیہ ہے۔ سو جس وقت بندہ کسی سخت مشکل میں مبتلا  
 ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف کامل یقین اور کامل امید اور کامل محبت اور  
 کامل وفاداری اور کامل ہمت کے ساتھ جھکتا ہے۔ اور نہایت درجہ کا  
 بیدار ہو کر غفلت کے پردوں کو چیرتا ہوا فنا کے سید انوں میں آگے  
 سے آگے نکل جاتا ہے پھر آگے کیا دیکھتا ہے کہ بارگاہ الوہیت ہے اور  
 اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔ جب اس کی رفق اس آستانہ پر  
 سر رکھ دیتی ہے۔ اور قوت جذب جو اس کے اندر رکھی گئی ہے۔ وہ  
 خدا تعالیٰ کی عنایات کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ تب اللہ تعالیٰ اس  
 کام کے پورا کرنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اور اس دعا کا اثر ان تمام  
 مبادی اسباب پر ڈالتا ہے۔ جس سے ایسے اسباب پیدا ہوتے ہیں  
 جو اس مطلب کے حاصل ہونے کیلئے ضروری ہیں۔ مثلاً اگر بارش کے لئے  
 دعا ہے تو بعد استجاب دعا کے وہ اسباب طبعیہ جو بارش کے لئے ضروری  
 ہوتے ہیں۔ اس دعا کے اثر سے پیدا کئے جاتے ہیں اور اگر قحط کے لئے  
 یہ دعا ہے تو قادر مطلق تعالیٰ اسباب کو پیدا کر دیتا ہے۔ اس سبب  
 سے یہ بات ارباب کشف اور کمال کے نزدیک بڑے بڑے تجارب  
 سے یہ پایہ ثبوت پہنچ چکی ہے۔ کہ کامل کی دعائیں ایک قوت تکوین  
 پیدا ہو جاتی ہے۔ یعنی باذنہ تعالیٰ وہ دعا عالم سفلی اور عالم علوی میں  
 تصرف کرتی ہے۔ اور عناصر اور اجرام فلکی اور انسانوں کے دلوں کو اس  
 طرف لے آتی ہے جو مريد مطلوب ہے۔ کتب مقدسہ میں اسکی نظیریں  
 بے انتہا ہیں۔ بلکہ اعجاز کئے بعض اقسام کی حقیقت بھی دراصل استجاب  
 دعا ہی ہے اور جس قدر ہزاروں خوارق عادات اور معجزات انبیاء  
 علیہم السلام سے ظہور میں آئے۔ یا جو کچھ کہ اوہیائے کرام ان دونوں  
 ایک عجائب کرامات دکھاتے رہے اس کا اصل اور منبع یہی دعا ہے۔  
 اور اکثر دعاؤں ہی کے اثر سے طبع طرح کے خوارق قدرت قادر کا  
 تماشا دکھلا رہے ہیں۔ وہ جو عرب کے بیامانی ملک میں ایک عجیب و غریب

گدرا۔ کہ لاکھوں مردے تھوڑے دنوں میں زندہ ہو گئے اور پشتوں کے گہڑے ہوئے الہی رنگ پکڑ گئے۔ آنکھوں کے اندر سے بیٹا ہوئے دس پندرہ سال ہی کے عرصہ میں مشرق سے مغرب پہ کے منقطع ہو گئے اور دنیا میں ایک دقت عظیم الشان انقلاب واقع ہوا۔ کہ نہ پہلے اس سے کسی آنکھ نے دیکھا۔ اور نہ کسی کان نے سنا کچھ جانتے ہو کہ دم کیا تھا؟

وہ ایک فانی فی اللہ کی اندھیری راتوں کی دعائیں ہی تھیں جنہوں نے دنیا میں شور مچا دیا اور وہ باتیں ہیں

جو ایک اتنی بے کسر سے محال و محال تھیں۔ اللہم صلّ و سلم علیہ و آلہ و اصحابہ بعد و حممہ و نعمہ و حزنہ لہذا الامۃ و انزل علیہ النوار رحمتک الی الابد۔  
پس یقیناً یاد رکھو کہ دعائیں و خارق عادت اثر ہے جو کسی سلطنت میں نہیں۔ کسی توپ و تفنگ میں نہیں۔ آب و آتش میں نہیں۔ اسباب طبعیہ کے سلسلہ میں کوئی چیز ایسی عظیم تاثیر نہیں۔ جیسی کہ دعا ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ  
بے ترس آہ مظلموں کہ بگایم دعا کردن

اجابت از در حق بہر استقبال سے آید  
قلب ربانی غوث مہدانی شیخ عبد القادر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب فتوح الغیب میں تاثیر دعا کے یہاں تک قائل ہیں۔  
کہ سماوی وارضی تمام قسم کی پُر زور قوتوں سے اُس کو بدرجہا پر زور اور اثر سمجھتے ہیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں :-

فلجعل انت جملتك واجزاءك اصناماً مع السائر خلق  
ولا تلع شياً من ذلك ولا تتبعه حلقه سائر فتكون كبريتاً  
احمر فلا يکاد ترقى خميدتکون وادث کل نبی ورسول  
وبلک تحتم الولايتہ و تنكشف الکعوب و بلک تسقى

الغیوث و بک تبنت الزروع و بک نذخ البلاء یا  
 بحر المحزون الخاص و العام و اهل الشغور و قلبک  
 ید المقدسة بدعوتک لسان الازل و تنزل منا ذل  
 من سلف من ادلی العلم و یدرو علیک التکوین و  
 خرق عادات و تو من علی الاسرار و العلوم

ترجمہ - پس اگر تو خدا تعالیٰ کا مقرب و مقبول بننا چاہتا ہے  
 تو اس بات پر یقین کر لے اور ایسا سمجھ لے کہ تیرے ہاتھ تیرے پاؤں  
 تیری زبان تیری آنکھ اور تیرا سا - اوجود اور اس کے تمام اجزا  
 تیری راہ میں بت ہی ہیں - اور مخلوق میں سے دوسری تمام چیزیں بھی تیری  
 راہ میں بت ہی ہیں - تیرے بچے تیری بیوی اور ہر ایک مراد دنیا کی جو  
 تو چاہتا ہے اور دنیا کا مال اور دنیا کی عزت اور دنیا کا ننگ و ناموس  
 اور دنیا کی امید و بیم اور زید و بکر پر توکل یا عمر و خالد کی ایذا رسانی  
 کا خوف تیری راہ میں بت ہی ہیں - سو تو ان باتوں میں سے کسی کی اطاعت  
 مت کر اور صارا اسکی پیروی میں غرق نہ ہو جا - یعنی صرف بقدر حقوق  
 شرعیہ و سنن صالحین اس کی رعایت رکھ - پس اگر تو نے ایسا کر لیا -  
 تو تو گوگرد و سنج (یعنی اکیر) بن جائیگا - اور تیرا مقام نہایت رفیع ہوگا -  
 یہاں تک کہ تو نظر نہیں آئیگا - اور خدا تعالیٰ تجھے اپنے نبیوں اور رسولوں  
 کا وارث بنائے گا - یعنی ان کے علوم و معارف اور برکات و مغنیہ سے  
 تجھے حصہ عطا فرمائے گا - اور ولایت تجھ پر ختم ہوگی - پس تو خاتم الاولیاء  
 بن جائیگا اور تیری دعاؤں اور تیری عقدہ ہمت اور تیری برکت سے  
 لوگوں کے سخت غم دور کئے جائیں گے - اور قحط زدوں کے لئے بارشیں  
 ہونگی اور کھیتیاں اُگیں گی اور بلائیں اور سختی - ایب خاص و عام کی  
 تیری توجہ اور دعا سے - رہوئی اور ید قدرت تیرے ساتھ ہوگا اور جملہ  
 وہ پھرے - اسی طرف تو پھرے گا اور لسان الازل تجھے اپنی طرف بلائیگی  
 یعنی جو کچھ تیری زبان پر جاری ہوگا - وہ خداوند تعالیٰ کی طرف سے  
 ہوگا - اور اس میں برکت رکھی جائیگی اور تو ان رستہ بازوں کا قائل تمام  
 کیا جائیگا - جنکو تجھ سے پہلے علم دیا گیا اور تکوین تیرے پر رکھی جائیگی -



یعنی تیری دعا اور تیرا توجہ عالم میں تعریف کر لگی۔ اور اگر پھر تو معدوم  
 ہو جو دیا موجود کو معدوم کرنا چاہیگا تو وہی ہو جائیگا اور امور خارجہ  
 عادت تجھ سے ظاہر ہونگے اور تجھ کو اسرار اور علوم لدنیہ و معارف حوسہ عطا  
 ہونگے۔ جن کیلئے تو امین اور مستحق سمجھا جائیگا۔  
 مذکورہ بالا ارشاد مجرب سبحانی سے: ظہیرین الشمس ہے کہ ایک ولی  
 متبتل و منقطع کی دعا کیا گیا کر سکتی ہے۔ عالم علوی و سفلی میں کس طرح تعریف  
 کر سکتی ہے اور کیا کیا خارق عجیب دکھاتی ہے۔ پس بیچ اور بالکل بیچ ہے  
 کہ دعا اپنی تاثیر میں دنیا کی تمام قوتوں سے بڑھا بڑھ کر ہے۔ کوئی قوت  
 اس سے لگا نہیں کھا سکتی۔ مقبول اور مقرب کی دعا عام کائنات میں  
 آنا فنا تعریف کر کے کچھ لاکچھ کر دکھاتی ہے۔ جسکو دنیا دیکھ کر دنگ  
 رہ جاتی ہے۔

## دوا اور دعا کا تعلق

روحانی اور جسمانی نظام ایک ہی اسلوب پر واقع ہے۔ جس طرح دعا اپنی  
 شرائط کاملہ کے ساتھ استعمال کی جائے تو بیمار کو یقیناً نایدہ ہوتا ہے۔  
 اسی طرح دعا جب اپنے شرائط نامہ کے ساتھ ہو تو نشانہ کی طرح جاکر  
 اثر کرتی ہے اور ہرگز ہرگز خطا نہیں جاسکتی۔

## بعض دعائیں خطا کیوں جاتی ہیں؟

یا تو اس لئے خطا جاتی ہیں کہ پوری شرائط اپنے ساتھ نہیں رکھتیں جو دعا  
 کے لئے ضروری ہیں۔ جس طرح وہ دوا بیمار میں اثر نہیں کرتی۔ جو

نہ دعا ہی کی طرح دعا ہی ہے اگر انسان ہر چیز کی تاثیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھ کر اور اسی پر  
 توکل کر کے امرائے و امقام کے لئے استعمال کرے۔

دعا کے لئے ضروری ہیں۔ جس طرح وہ دوا بیمار میں اثر نہیں کرتی جو کمال حکیم کی شرائط مجوزہ کے مطابق بیمار کو نہ دی جائے۔

اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ دعائیں گو سب شرائط جمع تو ہو جاتی ہیں مگر جس چیز کو مانگا گیا ہے وہ عند اللہ سائل کے خلاف مصلحت الہی ہوتی ہے۔ اور اس کے پورا کرنے میں سائل کی خیر نہیں ہوتی۔ اسکی مثال ایسی ہے جس میں کسی ماں کا پیارا بچہ بہت الحاح و زاری سے یہ چاہے کہ اس کی ماں آگ کا ٹکڑا یا سانپ کا خوبصورت بچہ اسکے ہاتھ میں پکڑا دے یا ایک زہری گولی جو بظاہر خوشنما معلوم ہوتی ہے اسے کھلا دے تو یہ سوال اس بچہ کا ہرگز ماں پورا نہ کرے گی۔ کیونکہ اس میں بچہ کی بہتری نہیں ہے اگر پورا کر دے تو بچہ ہلاک ہو جائے۔ یا اسکا کوئی عضو بیکار خراب ہو جاوے۔ پس خدا تعالیٰ بھی کسی دعا کو اگر پورا نہیں کرتا تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ سائل کے حق میں اسکا پورا ہونا مفید نہیں ہوتا بلکہ مضر ہوتا ہے۔ پس حکمت الہی اس کے پورا کرنے کی طرف متوجہ نہیں ہوتی۔

## پھر کیا وہ دعا اکارت جاتی ہے؟

اگر دعا، شرائط مقررہ کے ساتھ کی جائے اور وہ تمام شرائط اپنے ساتھ رکھتی ہو۔ لیکن سائل کے حق میں اسکا پورا ہونا خلاف مصلحت ہو تو پوری نہیں کی جاتی۔

لیکن وہ دعا اکارت ہرگز نہیں جاتی بلکہ اسکی جگہ اور کوئی قدرت پوری کی جاتی یا شکل رفع کی جاتی ہے۔ یا اسے خواب آخرت میں کبھی ذخیرہ رکھا جاتا ہے۔ آخرت میں بہت دعائیں جو دنیا میں پوری نہیں ہوئیں۔ عظیم الشان عبادت کے پیرے میں ظاہر ہو چکی۔ فلسفہ

الحمد لله رب العالمین والآخرۃ

# روح کی حقیقت

## روح کیا شے ہے؟

اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ "لَيْسَ لَكَ مِنَ الْوَحْيِ قَلْبٌ" (اور تم کو کفار، لوگوں کو علم الہی سے بہت کم حصہ ملا ہے۔)

ادھر یہی آیت میں اللہ تعالیٰ نے روح کی حقیقت بیان فرمادی ہے اور ایسی کہ اس سے بڑھ کر نہ کوہِ نیت و انجیل بیان کر سکتی ہے۔ نہ وید و ژند۔ نہ کوئی اور کتاب دنیا کی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ سچے روح کی ماہیت پر پختہ ہیں۔ تو کہہ سکتے کہ روح میرے رب کا ایک امر ہے اسی میں اللہ تعالیٰ نے روح کی بابت دو بایں بیان فرمائیں۔ اول تو یہ ہے کہ وہ عالمِ امر میں سے ہے۔ یعنی اس عالم میں سے جو اندازہ مقدس اور مساحت سے برتر ہے۔ یعنی ایک جو ہر غیر منقسم جو نطفہ کی ایک خاص حالت (مستقامتی برہم) پر رب العالمین کی طرف سے برحق ہے اور خدا کی مخلوق و مربوط یعنی حادث و مآثرات اللہ تعالیٰ کے حکم اور قدرت سے ظہور میں آئی برحق اور وجود و بقا میں اللہ تعالیٰ

سے جس چیز کا اندازہ اور مقدار نہ ہو سکے اپنے بہ حسبِ نبوت کے مقدار کے مساحت اور اندازہ میں داخل نہ ہو سکے وہ عالمِ امر میں سے کہلاتی ہے۔

کی محتاج ہے درجب بالذات خدا سے بے نیاز اور قدیم و ازلی نہیں۔  
اور نہ ہی صحیح ترکیب بدنی کا ایک نتیجہ ہے۔ بلکہ اپنا وجود مستقل  
رکھتی ہے۔ جو عالم امر میں سے خدا کا مخلوق و مرئوس ہے۔  
دوسرے یہ کہ وہ میرے رب کا ایک امر ہے یعنی رب ہی کے حکم سے  
نقش وجود پذیر کر صفت ربوبیت کا نفل اور مظهر صفات ربوبیت جو  
مکمل ہے۔

خدا تعالیٰ کی صفت ربوبیت کے ذکر کرنے سے اس جگہ یہ جانا مقصود  
ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی صفت ربوبیت سے باہر یعنی ازلی و ابدی  
نہیں۔ جیسا کہ آریہ اور بعض علماء کا خیال ہے بلکہ وجود و بقا میں  
ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے۔ و رب اپنے کی طرف سے اس  
خاص بدن کے لئے نفل ربوبیت یعنی براہ سند روح حیوانی مدبر  
و مربی بدن اور مانع ترکیب بدن مدک بالذات و متصرف  
بالذات ہے۔

اور جس طرح رب العالمین ہم کبیر میں نصرت کرتا ہے۔ اسی طرح  
یہ نفل ربوبیت اس عالم صغیر یعنی اپنے بدن و اس عالم میں تصرف  
کرنے والی اور متصرف عالم سے آگاہی حاصل کرنے والی خدا تعالیٰ کی  
صفت ربوبیت کا نفل و مظهر ہے۔

## افاضہ روح سے کیا مراد ہے؟

جنس کی ایک خاص حالت (مثلاً منی روح) کے بعد نطفہ کے نور مغنی کا چمک  
کر جسم کو حس و حرکت کے قابل بنا دیتا۔ افاضہ روح کہلاتا ہے۔

## روح کہاں آتی ہے؟

روح ایک لطیف ذرہ ہے جو باذنہ تعالیٰ اسی جسم کے اندر پیدا ہو جاتا ہے

جو رحم مادر میں چھوڑ دیا جاتا ہے۔ پیدا ہونے سے یہ مراد ہے۔ کہ اول  
مغنی اور غیر محسوس ہوتا ہے۔ پھر نیا من مطلق اور نورانی ہونے کے چلنے۔  
سے نطفہ کی جتنی میں روشن ہو جاتا ہے۔

اس نور کا منہ اصل نطفہ میں مغنی طور پر موجود ہوتا ہے جو نطفہ کے  
تسویہ پر بعد نکلنے کے چھلنے سے چمک اٹھتا ہے اور بدن کو حس و حرکت  
کے قابل بنا دیتا ہے۔ بیشک وہ آسمانی خدا کے اردہ سے اور اُس کے  
اذن اور مشیت سے ایک مہر ل الٰہی علاقہ کے ساتھ نطفہ سے تعلق رکھتا  
ہے۔ اور نطفہ کا وہ ایک روشن اور نورانی جوہر ہے۔ یہ تو نہیں۔ کہ  
وہ نطفہ کی ایسی جزو ہے۔ جیسا کہ جب جسم کی جزو ہو۔ مگر یہ بھی نہیں کہہ  
سکتے۔ کہ وہ کہیں باہر سے آتا ہے یا زمین پر گر کر نطفہ کے مادہ سے آمیزش  
پاتا ہے بلکہ وہ ایسا نطفہ میں مغنی ہوتا ہے۔ جیسا کہ آگ پتھر کے  
اندر ہوتی ہے۔ خدا کی کتاب کا یہ منشا نہیں کہ روح الگ طور پر  
آسمان سے نازل ہوتی ہے۔ یا ہوا سے زمین پر گر جاتی ہے۔ اور پھر  
کسی اتفاق سے نطفہ میں مل کر رحم کے اندر چلی جاتی ہے یا حاملہ عورت  
اس کو کھالیتی ہے۔ بلکہ یہ خیال کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔ اگر ہم ایسا  
خیال کریں تو قانون قدرت ہمیں باطل پر تھیرا تھیرا کر دیتا ہے۔

لے پنڈت دیانند صاحب کا اس کے برخلاف یہ اعتقاد ہے کہ دس مرتبے بعد ہر ایسی شہری  
رہتی ہیں اور ایونٹل کے ذریعہ سے روح دوسرے قالب میں جاتی ہے اور وہ اس قسم کی کائنات  
کا ایک طرح کا برقعہ از ہے۔ ثبوت تاریخ ۱۸۱۱ اور ارواح دو سرے قالب میں اس طرح  
سے جاتے ہیں کہ پہلے جنم کے کئے ہوئے باپ اور پرن کے مطابق نر یا بیوا یا نیا لاجو پہلے جسم  
کو چھوڑ دیا۔ پانی نباتات وغیرہ اشیا میں داخل ہو کر اپنے اپنے باپ اور پرن کے  
مطابق کسی جنم میں پڑتا ہے (جس کا صفحہ ۱۳۱) اور تیار تھہر کر کاش میں کھاتا ہے کہ ارواح  
سبزی اور خوراک کے ذریعہ سے عورت کے رحم میں طویل ہوتی ہے۔  
انسانیہ یہ عجیب و غریب فکراسنی ہے روح کیا ہوگی ایک مادی شے ہوگی جو پانی نباتات اور  
خوراک وغیرہ میں گھر پھیلے گا نہ رہتی ہے مگر پنڈت صاحب نے یہ بھی لکھا کہ اگر وہ اس کے اندر نہیں جاتی  
بہیشت کے اندر جو کہیں پڑ جاتا ہے وہیں کس فریو سے رو میں چلی جاتی ہیں۔

ہم روز مشاہدہ کرتے ہیں۔ کہ گندے اور ہاسی کھانوں میں اور گندے  
 خرمنوں میں ہزار کیرے پڑ جاتے ہیں۔ پیلے کپڑے میں منڈا جو لمبی پڑ  
 جاتی ہیں۔ انسان کے پیٹ کے اندر بھی کدو دانے وغیرہ پیدا ہو جاتے  
 ہیں۔ آپ کیا کہہ سکتے ہیں کہ وہ باہر سے آتے ہیں۔ یا مادی اشیاء کی  
 طبعی ان کی رد میں کہائی جاتی ہیں یا انڈوں کے اندر مرغیاں چونچ سے  
 روح داخل کر دیتی ہیں یا آسمان سے رد میں نازل ہو کر ان میں داخل  
 ہو جاتی ہیں۔ سو صحیح بات یہی ہے۔ کہ روں جسم میں سے ہی چمک اُٹتی ہے  
 بے شک وہ جہر ہے۔ غرض نہیں۔ اصل ہے نتیجہ نہیں۔ لیکن اوپر  
 سے نہیں گرتی۔ نہ کہی جاتی ہے۔ بلکہ وہ ایک مستقل نور لطیف  
 ہے جو نطفہ ہی میں پوشیدہ ہو۔ پر مٹنی ہوتا ہے۔ اور جسم کی نشوونما  
 کے ساتھ چمکتا جاتا ہے۔ نہ تھکے جا پا کہ کام نہیں سمجھاتا ہے۔  
 کہ روح اس قالب میں نہ ہی ظہور پذیر ہو جاتی ہے۔ جو نطفہ سے  
 زندہ نہیں تیار ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ وہ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔  
 ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ نَبَاتًا لِّدَلِّ اللّٰهُ أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ  
 یعنی پھر ہم اس جسم کو جو رحم میں تیار ہوا تھا ایک اور پیدا کرنے کے  
 رنگ میں آتے ہیں۔ اور ایک اور خلقت اس کی ظاہر کرتے ہیں  
 جو روح کے نام سے موسوم ہے۔ اور خدا بہت برکتوں والا  
 ہے اور ایسا خالق ہے جو کوئی اس کے برابر نہیں۔

## روح کا افاضہ کب ہوتا ہے؟

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَاِذَا سُوِيَتْ وَنْفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ  
 فَقَعَوْا لَهٗ مُجِدِّدِيْنَ پھر جب میں نطفہ کا تسویر کر لیتا ہوں (اصل نطفہ کو کی  
 نہ واضح ہو کہ ایک آدمی کا جو قالب ۴۰ روز میں تیار ہو جاتا ہے۔ یعنی۔ کان۔ آنکھ۔ ناک۔ لہر وغیرہ  
 ہر ایک چیز کا نقش اپنی اپنی جگہ پر بن جاتا ہے۔ یہی ڈاکٹروں کا قول ہے کہ ایسا ہی حدیث میں آیا ہے  
 ان اھم کما یخمس فی بطنی ہر ما بین یوما۔ انسانی شکل ادا کیے تمام اعضا نمایاں شکل میں بن جاتا ہے۔

لمروں میں بدکرد صفائی اور اعتدال کے فاسد و ج میں پہنچا دیتا ہوں جس سے فلفذ روح کے فیضان نے قابل ہو جاتا ہے اور اس میں روح بھونک دیتا ہوں تو وہ قدرت کا ایک ایسا نونہ عجیب ہوتا ہے جسے دیکھ کر ملائکہ ربانی تلمذ خدا نے آئے سرہ خود ہر باتے ہیں۔

## تسویہ کیا ہے ؟

محل جو افاضہ روح کے قابل ہو۔ اس میں دو اعتدال اور صفائی پیدا ہوتے کا نام جس سے خدا تعالیٰ کے قانون قدرت کے موافق محل افاضہ روح کے قابل ہوتا ہے۔ تسویہ کہلاتے ہیں۔

## تسویہ کس طرح ہوتا ہے :

اللہ تعالیٰ نے ہر کو ایک کسے پیچھے ایک۔ کئی لمروں میں بدکرد ہے۔ جہاننگ۔ کہ وہ لطیف روئید آتی جتنی ہے۔ پھر انسان و درویدگی کہلاتا ہے۔ جس کے خلاصہ سے انسان کا تمام بدن اور خون بنتا ہے۔ چوتھ متغیرہ کہہ کر ہر حیوان میں رکھی گئی ہے۔ اس خون میں سے خالص خون کو جو اعتدال سے بہت قریب ہوتا ہے۔ چھانٹ لیتا ہے۔ تب وہ خالص خون یعنی رطلہ بن جاتا ہے۔ اس کو عورت کا رحم قبول کرتا ہے۔ اس میں جب سنی عورت کی ملتی ہے۔ تو اعتدال زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ پھر عورت کا رحم یعنی بچہ دان اُسکو اپنی حرارت سے پکاتا ہے۔ تب اسیں مناسب زیادہ ہو جاتی ہے۔ جہاننگ کہ صفائی اور اعتدال میں باہمی نسبت اجزا کی نہایت کو پہنچ جاتی ہے۔ پھر وہ روح کے قبول کرنے اور تھامنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ روح

پنی ہوتی تھی شعلہ کے قبل کرنے اور اس کے تھانے کی مستعدی  
 پہنچتی ہے اور نطفہ اتحاد اور صفائی کے پورا ہونے کے وقت  
 روح کے تھانے اور اس کے تدبیر اور قوت کا مستعد ہوتا ہے  
 چہرہ اس میں اللہ تعالیٰ کا از مطلق کی طرف سے فیضان روح کا  
 ہوتا ہے کہ وہ ہر مستحق کو بقدر استحقاق اور ہر مستعد کو بقدر  
 لیاقت بذریعہ انظار اور تجل کے فیض بخشے والا ہے۔ پس تسویہ  
 سے پہلے انفرادی آدمی کو اسل نطفہ کو کئی طوروں میں بدل کر  
 صفائی اور استعداد کی خاص صفت میں پہنچاتے ہیں۔ جس سے  
 نطفہ فیضان روح کے قابل ہو جاتا ہے۔

اگر روح تسویم نہیں کے بلکہ مادہ کا اندھی  
 پیہ ہوتی تو عہدیشاق کی کیا حقیقت ہے  
 جبکہ اللہ تعالیٰ تمام ارواح سے اقرار  
 ربوبیت لیا

عہدیشاق کی آیات قرآن شریف میں اس موقع پر آئی ہیں جہاں

لے طلب کے دو سے غذا کے سامنے کے کمنے کے بعد جب ۲۷ ساتیں نذر جاتی  
 ہیں تو مٹی پید ہوتی ہے۔



اللہ تعالیٰ کفار کو تقبیح آئی اور کفار و شرک سے منع کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ ہر ایک شخص کی فطرت میں خدا کی ربوبیت اور ہدایت کا اقرار مودع ہے اور اپنے فطرت کے رو سے ہر ایک شخص مکلف اور جواب دہ ہے۔ کسی کو کسی شخص کی کفر و شرک میں تقبیح نہیں کرنی چاہئے۔ نہ دوسرے کی تقبیح کی وجہ سے کوئی شخص جواب دہی سے چھوٹ سکتا ہے۔ نہ یہ کہہ سکتا ہے کہ میں رسم باہمی کی وجہ سے شرک و کفر میں گرفتار رہا۔ اس لئے معذور ہوں۔ بلکہ ہر ایک شخص اپنی طرف سے خدا تعالیٰ کے حضور میں جوابدہ ہے اور ہر ایک انسان کی فطرت میں ربوبیت الہی کا نقش و قلم ہے۔ ایک شخص کی فطرت میں اپنے سے بالاتر طاقت کا اقرار مودع ہے۔ وہ بالاتر طاقت ایک ہی طاقت غلطی ہے۔ جس نے ساری دنیا کو بنایا۔ سارا کارخانہ قدرت پھیلایا۔ ذرہ ذرہ اسکی ربوبیت کا مقر۔ بال بال اس کی نعت کا مژون احسان ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِذَا حَذَرَ بَلَدٍ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ اَنْفُسِهِمْ۔ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ تَالُوْا بَلٰی۔ شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَنَا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ اَوْ تَقُوْلُوْا اِنَّمَا اَشْرَكَ اٰبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِنْۢ بَعْدِهِمْ اَفْتَمْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ وَكَانَ لَكَ فَعْلُ الْاٰيَاتِ وَاَعْلَمَهُمْ بِرَجْعَتِهِمْ۔

اور جب تیرے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو لیا اور ان کو اون کی جانوں پر گواہ بنایا۔ کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ وہ بولے کیوں نہیں ہم شائید اور اقرار ہی ہیں۔ ایک الہامی طرز بیان ہے۔ خاص و عام کے سمجھانے کے لئے اوداع اشافی کی فطرت میں جو اس نے اقرار ربوبیت کا خاصہ دویست رکھا ہے۔ اس کو سوال کے پیر میں بیان فرمایا۔

ان تقولوا۔ ایسا ہم نے اس لئے کیا یعنی اقرار ربوبیت کا خاصہ جو ہر صریح  
الہانہ کی فطرت میں سودے ہے۔ اس کی حقیقت تم کو اس لئے یاد دلانے  
کئی ہے کہ کہیں تم قیامت کے دن کہو نہ (خیال کرو) کہ ہم اس خاصیت  
فطرت سے آگاہ نہ تھے۔

او تقولوا اتنا اشرک ابارنا یا کہو کہ اس سے پھر ہمارے باپ داخل  
شرک کیا اور ہم ان کے بعد ان کی اولاد تھے و تقلید رسمی کے طور پر  
یہ شرک ہم میں آگھسا اور سوروٹی طور پر چلے گئے مانتے چلے آئے کیا  
تم پھر ہیں اہل باطل کے انحال پر ان کے بنا ڈالے ہوئے عقائد پر  
جو ہم کو سوروٹی طور پر ملے کہ کہ آپ نکالے جاگ کرتا ہے۔

وکنز انک لفصل الآیات الخ۔ اور اسی طرح ہم عقائد فطرت کو کھول کھول  
کر بیان کرتے ہیں۔ تاکہ لوگوں کو روح کا فطری خاصہ معلوم ہو جائے اور  
جان لینی کہ اپنے رب کے پہچاننے کے لئے اپنی عقل کا فی۔ فطرت گواہ  
ہے۔ پھر تقلید جا ہٹا دے اور اڑا رہنا یا خدا کو چھوڑ کر بتوں وغیرہ کو  
معبود و سمجھنا سخت درجہ کی حماقت اور ضلالت و سفاہت ہے۔  
و لعلم یرجون۔ اور تاکہ وہ تقلید آزمائی سے سونہ ہو کر حقیقی رب مرتبی  
اور محسن کی طرف متوجہ ہوں۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے روح کا فطری خاصہ و اقرار ربوبیت الہی  
اور وہ تعلق جو ارواح انسانی کو خدا کے ساتھ ہے۔ ایسی خوبصورتی کے  
ساتھ عمدہ پیرایہ میں بیان فرمایا ہے کہ جس سے بڑھ کر کسی حکیم اور  
خلاصہ کی طاقت نہیں کہ بیان کر سکے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے روح  
کا حادث ہونا بھی بیان فرمایا ہے اور روح کو جو تعلق اپنے رب کے  
ساتھ ہے۔ اس کا بھی ذکر فرمایا۔ روح پر خدا کی سچی حکومت کیوجہ  
بھی بیان فرمادی۔ ایک طرح پمدوح کی حقیقت بھی بیان فرمادی ہے  
اور روح کی فطرت میں اپنی ربوبیت کا اقرار جو دویت رکھا ہے اور جو  
اللہ تعالیٰ کے خالق و مدبّر ارواح ہونے پر بدیہی شہادت ہے  
اس کا بھی ذکر فرمادیا۔

واذا خذ ربك من بني آدم من طهور - تیرے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے انکی اولاد کو لیا۔ یہ بات ظاہر کر دیتی کہ آدم کی روح طہرہ ہے۔ اس کی اولاد کی طہرہ۔ اولاد کی ارواح خُدا۔ یہ نہیں کہ متنازع کے طور پر۔ آدم۔ بنی آدم۔ اولاد بنی آدم کی روحیں ایک ہی ہوں۔ جو آواگون کے طہرہ پر دوسرے قالب میں پڑتی پہلی جائیں۔ بلکہ سب کی روحیں جدا جدا ہیں۔ جو خدا تعالیٰ کی مخلوق ادا اسکی ربوبیت کا آثار ہیں۔ اذا خذ ربك تیرے رب نے۔ پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ارواح خدا تعالیٰ کی ربوبیت کے احاطہ کے نیچے ہیں اور ارواح کا وجود و بقا اور قیام اللہ کی ربوبیت ادا اسی کے سہارے سے ہے۔ اور ارواح انسانی اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت کا ظہور ہیں۔ جو اس کے ارادہ اور حکم اور قدرت سے نقش ظہور پکڑ گئی ہیں۔ اور خدا کی صفت ربوبیت کا ظہور ہو کر خدا تعالیٰ طرح عالم صغیر میں متصرف و مدبر ہیں۔ ہر ایک جزئیات و کلیات و عقولات اور متصرف بالآلات۔ خدا کی صفت ربوبیت کے مظہر اور اسی کے رنگ سے رنگین ہیں۔ جیسی تو بلا ساختہ پکارا ٹھیس اور پکار رہی ہیں کہ قالو بلی۔ کیوں نہیں تو فرور فرور ہمارا رب ہے اور جیسی خدا تعالیٰ کا سچا تصرف ادا قبضہ اور تسلط ان پر قائم ہوا اور اس کی حکومت ان پر جائز ہو گئی۔ اور ان سے ربوبیت کے اقرار پر قائم رہنے کا خواستگار اور دعویٰ دار ہوا۔ اگر وہ اس کی مرلوب و مخلوق نہ ہوتیں۔ تو اسے ان پر قبضہ جماعے تسلط بٹھائے رب کہلانے کا کوئی استحقاق نہ تھا۔ نہ روحوں کے لئے فردی تھا کہ وہ خدا کا بھی فرمانبردار ہوتیں۔ اس کی حکومت کو ہمیشہ کے لئے بلا کمرہ

ملے اس میں کچھ شک نہیں کہ ایک حدیث میں اس طرح پر وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عنات کے مقام میں آدم کی پشت سے تمام اولاد کو نکلتا اور چوٹیں کیونکہ ان کو پیلا دیا۔ اور پھر ان سے سنے ہو کر نکلام کیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ وہ بولے کیوں نہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تمہارے اس فرمان پر سب سمجھتا ہوں اور سب سے نہیں۔ مرد تمہارے باپ آدم کو گروہت کیوں باقی نہ رہا؟

اپنے اوپر تسلو کرتیں۔ اس کی صفات کا کامل مظہر تھیں۔ یہ سب باتیں اس بات کی برہین

بقیہ جاشعہ صفحہ (۲۹۸)

اور خوب سمجھ کر میرے ساتھ تیار ہو گئی۔ پس میرے ساتھ شریک ذکر کرنا اور  
میں اس اقرار کے یاد دلانے پر تیار ہوں پاس انبیاء و کرمیوں کا۔ اور کہ ہوں  
کو آثاروں کا۔

لیکن یہ حدیث بھی نبوت کا ایک طرز بیان ہے۔ جس میں خلقت انسانی  
میں اقرار ربوبیت کے مودع ہونے کو اس حسی اور تشبیلی پیرایہ میں ظاہر  
فرمایا گیا ہے۔ جس طرح پر اللہ تعالیٰ نے قرآن خریف میں اور کئی جگہ  
تشبیلی پیرایہ میں بعض صلاحت کو بیان فرمایا ہے۔ سورہ اخرا ب میں اللہ تعالیٰ  
فرماتا ہے۔ انا عرفنا الانسان على السموات والارض والجبال فابن ان يحسن  
والمشقق منها وحملها الانسان۔ انه كان ظلوماً جهولاً۔ ہم نے امانت کو یعنی  
اس ذمہ داری کو جو انسان پر عائد ہے۔ آسمانوں پر اور زمین پر اور  
چھاڑوں پر پیش کیا اور ان پر لاونا چاڑا۔ تو انہوں نے اس کے اٹھانے  
سے انکار کیا۔ اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس بوجھ کو اٹھایا۔ یقیناً  
وہ بڑا ہی ظلم جہول ہے۔ اب دیکھئے اللہ تعالیٰ نے اس پیرایہ میں ظاہر  
فرمایا ہے کہ وہ ڈیوٹی جو انسان کے متعلق ہے۔ چھاڑ زمین آسمانوں میں  
سے کسی فطرت میں اس کے اٹھانے کی قابلیت نہیں تھی۔ صرف  
انسان ہی میں تھی۔ مگر اس کو باسانی سمجھنے کے لئے ایک تشبیلی پیرایہ  
میں ادا فرمایا ہے کہ جو فرائض و فداات انسان سے متعلق ہیں۔ وہ  
زمین آسمان اور چھاڑ وغیرہ ہر چیز کے سامنے پیش کئے گئے۔ مگر کوئی اصل  
بار امانت کو اٹھانے کے قابل نہ تھی۔ صرف انسان ہی میں اس بوجھ  
کے اٹھانے کی قابلیت تھی۔ اور وہی فطرتاً اس بار امانت کو اٹھانے  
کے قابل بنا یا گیا۔

اسی طرح اس حدیث میں آنحضرت م نے حضرت آدم اور اس کی اولاد  
کی فطرت میں اقرار ربوبیت کے مودع ہونے کو ایک قصہ اور تشبیلی پیرایہ  
میں ادا فرمایا ہے اور یہ ارشاد کیا ہے کہ مقام عرفات میں رخصت کرنا  
اس لئے خاص کیا کہ یہ فقط معرفت سے مشتق ہے۔ ربوبیت کی معرفت

شہادت ہیں۔ کہ مروج نہ ہی کی پیدا کی ہوئی ہے۔ اسی کی قہر کی  
نشان ربوبیت کا ظہور نشان ہے اور اللہ تعالیٰ کو استحقاق ہے کہ ہر ایک  
مروج سے اپنی ربوبیت کا اقرار علانیہ کرے۔ اس سے اطاعت کی  
نیک و بد کاموں پر جزا اور سزا دے +

## نفخ مروج سے کیا مراد ہے

نفخ سے مروج کے نور مخفی کا نکلنے کی تہی میں روشن ہونا مراد ہے۔ جس سے اس  
میں حس و حرکت وغیرہ پیدا ہو جاتی ہے۔

## خدا تعالیٰ کی طرف سے نفخ مروج ہوئی

کہ لے یہی مقام موزون تھا۔ اللہ تعالیٰ نے پشت آدم سے تمام اولاد نکالی  
دیے بھی پر ایہ ہے۔ گویا جہند اولاد آدم تا قیامت نیک و بد پیدا  
ہو رہے تھے۔ سب کی فطرت میں یہ اقرار مودع ہے اور سب سے اقرار  
ربوبیت کیا۔ سب سموات اور ارضیں کی شہادت یہ ہے کہ ہر شے آسمان  
وزمین کی خدا کی خالقیت اور ربوبیت پر بد بھی دلیل ہے کہ ضرور کوئی  
ایسی عظیم اشیان قیوم ذات ہے۔ جس کی طفیل ان کے سب اشیاء  
کا وجود و بقا ہے۔

اور حضرت آدمؑ کی شہادت یہ کہ جب طبع حضرت آدمؑ خدا پرست تھے  
سب کو اسی طرح خدا پرست ہونا چاہئے اور اپنے بزرگ باپ کی تقلید  
کرنی چاہئے۔ اور جس طرح انکی فطرت میں اقرار ربوبیت مودع تھا اسی  
طرح ہر ایک انسان کی فطرت میں اس کا نقش موجود ہے جس کے یاد  
دلانے کیلئے متواتر انبیاء و مجددین تشریف لائے۔

# کیا معنی ہیں

نفع کے لئے ایک صورت ہے اور ایک نتیجہ۔ صورت تو یہ ہے کہ پھونکنے والے کے اندر سے اس چیز کی جس کو پھونک رہا ہے۔ ہوا کا نکلنا مثلاً جو لکڑی آگ کے قابل ہے جل اٹھے۔ نفع جل اٹھنے کا سبب ہے اور نفع یعنی پھونکنے کی صورت جو سبب ہے اللہ تعالیٰ کی ذات میں محال ہے۔ اور سبب یعنی نتیجہ محال نہیں۔ اور کسی سبب سے محاذاً وہ فعل مراد ہے۔ جو سبب سے حاصل ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ فعل جس کو دوسرے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اس کی صورت پر نہ ہو جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ غضب اللہ علیہم اور فامتنقنا منہم صورت غضب کی غصے والے ہیں۔ ایک قسم کا تغیر ہے۔ جس سے ایذا حاصل ہوتی ہے۔ اس کا نتیجہ مغضوب علیہ کو یعنی اس چیز کو جس پر غصہ کیا گیا ہے۔ ایذا دینا یا ہلاک کرنا ہے۔ غضب سے نتیجہ غضب مراد ہے۔ اور انتقام سے نتیجہ انتقام ایسا ہی یاں نفع سے نتیجہ نفع مراد ہے اگرچہ نفع یعنی پھونکنے کی صورت میں نہ ہو۔

## نطفہ کی تہی میں روح کا نور کب روشن ہوتا ہے؟

خدا تبارک و تعالیٰ جو مبدیٰ فیض ہے۔ جب کوئی شے اپنی حالت فیض لینے کے قابل بنائے اور خدا تعالیٰ کے قانون قدرت کے مطابق اس سے استفادہ

کی قابل ہو جائے اور اللہ تعالیٰ بلا بخل و انکار کے اس پر اپنا فیضان کر دیتا ہے۔ اس افاضہ میں ایک تو فاعل میں صفت ہے اور ایک قابل میں۔ پس جو فاعل میں صفت ہے۔ اس سے خدا تعالیٰ، فیضان مراد ہے جو منبع فیض وجود ہے۔ اس سے ہر قابل پر بلا بخل و انکار کے فیضان ہوتا ہے۔ اس صفت کو قدرت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کہ سورج کی روشنی حجابِ گمے دور ہونے کے وقت ان چیزوں پر جو روشنی کے قابل ہیں پڑتی ہے۔ پس جو چیزیں روشنی کے قابل ہیں وہ رنگدار چیزیں ہیں۔ ہوا نہیں ہے۔ کرچکا کوئی رنگ نہیں ہے۔

قابل صفت سے استواء اور اعتدال مراد ہے جو صفائی سے حاصل ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فاذا استویٰ قہ قابل کی صفت کی مثال روپے کے صیقل جیسی ہے کہ جب آہن کو زنگار ڈالنا پڑتا ہے۔ تو صورت کو قبول نہیں کرتا۔ اگرچہ صورت اس کے مقابل ہی ہو۔ لیکن جب کہ صیقل کرنے اسکو صیقل کر دیا۔ تو جیسی اس میں صفائی ہوتی ہے ویسی صورت دکھائی دیتی ہے۔ ایسا ہی جب نطفہ میں ایک خاص درجہ تک استواء اور اعتدال حاصل ہوتا ہے۔ جو خدا تعالیٰ کے قانون قدرت کے مطابق افاضہ روح کے قابل ہوتا ہے۔ تو فاعل کی طرف سے اس میں روح پیدا ہو جاتی ہے۔ اور فاعل میں کچھ تغیر نہیں ہوتا۔ بلکہ روح اب پیدا ہوئی نہ کر آگے۔ کیونکہ محل کو اب اعتدال حاصل ہوا۔ آگے نہیں تھا۔ جیسا کہ آئینہ مقابل میں صورت والے کا عکس دہا پڑتا ہے۔ اور صورت والے میں کچھ تغیر نہیں ہوتا۔ اور صیقل کرنے سے پہلے جو یہ عکس نہ تھا تو اس کا یہ سبب نہیں۔ کہ صورت کو آئینہ میں نقش ہونے کی استعداد نہیں تھی۔ بلکہ آئینہ ہی صاف نہ تھا۔ جو عکس قبول کرتا۔

## اختلاف ارواح کا کیا سبب ہے؟

ابدان میں کچھ اختلاف نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فیضان ہر بدن پر یکساں ہے اور گویہ خدا بلا بخل و انکار کے سب پر یکساں فیضان کرنے والا ہے لیکن یہ اختلاف جو افراد بشر میں ہے تو اسکی وجہ اختلاف ابدان ہے۔ جس میں انسان کی نطفہ کی کثیت و کیفیت اختلاف غذا وغیرہ اور دیگر تدابیر اور عوارض کو بہت کچھ دخل ہے۔ ضعیف اور ناقص ابدان میں روح کا اثر پھیکا پڑ جاتا ہے۔ اقد قوی اور کامل ابدان میں روح کا افاضہ کامل ہوتا ہے۔ یہی وجہ افراد انسانی کے اختلاف اور سمورت و شکل کے متفاوت ہونے کی ہے ذکر تالیخ۔

اس بات کو خوب یاد رکھو کہ اللہ رب العالمین کا فیض عام ہے۔ اور وہ تمام عالم پر یکساں محیط ہے۔ یہ امر نہیں ہے کہ اس کا جلوہ کہیں پڑتا ہے اور کہیں نہیں پڑتا۔ بلکہ اس کا جلوہ یکساں ہے لیکن جو اجسام اس کی قابلیت زیادہ رکھتے ہیں ان پر زیادہ اثر پڑتا ہے۔ اور جو کم قابلیت رکھتے ہیں۔ ان پر کم۔ اور جو بالکل نہیں رکھتے ان پر مطلق اثر نہیں ہوتا۔

آفتاب کیسا عظیم الشان جسم روش ہے۔ مگر تاریک اور مکرر اجسام پر وہ معمولی چمکیں ڈالتا ہے۔ جو لوگ اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیں وہاں چمکیں ڈالتا ہی نہیں اور صرف انعکاسی طور پر پھیلتا ہے۔ مگر جن اجسام کی سطح صاف اور چمکیلی اور شفاف ہے۔ وہ کیسے روشن معلوم ہوتے ہیں۔ آئینہ اور پانی کیسا صاف اور شفاف ہوتا ہے۔ چونکہ ان میں کوہرت مطلق نہیں۔ ان کا یہ حال ہوتا ہے۔ کہ خود آفتاب ہی ان میں نظر آنے لگتا ہے۔

کہاں آفتاب کا جسم اتنا بڑا کہ جس کے برابر ہم کسی جسم کو تشبیہ نہیں کر سکتے اور کہاں ایک ذرا سے طرف کا پانی، ایک چوڑا سا تلیا جس میں آفتاب سما جاوے اور ہم کو تیار آنے لگے۔ اس سے صاف اظہار ہے کہ چوڑے بڑے اور اگلے اعلیٰ پر نہیں وہ تصنیف (جلا اور صفائی) کا خواہاں ہے۔ جہاں یہ صفائی ہو سکی۔ اس میں وہ اپنا انعکاس ڈالتا تھا۔



قلبی اسی برتن پہ اچھو، ہوتی ہے۔ جس میں کلوشل نہیں رہتی اور جس میں میل ٹھیرا ہوتا ہے۔ یہی ہی قلبی کردگی وہ برتن اجسلا نہیں ہوتا۔ یہ قصور قلبی کا نہیں ہے۔ دراصل قصور اسی برتن کے ہے اس لیے تمام ابداع آسانی خدا کی طرف سے یکساں افاضہ کی جاتی ہے لیکن اختلاف ابدان کی وجہ سے جس میں بہت کچھ انسانی فعل کا بھی دخل ہے۔ انسان مختلف الصور و القوس سے پیدا ہوتے ہیں۔ تناسخ وغیرہ کی وجہ سے ہرگز ایسا نہیں ہوتا۔

## فیضان الہی سے کیا مراد؟

فیض سے ایسا فیض مراد نہیں۔ جیسا کہ فیضان پانی کا برتن سے اٹھ کر پھرتا ہے۔ اور پانی کے برابر برتن سے اٹھ کر ہر طرف کے فضا پر پڑتا ہے۔ بلکہ وہ فیضان نور آفتاب کے ساتھ مشابہ ہو سکتا ہے۔ جو دیوار پر پڑتا ہے۔ ان لوگوں نے غلطی کہا ہے جو کہتے ہیں۔ کہ سورج سے شعلہ اٹھ کر دیوار پر پڑ کر پھیل جاتی ہے۔ یہ ان کی محمول ہے۔ بلکہ سورج کے نور سے دیوار پر ایسی شے پیدا ہوتی ہے کہ وہ نور کے ساتھ نورانیت میں مشابہ ہوتی ہے۔ اگرچہ اس سے ضعیف ہی ہو۔ جیسا کہ صورت والے کا عکس جو آئینہ پر پڑتا ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ صورت والے کے اجزا اس سے علیحدہ ہو کر آئینہ کے ساتھ منتقل ہوں۔ بلکہ یہ معنی ہیں کہ صورت والے کی صورت سے ایک ایسی صورت جو اس کے مشابہ ہوتی ہے آئینہ میں پیدا ہو جاتی ہے۔ اصل صورت میں نہ تو اتنا ہی ہے نہ انفعال ہے۔

جو چیزیں وجود کے قابل ہیں۔ بخشش الہی ان میں انوار وجود کے پیدا ہونے کا سبب ہے۔ جس کو فیض کہتے ہیں۔

و نفخت فیہ من روحی میں اللہ تعالیٰ نے  
روح کو اپنی طرف کیوں منسوب کیا علانکہ  
ہر شے کا وجود اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے

ہے۔ کیا روح خدا تعالیٰ کی جزو ہے۔

میں نے اپنی روح اس میں پھونکی۔ اس روح پھونکنے سے یہ نہ بھینا  
جائے۔ کہ بھاء اللہ روح خدا تعالیٰ کی جزو ہے۔ اور اس نے کوئی  
چیز اپنے وجود سے جدا کر کے روح بنائی۔ جیسا کہ یہ لوگ خیال کرتے  
ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے روح کو منظر صفات کا لہ آہی اور اس کا  
ظہر ہونے کی وجہ سے اس کی پیدائش کو اپنی طرف منسوب کیا۔ اور  
نفخت من روحی کے یہ معنی ہیں۔ کہ روح کا فیضان انسان پر اللہ تعالیٰ  
کی طرف سے ہے۔ اور روح اس کی قدرت کا لہ کا پہ تو اور حکمت اللہ  
کا اثر اور نور الا نور کا ظہر ہے۔

اگر آفتاب کہے کہ افقت علی الارض من نور امی۔ میں نے  
زمین پر اپنے نور کا فیضان کیا تو اس کے یہ معنی نہیں کہ آفتاب  
نے اپنے وجود کا کوئی ٹکڑا زمین کو دیا یا۔ بلکہ اس کے یہی معنی  
ہونگے کہ جو روشنی زمین کو حاصل ہے۔ کسی نہ کسی وجہ سے آفتاب  
کے نور سے مستفاد ہے۔ اور اس کے نور سے جنس میں سے ہے  
اگرچہ یہ نسبت اس کے نہایت ضعیف ہے۔ اسی طرح روح کو روحانی  
نور و حاصل ہے اگرچہ اس کا سمجھنا مشکل ہے مگر کسی نہ کسی طرح سے اس کا  
نور اللہ نور کا ظہر۔ قدرت کا لہ کا اثر ہے اور حکمت اللہ کا پہ تو ہے۔

روح چونکہ ظنی طور پر صفات الہی کا مظہر ہے۔ اور تمام اشیاء کے علم اور اطلاع کی اس کو قوت حاصل ہے۔ اور یہ مناسبات شے جسمانی میں نہیں ہوتے۔ اسی مناسبات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے روح کو اپنی طرف نسبت کیا۔ اور من روحی فرمایا۔

جس طرح اللہ تعالیٰ موجود حی۔ عالم۔ سمیع۔

بصیر۔ قادر۔ مرید اور متکلم۔ اور فاعل افعال ہے

اسی طرح روح۔ کیا اس سے شرکت باری لازم

## نہیں آتی

اس سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ روح کی شرکت لازم نہیں آتی۔ اس لئے کہ روح کی جو صفات ہیں۔ وہ مستقل اور بالذات نہیں ہیں نہ روح قیوم یعنی اپنی ذات سے قائم ہے بلکہ اس کا وجود عطا فرمایا ہے۔ اور اس کے تمام صفات عطا بھی اور اس کا نکل ہیں۔ مستقل اور ذاتی نہیں۔ تاکہ شرکت لازم آئے۔ خدا تعالیٰ کے ماسوائے اگر ایک شے کا وجود بھی مستقل نکل آئے تو وہ وجود اور صفات میں شریک باری ہوگی۔ جس طرح آریہ لوگ اور روح کو قدیم مستقل بالذات اپنے ذاتی گن اور بہاؤ کے ساتھ موجود اور قدیم مان کر کوڑھ کوڑا داج کو اپنی ذات و صفات میں خدا سے بے نیاز اور شریک باری قرار دے چکے ہیں۔ بحرحریم کے مد سے روح قیوم اور موجود ذاتی نہیں۔ بلکہ وہ ایک امر

ہوتی ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ کا حکم اور اس کے حکم سے قائم۔ اسکی ربوبیت کا منظر اور ظل۔ جیتا صاحب۔ ادراک مدبر۔ بدن فاعل افعال۔ مشرف بالآلات۔ حی۔ عالم۔ سمیع۔ بصیر۔ قادر۔ مؤید۔ مشکم۔ مگر یہ صفات اُس کی ذاتی ہیں۔ بلکہ عاریتاً غیر کی جہت سے ہیں۔ ماسوائے اللہ برحق کے لئے بذات خود عدم ہے۔ وجود ان کے لئے عاریتاً غیر کی جہت سے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے وجود صرف ذاتی ہے۔ عاریتاً نہیں۔ اور صفت قیومیت اللہ تعالیٰ کے سوا غیر میں ہرگز نہیں پائی جاتی۔

## روح کو بدن کیسا کہتا اور کہاں تک

### تعلق ہے؟

روح کا تعلق بدن کے ساتھ مجہول الگہ ہے۔ یعنی انسان کے احاطہ ادراک سے باہر قوام روح کا بغیر بدن کے اگرچہ ممکن ہے۔ لیکن بغیر تعلق بدن کے روح کو کسی قسم کا احساس یا علم یا ذوق وغیرہ نہیں ہو سکتا۔ نہ ایسی روح اند بجا ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ آریہ کا مذہب ہے۔ ہماری جسم اور جسمانی بناوٹ کا ہماری روحانیت اور انسانیت پر بڑا گہرا بلکہ کلی اثر ہے۔ دماغ کے ایک ہی مقام پر چوٹ گھنے سے یک لمحہ محفوظ جاتا رہتا ہے۔ اور دوسرے مقام پر چوٹ گھنے سے ہوش و حواس رخصت ہوتے ہیں۔ بیہوشی کا ایک بخار ہو جانے سے خدا اور مافیہا سب بھول جاتا ہے۔ کلرد فارم کے سونگھانے سے درد کو تک کا احساس نہیں ہو سکتا۔ وادگی ایک ہی زہریلی ہوا نظام بدن کو ورہم برہم کر کے انسان کو دیوانہ بنا دیتی ہے۔ اور ہوش و حواس کو کھربو دیتی ہے۔ اور مختلف جسمانی جذبات عجیب قسم کا نظارہ دکھاتے ہیں۔ جس سے اظہر من الشمس ہے کہ اگرچہ روح ایک مستقل چیز

ہوئی حالت کا نتیجہ نہیں۔ مگر تاہم بغیر تعلق بدن صمد کے نفی کے حکم میں ہے۔

اور روح کا تعلق بدن کے ساتھ اپنی قسم پر ہے۔ (۱) ایک تعلق جنین کی حالت میں یعنی شکم اور میں جو بعد چار ماہ کے نطفہ میں جب اعتدال اور صفائی کمال درجہ کی ہوتی ہے۔ اور اس کی حالت روح کے قبول کوئی کی مقتضی ہوتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ روح کو اس سے متعلق رکھتا ہے۔

دوسرا تعلق شکم اور سے خروج کے بعد کہ پہلے کی بہ نسبت تعلق دفع کے اس وقت زیادہ آشکار ظاہر ہوتے ہیں۔

تیسرا تعلق حالت خواب میں کہ من وجہ تعلق اور من وجہ مفارقت ہوتی ہے۔

چوتھا تعلق عالم برزخ یعنی موت اور قیامت کے درمیانی عرصہ میں کہ اس عالم میں اگرچہ بظاہر مفارقت معلوم ہوتی ہے۔ مگر مفارقت کمال نہیں ہوتی۔ کہ بالکل بدن کی طرف اس کو انتقالات ہی نہ ہو۔ بلکہ بدن کے اجزاء مفارقت کے ساتھ انتقالات رکھتی ہے۔ اور جانتی ہے کہ میں ہی مرا۔ اور میں ہی دفن ہوا۔ پھر برزخ کے زمانہ میں ایک قسم کا ظلمانی یا نورانی وجود و اعمال مردہ کے موافق عطا فرمایا جاتا ہے۔ اور انسان کی حالت تائیدہ شخص کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے۔ کہ جیسے جیسے عمل اس سے ویسا ہی ہوگا۔ اس کے موافق دیے ہی ہندو مذہب یا ثواب کے برزخ کے زمانہ میں اس کے

پیش نظر رہتے ہیں۔ اس کے لئے ظاہری حواس کی کوئی ضرورت نہیں۔ جس طرح خوابیدہ آدمی کے ظاہری حواس محفل ہوتے ہیں۔ مگر حالت غنودگی میں قسم قسم کی اشیاء کا احساس کرتا ہے۔ لذت یا درد کا اثر پاتا ہے۔ ایسا ہی عالم برزخ میں وہ دیکھ یا سکھ کا احساس کرتا ہے۔ القبر ماروضتہ من ریاض الجنۃ او حفرة من حفرة البز ان۔ قبر یا بہشت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا۔ اگر وہ نیک بخت ہے تو

فراخ بان و نیک حالت۔ یعنی ایسے باغوں میں جنکے پتے ندیاں جاری ہیں  
 اور ایسے سرسبز چشموں میں جس میں جوہر تصور ہیں۔ جس طرح وہ اعتقاد  
 رکھتا تھا۔ اپنے آپ کو پاتا ہے۔ ہی ثواب قبر پر۔ اور اگر  
 بد بخت یا کافر ہے تو ان تکالیف میں جو عذاب کے طور پر اُسے  
 پہنچتی رہتی ہیں۔ جن کی خبر مخبر صادقؑ دے رہا ہے۔ قہر رہتا ہے  
 اس کو عذاب قبر کہتے ہیں۔ عذاب قبر کے یہ سنی نہیں کہ قبر کے اندر ہی  
 عذاب ہوتا ہے۔ خواہ کسی کو بلا دیا جادو سے یا غرق آب ہو جائے۔ تاہم  
 قبر میں برزخ کے عذاب سے رٹائی نہیں پاسکتا۔ قبری ان حقیقت  
 اس حالت و صورت کا نام ہے۔ جس میں ایک شخص خواہ بیدار آدمی  
 کسی طرح ثواب یا عذاب کا احساس کرتا ہے۔ جب ہی کہا گیا ہے۔  
 النوم اخ الموت۔

پانچواں تعلیق بروز قیامت ہے۔ جس کو دوسری پیدائش و انشاء آخری  
 سے تعبیر کرتے ہیں۔ نفس کا اس صورت سے نکلنا ایسا ہے۔ جیسا بچہ  
 دان سے بچہ نکل پڑتا ہے۔ یہ وال ہے۔ کمال بروز کے زمانہ ہے  
 کہ یوم تبدل الارض غیر الارض و السموات و بروز اللہ الواحد القہار اس  
 دن نیا آسمان اور نئی زمین ہوگی اور سارا جہان خدا کے قہار کے  
 سامنے جلوہ گر ہوگا تو یہ نبی السرائر اس دن تمام اشیا کی حقائق  
 جلوہ گر ہونگی۔ اعمال مخفیہ صورتوں میں ظاہر ہونگے۔

روح کا قتل وجود ہے۔ یا صحیح جسمانی تریب

کی حالت مقتنینہ کا ایک نتیجہ ہے

جہاں تک کلام الہی میں غور کیا جاتا ہے۔ بطور یقین معلوم ہوتا ہے  
 کہ مدح کا ضرور قتل وجود ہے۔ اس کے ثبوت کے لئے

جس نے اس کو دبا دیا۔ (۱۱) قوم خود نے اپنی شرارت کی وجہ سے اپنے بچی کو جھٹلایا۔ (۱۲) جب کہ ان میں سے جو زیادہ شریف اور بے ذات تھا۔ اٹھا۔ (۱۳) اس پر خدا کے رسول نے ان لوگوں سے کہا۔ کہ خدا کی اذیت اور اس کے پانی پینے سے معترض نہ ہونا۔ (۱۴) اس پر بھی لوگوں نے صایہ کو جھٹلایا۔ اور اذیت کی کھوج کاٹ ڈالے (۱۵) تو ان کے پروردگار نے ان کے گناہ کے بدلے میں ان کو ہلاک کر ڈالا۔ اور سب کا سب صفا کر دیا۔ (۱۶) اور اُس نے ان کے انجام (اور پس ماندوں کی) ذرا بھی پرواہ نہ کی۔

اس صورت میں اللہ تعالیٰ نے بڑی حکیمانہ شان اور نہایت دھوم دھام سے تمہوں کے پیرایہ میں عالم کبر کے نظارے نظروں کے سامنے جلوہ گر کیے نفس انسان کا عالم کبیر کی نفسی تصویر یعنی عالم صغیر ہونا اور عالم کبیر کے تمام صفات و خواص اپنے اندر رکھنا بیان فرماتا ہے۔ اور امورات بدیہی ایک نظر کے ثبوت کے لئے مشاہدہ اور نظارہ ٹھہرا کر نفس انسانی کے وجود اور اس کے کمالات کو ظہیر من الشمس اور اجلیٰ بدیہات میں سے کر دکھایا۔ اور ایسا بین اثبوت کہ آخر میں خود نفس انسان کے وجود کی قسم کھا کر اس کے وجود کو ہی آفتاب آمد دیں۔ آفتاب کا مصداق ٹھہرایا۔ اور اس کی ہستی کو اُسی کی ہستی پر گواہ بنایا اور قدرت کے بڑے بڑے مظہر صوبہ۔ چاند۔ دن۔ رات۔ ستاروں۔ زمین۔ آسمان میں جو خواص و کمالات۔ متفرق طور پر موجود ہیں۔ ان سب کا نفس انسانی کامل کے نفس ساقی میں یک جا موجود ہونا بیان فرمایا۔ اور ظاہر کر دیا ہے کہ جب آفتاب موجود ہے۔ چاند موجود ہے۔ دن رات نمایاں ہوتے ہیں۔ آسمان و زمین موجود ہیں۔ تو جس ذات کے اندر یہ سارے کمالات و صفات جمع ہوں۔ یعنی روح انسانی۔ کیا اس کا مستقل اور بالذات وجود بھی نہیں ہے۔ جو بدن کی مفارقت کے بعد مستقل اور بالذات باقی اور ثابت رہ سکے۔ اور نفس انسانی جس میں اس قدر کمالات اور خواص یک جا پائے جاتے ہیں۔ اور

اس قدر اعلیٰ قوتیں اور طاقتیں اپنے اندر رکھتا ہے۔ کہ اگر ایک انسان  
 جتنا سید اور مہیہ کا تاج ہو کر حیوان کی طرح صرف خورد و نوش اور  
 مخلوق نفسانی میں غریب کر کے اس جو ہر بے بہا کو ضائع کر دے تو عالم  
 باہوت سے نکل کر محوت اور جبروت اور لاہوت تک پہنچ سکتا ہے۔  
 اور تمام جزویات عالم کے متفرق کمالات و خواص پر ایک دائرہ  
 کی طرح محیط ہو سکتا ہے۔ کیا کم از کم اس کا وجود بھی مستقل اور بدن  
 سے علیحدہ نہیں۔ اور بدن کی ایک خواص حالت کا صرف نتیجہ ہے!  
 غرض کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورہ عالیہ میں نفس انسانی اور پھر اس  
 کے عجیب و غریب خواص و صفات کا ثبوت دیا ہے۔ اور سورج۔  
 چاند۔ آسمان۔ زمین وغیرہ کے متفرق کمالات کی طرف توجہ دلا کر پھر  
 نفس انسانی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ کہ وہ ان سب کمالات  
 متفرقہ کا جامع ہے۔ اور جس حالت میں نفس انسانی ایسے اعلیٰ درجہ  
 کے صفات و کمالات پر پہنچا اپنے اندر موجود رکھتا ہے۔ جو اجرام  
 سماویہ و ارضیہ میں جداگانہ اور متفرق طور پر پائے جاتے ہیں۔ تو  
 کیا اس عظیم الشان اور متفرق کمالات کی جامع ہستی (روح انسانی)  
 کی نسبت کوئی شخص یہ دہم کر سکتا ہے۔ کہ وہ فی نفسہ کوئی شے  
 ہی نہیں۔ جو بدن کے طور پر مستقل رہ سکے۔ کیا ہو سکتا ہے۔ کہ جو  
 شے اپنی ذات میں ہی ہیں کچھ شے نہیں وہ تمام موجود بالذات  
 اور مستقل الوجود چیزوں کے خواص و کمالات اپنے اندر جمع رکھتی  
 ہو۔ غرض کہ اس سورہ طہ میں اللہ تعالیٰ حکیمانہ اسلوب پر روح انسانی  
 کے کمالات و خواص کو ظاہر فرماتا ہے۔ اور انسان روح کے وجود  
 و بقا کا ثبوت فلسفہ حق کی بنا پر دیتا ہے۔ چنانچہ سورج اور اسکی  
 روشنی کی قسم کھا کر نفس انسانی کے کمالات کو ظاہر فرمایا ہے  
 کہ انسان کمال کی فطرت میں معرفت الہی ہو خدا کی معرفت  
 کاملہ کا نور۔ اقرار ربوبیت کا نور۔ صریح کی طرح درخشاں  
 و تابان ہے۔ اور کہ انسان کمال کا نفس خدا تعالیٰ کے اہتمام  
 اور مکا شفہ اللہ کی روشنی کا جلوہ گر بن کر آفتاب کی طرح



سراسر نور۔ اور منظر نور بن جاتا ہے۔ اور حضرت اعلیٰ سے نور پاکر وہ نور دوسروں تک پہنچاتا ہے۔ غرنکہ نفس انسانی معرفت الہی اور کمالات غیر متناہی کا ایک آفتاب ہے۔

چاند کی قسم کھا کر نفس انسانی کی اسی خاصیت کو آشکار فرماتا ہے کہ جس طرح چاند سورج کی روشنی و استفادہ کرتا ہے۔ اسی طرح نفس انسانی ایک دوسرے کامل انسان سے نور معرفت کا استفادہ اور استفادہ کر سکتا ہے۔ لیکن چاند سے بڑا کہ۔ کیونکہ چاند تو کبھی اس نور کو پھر کبھی چھوڑ بھی دیتا ہے۔ مگر انسان کامل کبھی نہیں چھوڑتا۔

ان کی قسم کھا کر یہ ظاہر فرماتا ہے۔ کہ جس طرح وہ روشنی آفتاب کی نذیر اور نبودگری کا باعث ہے۔ اور دن کی روشنی میں تیار کیا اپنے کاروبار میں لگ جاتی ہے اور جنگلہ روزگاہا۔ گرم رہ جاتا ہے۔ اسی طرح انسان کامل اپنے تقیہ باطن اور تزکیہ نفس سے معرفت الہی کی روشنی اور علم حق کے نور کو وہ چند چمکاتا اور علوم اور معارف کی تمام راہوں کو بہ صفا و تمام دکھاتا۔ اور سالکان راہ حقیقت کو حقیقت نور معرفت کی راہوں پر چلاتا اور طالبان حق و معرفت کو اپنے کام پر لگاتا اور نور علی نور بناتا اور بناتا ہے۔

رات کی قسم کھا کر یہ ظاہر فرماتا ہے۔ کہ جب، طرح پر رات آفتاب کو چھپا دیتی ہے۔ اسی طرح انسان کامل بھی باوجود کمال تبشیر و انقطاع الی اللہ کے جو خدا کی طرف سے اس کو حاصل ہے۔ پھر تھوڑی دیر کے لئے نفس کی ظلمانی خواہشوں کی طرف متوجہ اور مشغول ہو جاتا ہے۔ جیسے کھانا۔ پینا۔ بال بچہ کی طرف معرفت ہونا اسباب معیشت بہم پہنچانا جو بظاہر نورانیت کے مخالفت اور ضد علوم ہوتے ہیں۔ لیکن نہ اس لئے کہ یہ تاریخی اس کو پسند ہے۔ بلکہ اس لئے کہ یہ بھی یہ ضد عقلانیت کی طرف سے حقوق ہیں۔ اور نیز اس لئے

کہ ریاضات روحانیہ سے کیسے قدر آرام پا کر تفریح طبع کے بعد پھر ریاضات  
 شگفتہ کسب کمال روحانیہ اور تلاش علوم حقہ میں مشغول ہو جاتا ہے۔  
 آسمان اور اجرام سماوی کی قسم کھا کر یہ ظاہر فرماتا ہے کہ جس  
 طرح آسمان کا پول انقدر وسیع اور کشادہ ہے۔ کہ کوئی چیز اسے گہیر  
 نہیں سکتی۔ اسی طرح انسان کمال کا نفس ناقص مائیت درجہ کی وسعت  
 اپنے اندر رکھتا ہے۔ اور غیر متناہیہ کمالات کے حاصل کرنے کی  
 پیاس اپنے اندر رکھتا ہے۔ اور اوجودیکہ اسکا پول معارف اور حق  
 کے ہزار ہا ستاروں سے بھر دیا جائے پھر بھی اس میں مزید اور مافوق  
 حق معرفت کا غور مار رہا ہے۔ اور آسمان کی قسم کہنے سے یہ بھی منکر  
 ہے۔ کہ جس طرح آسمان بند تمام روحانی و جسمانی فیوضات کا مینہ برساتا  
 ہے۔ اور ہر ایک حاجتمند کو اپنے سایہ کے تلے جگہ دیتا ہے۔ اس طرح  
 انسان کمال کے نفس کا حال ہے کہ وہ بھی۔ مانی پیاسوں کی پیاس  
 بجھاتا۔ اور آسمان کی طرح طبع کے فیوضات کے مینہ برساتا ہے۔  
 زمین کی قسم کہ یہ بات ظاہر فرمائی ہے کہ جس طرح پر عدد اول۔  
 اول درجہ کی زمین میں یہ خاصیت ہے کہ جب اس میں خوب ہر  
 چلایا جائے اور بیج بکھر اچھی طرح آبپاشی کی جائے تو وہ باقی فیوض  
 سے کئی گنے زیادہ اور عمدہ پھل لاتی ہے۔ اسی طرح انسان کو اس قدر  
 مجاہدات کی کوفت اور ریاضات کی قلبی رانی اور احکام انہی کی  
 تخم ریزی اور حقیقی کسان (ادی کمال) کو جو کہ کی آبپاشی سے عمار  
 صالحہ کے عمدہ سے عمدہ اور زیادہ سے زیادہ پھل لاتا ہے۔ اور دنیا  
 سامنے اٹھنے سے اچھے میوے روحانیت اور معارف الہیہ کے پیش  
 کرتا ہے۔

نفس انسانی کے یہ سب متفرقہ خواص و کمالات ظاہر فرما کر نفس  
 انسانی کے وجود کو ایسا بدیہی اثبات کر دکھایا ہے۔ کہ خود اسی  
 نفس ہی کی قسم کھا کر اس کے وجود کو اسکی ہستی کا شاہد۔  
 ٹھہرا کر آفتاب آمد دلیل آفتاب کا مصداق بنا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ  
 نے صریح کی معات سے لیکر زمین تک جو ہمارے رہنے کی جگہ ہے

سب چیزوں کے خواص قسموں کے پیرایہ میں بیان فرمائے ہیں  
 ہمارے وہ نفس انسانی کے ثبوت کے لئے قسم لینے بطور شاہد کا کام  
 چوں اور سب سے بعد مز کے اور مستوے اور کمال نفس کا ذکر فرمایا  
 تا معلوم ہو جائے کہ انسان کا نفس ان تمام کمالات متفرقہ کا جامع  
 ہے۔ جو پہلی چیزوں میں جتنی قسمیں کھائی گئی ہیں۔ جداگانہ طور پر  
 پائی جاتی ہیں اور جمعیت کمالات کے لحاظ سے وہ عالم کبیر کی ایک  
 کسی تصویر لینے عالم صغیر میں۔

نفس انسانی کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے روح انسانی کا یہ  
 خاص بھی بیان فرمایا۔ جو اللہ تعالیٰ نے اس میں ڈالا۔ (قالہمہا  
 نفوسہا) (زلقوا لہا) جس کے ذریعہ سے وہ بدی اور نیکی کا  
 شعور رکھتا اور نیکی کے کرنے پر بالطبع خوش ہوتا اور بدی کے  
 کرنے پر اسے طبعاً اُسے ندامت اور سزا لاحق ہوتی ہے۔ اور  
 اس کا بھی بدی پر اسکو لامت کرتا ہے۔ حقیقت میں روح انسانی  
 کا یہ خاصہ جسے انگریزی میں کانشنس اور عربی میں ضمیر کہتے ہیں  
 بڑی قوم کے لائق ہے۔ انسان جب کوئی کام بدی کا کرنے لگتا  
 ہے۔ جب کبھی فطرت کا قانون توڑتا ہے۔ مگر اس کا ضمیر اسکو ملامت  
 کرتا اور زور کے ساتھ اس سے چپنے کے لئے ہدایت کرتا ہے  
 انسان کا یہ خاصہ ظاہر کر رہا ہے۔ کہ انسان خاص خاص قواعد فطرت  
 (قوانین شریعت) کا پابند ہے۔ مطلق اعلان اور شتر بے مہار نہیں  
 اچھی تو اسکا ضمیر مادہ اعتدال سے بڑھ جائے اور فطرت یا شریعت  
 کا ردل توڑنے پر اس کو ملامت کرتا اور قانون فطرت کی پابندی  
 میں خوش ہوتا ہے۔

نفس انسانی کے کمالات اور اس کے وجود کے اثبات کے بعد اللہ  
 تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ نفس انسانی ان سب کمالات متفرقہ و خواص  
 متنوعہ کے حامل کرنے کی استعداد رکھتا ہے۔ و نفس کما سواک۔ اللہ  
 تعالیٰ نے نفس انسانی اس قابل بنایا ہے کہ وہ عالم کبیر کے کمالات  
 اپنے اندر جمع کرے۔ لیکن جو شخص اپنے نفس کو خواہشات نفسانی میں

کھاڑ دے اور سفلی زندگی سے پیار کرنے لگ جائے۔ وہ ان کمالات  
معالیہ و مراتب سینہ کے حصول سے محروم رہ کر ہیشہ کے لئے غائب  
و غایب ہو جاتا ہے جو شخص سنت اللہ کے موافق تزکیہ نفس کی طرف  
متوجہ ہو کر ان کمالات کے حاصل کرنے کیلئے لگ و دو کرتا ہے۔ اللہ  
تعالیٰ بھی اس پر سلوک کی ساری راہیں بہ صفائی کھول دیتا ہے۔  
اور ان سب کمالات متفرقہ کا اس کو جامع بنا دیتا ہے۔ اور وہ  
ہمیشہ کے لئے روحانی غلات و صلاح حاصل کر لیتا ہے۔ **وقل  
افلم من زکھا۔**

حکم حقیقی نے نفس انسانی کو پیدا کر کے ظلمت اور نور انیت فجور  
اور تقویٰ کی دونوں راہیں اُس پر کھول رکھی ہیں۔ بد کام بہ اسکا  
ضمیر اسکو متنبہ کرتا اور نیک کام پر اس کو ایک روحانی لذت اور  
سرور بخشتا ہے۔ پس اگر وہ اپنے نفس امارہ کو شہوات نفسانی میں  
امعقد رگاڑ دے کہ اس کا نفس اس کو ظلمت کرنا چوڑ دے۔ اور  
نفس لواہہ اپنے فرض منصبی کے ادا کرنے سے رو چکے۔ تو اب یہ آدمی  
ظلمت اور معصیت اختیار کرتے کرتے شب دیگور کی طرح سرانظر ظلمت  
(ظلمات بعضها فوق بعض) بن جاتا ہے۔ بڑے ہی جلیس اور ہم صحبت  
اس کو پسند آتے ہیں۔ اور اسکی بد طبیعت ہی کے موافق بدکاری اور  
فسق و فجور ہی کے اہامات اس کو ہوتے رہتے ہیں۔ اور بدکاری اور  
بد چلنی ہی کے خیالات اسکو سوچتے رہتے ہیں۔ فسق و فجور طبیعت  
ثانیہ ہو کر بدکاری اور معصیت میں وہ گڑا جاتا ہے۔ **وقل  
خاب من دشہبا۔**

لیکن اگر وہ نفس لواہہ کی ہدایت کے موافق برے کاموں سے  
اجتناب کرتا جاتا ہے اور تقویٰ اور طہارت کا نورانی راستہ  
اختیار کر لیتا ہے۔ تو یہ شخص معرفت اور اخلاق حسنہ کی روشنی  
سے منور ہو کر روز روشن کی طرح نورانی بن جاتا ہے۔ اور اسکا  
نفس لواہہ مطمئنہ سے بدل جاتا ہے۔ تاریکیوں سے بالطبع دشمنی  
اور نفرت رکھتا ہے۔ اور نیک کاموں کی طرف آپ سے آپ

دور اجاتا ہے۔ ایک ہی جلیس اور ہم محبت اسکو پسند کرتے ہیں۔  
 نیک خیالات اسکو پسند ہیں۔ وہ سورج کی طرح معرفت الہی کی روشنی اور کوجہ  
 الہیہ اللہ کی گرمی اپنے دل میں رکھتا ہے۔

چاند کی طرح حضرت اعلیٰ سے اعلیٰ الہامات عامہ کا نور نیا ہے اور  
 دوسروں کو فیض پہنچاتا ہے۔

دن کی طرح روشنی اور نورانی بن کر لوگوں کو خوف الہی اور سلوک  
 الہی راہیں دکھاتا ہے۔

رات کی طرح ہر ایک فقور دار اور ضعیف کی پردہ پوشی کرتا ہے اور  
 سکے ماندوں کو آرام پہنچاتا ہے۔

آسمان کی طرح ہر ایک حاجت مند کو اپنے سایہ تلے جگہ دیتا ہے اور دنیا  
 میں اپنے فیض کی بارشیں برساتا ہے۔

زمین کی طرح کمال انکسار سے ہر ایک آزمائش اور خدمت کے لئے بطور  
 فرش کے ہو جاتا ہے۔ اور سب کو اپنی کنار عاطفت میں پالتا ہے۔

اور طرح طرح کے روحانی میوے اُس کے لئے پیش کرتا ہے۔ حق اللہ  
 اور حق العباد کو کمال کے نقطہ تک پہنچاتا ہے۔ خدا میں محو ہوتا اور مخلوق

خدا کا سچا خادم بن جاتا ہے۔

لیکن اُس شخص کا حال اور مثال جس نے اپنے نفس کو خواہشات  
 نفسانی کے چبھے دبایا ہے۔ اور جن کمالات کے حاصل کرنے کی

اسکو استعدادیں دی گئی تھیں اُن کے حاصل کرنے میں کوشش  
 نہ کی اور گندی اور نا پاک زندگی بسر کر کے واپس چلا گیا۔ قوم خود

اسی طرح ہے۔ جس نے بوجہ اپنے طغیان اور سرکشی کے اُس زمانہ  
 کے نبی حضرت صالح کو جھٹلایا اور اس کی تکذیب کے لئے ایک

بڑا بد بخت پیش قدم ہوا۔ کئی بت خود بطخوھا ۱۵۱  
 نبیعت اشتقا۔

اُس دقت کے رسول نے نصیحت کے طور پر انہیں بہتیرا  
 سمجھایا مگر نافذ اللہ یعنی خدا تعالیٰ کی اذنی اور اُس کے پیچھے سے

معرض سے مروہ اور اہوں سے مرہا اور اوی سے پاؤں اور  
 تو اُس جرم کی شامت سے اللہ تعالیٰ نے اُن کو تباہ اور بیکار  
 کر کے اُن کا صفایا کر دیا اور اس بات کی کچھ بھی پرواہ نہ کی کہ اُنکی  
 مرنیکے بند انکی بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں اور بیس عیاں بیکار  
 حال ہوگا۔ نقل تھم رسول اللہ ﷺ ثاقۃ اللہ وسقیہا  
 فکذلک وہ فقروہا فند مدم علیہم رہم بذہم نسوہا  
 ولا یخاف عقبہا۔

اس لطیف بیان میں اللہ تعالیٰ نے نفس انسان کو ثاقۃ اللہ  
 سے مشابہت دیکر یہ فرمایا ہے۔ کہ انسان کا نفس بھی یہ ثاقۃ  
 کا حکم رکھتا ہے۔ اور اس غرض کے لئے خلق کیا گیا ہے کہ وہ خدا  
 کی ادنیٰ کا کام دے۔ انسان کی توجہ الی اللہ ہونے کی  
 حالت میں خدا سے پاک اپنی پاک تجلی کے ساتھ اس پر صواب  
 ہو۔ اپنی تجلیات خاصہ کا اُس کو مرکوب و جلود گاہ بنائے اور  
 کہ اس ادنیٰ کا پاتی خدا تعالیٰ کی محبت اور معرفت ہے جس  
 سے وہ جیتی ہے۔

لیکن نفس پرست لوگ اس ادنیٰ کو خواہشات کے بوجھ کے  
 باتے اور زمین میں گڑتے۔ اس کو اس کے سقی سے محروم رکھتے  
 وہ خدا تعالیٰ کی محبت اور معرفت کے چشمہ کے قریب آنے  
 نہیں دیتے۔ جس پر اس ناقہ کی زندگی موقوف ہے۔ اور نہ ہون  
 دیتے۔ بلکہ اُس کے پیر کاٹنے کی ندر میں مصروف ہیں۔ تاکہ  
 وہ خدا تعالیٰ کی معرفت کی رہوں۔ پر چٹنے سے بالکل رہ جائے۔

سو اس سورہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ سمجھایا ہے کہ اگر یہ لوگ  
 کی زندگی کا پانی (معرفت الہی کا راحیہ) اوس نفس کی  
 ادنیٰ پر بند نہ کریں اور اپنی بیجا خواہشوں اور سرکشوں کے  
 تبریز سے اُس کے پاؤں نہ کاٹیں۔ تو وہ ادنیٰ تجلیات الہی  
 کا منظر اور جلود گاہ بن جائے گی۔ اور اگر اس ادنیٰ کو محبت  
 اور معرفت کے چشمہ سے بند کر رکھیں گے اور خواہشات نفسانی







ایک محسن علیہ کا محسن کی طرف۔ منعم علیہ کا منعم کی طرف  
 مستفیض کا فیاض کی طرف۔ روح کو تکلیف نہیں ہو سکتی جبکہ  
 تک کہ وہ اپنے پیار سے اللہ کو اپنا رب اور فیاض اور پیدا  
 فیض قرار نہ دے لے۔ روح میں تسبیح فطری خاصہ رجسٹر  
 خدا تعالیٰ کی پاک کتاب ہے۔ السمت بد بکھم قالوا بلی  
 میں ظاہر کیا۔ جب تک روح خدا تعالیٰ کی مخلوق و مرئوب اور  
 اپنے وجود و بقا میں اسکی محتاج اور دست نگر نہ ہو ہو نہیں  
 سکتا۔ روح میں آپ سے آپ یہ کرم اور گن اور سبھاؤ کہاں  
 سے آگئے۔ جو خدا تعالیٰ کی صفات کے ظہور کے لئے ٹھیک بطور  
 ایک آئینہ شہادہ کے ہیں۔ آپ سے آپ ہونے والی چیز دوسرے  
 کے صفات کے اظہار کے لئے ٹھیک آئینہ نہیں ہو سکتی۔ نہ دوسرے  
 کی مرضی کے تابع نہ کسی امر میں اسکی محتاج اور دست نگر۔ روح  
 کا صفات اسی کا نقل اور منظر کامل ہونا اپنے صفات کے اظہار۔  
 میں دوسرے کا محتاج ہونا دوسرے کی مرضی کے تابع اسکی حکومت  
 کو تسلیم کرنا والا۔ اس کے حکموں کا جو گردن چور کھنے والا ہونا۔  
 یہ سب باتیں ایک عقل مند آدمی کیلئے جسکا استدلال صحیح منطوق  
 پر ہو۔ بدیہی ثبوت ہیں۔ روح کے حادث اور مخلوق ابھی ہونے  
 پر علت اسللی اور مبدی کل کا وجود تسلیم کر لینے بعد کسی دوسری  
 علت کا وجود ایسا ہو نہیں سکتا جو اپنے وجود و بقا اور قیام میں  
 علت دے کا محتاج اور دست نگر نہ ہو۔ قیوم عالمین صرف  
 اللہ ہی ہے۔ اور باقی تمام چیزیں اسکی مخلوق و مرئوب وجود و  
 بقا میں اسکی محتاج۔ اسکی قدرت کاملہ کا نقش۔ حکمت باندہ کا  
 اثر اللہ تعالیٰ کے طور علیہ جو اسکی قدرت و حکمت و اللہ کا  
 نقش ظہور پر پڑ گئے ہیں اور ٹھیک ٹھیک اسکی مرضی کے تابع بطور  
 اور اسکی آواز کو برداشت سنتے ہیں۔

ارواح کے حادث کر ایک بڑی دین ہے بھی ہے کہ اگر روح  
 کو اللہ تعالیٰ کا مخلوق نہ سمجھیں۔ بلکہ تمام ارواح کو مع ان کے

جمیع عجیب و غریب سہاؤ اور گن اور خوانی اور صفات کے  
 بغیر پیدا کرنے کسی پیدا کنندہ کے سمجھ میں۔ جن کے وجود میں خدا  
 کا ہاتھ بھی نہیں لگا۔ بلکہ وہ سب کی سب خود بخود خدا کی  
 طرح قدیم سے اپنے گن اور سہاؤ کے ساتھ موجود ہیں۔ تو پھر خدا کے  
 وجود پر کوئی بھی دلیل نہیں رہتی۔ اسی لئے کہ خدا تعالیٰ کی ہستی  
 کا ثبوت اسی سے ہوتا ہے کہ وہ علت اصل۔ مبدی کل۔ سب  
 فیوضات کا منبع ہے۔ اور کوئی وجود ایسا نہیں جو اس کے احاطہ  
 خالقیت سے باہر ہو۔ جب کہ وہ خدا وجود دنیا میں ایسے خود بخود  
 نکل آئے۔ جو خدا کی طرح اپنے وجود میں واجب۔ اپنے وجود  
 کے بقا قیام میں خدا سے بے نیاز۔ غیر مخلوق اور نامادی ہیں۔  
 جبکہ خدا کا ہاتھ بھی نہیں لگا۔ تو پھر اس بات کے لئے کوئی  
 دلیل نہیں رہتی کہ مادہ و روح کو باہم ترکیب دینے کے لئے ضرور  
 خدا کی حاجت ہے۔ کیونکہ شیا کا باہم ترکیب دنیا کوئی بڑا  
 کام نہیں۔ جس کے لئے خدا کی حاجت ہو۔ اسرار کا پیدا کرنا  
 اور ایجاد ہی بڑا کام ہے۔ جس سے خدا شناخت کیا جاتا ہے  
 جو عقل یہ تجویز کر سکتی ہے کہ مادہ اور ارواح اپنی ذات گن  
 سہاؤ سے آپ سے آپ موجود ہیں۔ اور اپنی پیدایش میں  
 خدا کی حاجت نہیں رکھتے۔ وہ بآسانی اس بات کو مان سکتے  
 ہیں کہ دنیا کا انتظام بھی نیچر کے موافق خود بخود چلا جا رہا ہے  
 اس کے چلانے کے لئے کسی خدا کی حاجت نہیں ہے۔ جسے کہ  
 ارواح کا خود بخود وجود خدا کے احاطہ خالقیت سے باہر۔ ناکو  
 طرح پر اس خالق برحق اور مبدی کل کی ضرورت باقی نہیں چھوڑتا  
 اور علانیہ دھرتی کا رہنا ہے۔  
 اب ہم روحوں کے مخلوق ہونے پر شکل اول جو برہم تاج  
 دریافت طلب ہے بنا کر دکھاتے ہیں۔ اسی پر غور کرنے سے  
 صاف ظاہر ہو جائے گا کہ ارواح خدا تعالیٰ کی مخلوق ہیں نہ قدیم  
 اور اپنی ذات سے موجود۔

# منطق کی پہلی شکل

موجودات عالم میں سے روہیں ایسی چیزیں ہیں۔ جن میں ہزار عجائب قدرت و حکمت پائے جاتے ہیں۔ اور کل ایسی چیزیں عالم کی چیزوں میں سے جن میں عجائب قدرت و حکمت پائے جاتے ہیں۔ اُن کا ایک موجد کامل و قادر و حکیم ہونا ضروری ہے۔ نتیجہ یہ نظر کہ روہوں کا ایک موجد قادر کامل و حکیم ہونا ضروری ہے۔

ثبوت صغریٰ کا یعنی اس بات کا کہ موجودات عالم میں سے روہیں ایسی چیزیں ہیں جن میں ہزار عجائب قدرت و حکمت پائے جاتے ہیں۔ اس طرح پر ہوتا ہے۔ کہ نفیض اس کی یعنی کہ روہوں میں کوئی ایسا بہ قدرت و حکمت کا پایا نہیں جاتا۔ بدیہی ابطال ہے۔ اور دنیا کی ذی علم قوموں میں سے کوئی قوم بھی اس بات کی تائید نہیں کرے۔ ارح عجائبات قدرت و صنعت الہی سے خالی ہیں۔ بلکہ علم الہیات کے جاننے والے اس باریک صداقت تک پہنچ گئے ہیں۔ کہ دنیا کی تمام مخلوقات میں جو خواص متفرقہ ہیں وہ سب روہوں کے وجود میں یکجا و طور پر پائے جاتے ہیں۔ پس صغریٰ اس شکل کا نہایت بین الثبوت ہے۔

ثبوت کبیری کا یعنی اس قبضہ کا جو کل ایسی چیزیں عالم کی چیزوں میں سے ہیں جن میں ہزار عجائب قدرت و حکمت پائے جاتے ہیں۔ اُن کا ایک موجد کامل و حکیم ہونا ضروری ہے۔ اس طرح پر ہے کہ اگر بعض چیزیں عالم کی چیزوں میں سے ہیں جو عجائب قدرت و حکمت سے بھرپور ہیں۔ جن کا موجد ہونا ضروری نہیں ہے۔ تو سب کے موجد کی طرف سے یہ ثابت ہو گیا۔ کہ سب کے موجد کا ایک موجد کامل و حکیم ہونا ضروری ہے۔



وجود پر دلالت کرتی ہے۔ سو اسی دلیل سے روحوں کی مخلوقیت صرف نظری طور پر ہی ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ حقیقتِ اعلیٰ بدیہات سے ہے۔

پہرہ روح کے حدوث پر ایک بڑی دلیل یہ ہے۔ کہ اگر روحیں خدا تعالیٰ کی پیدائی ہوئی نہیں۔ تو کچھ ضروری نہیں تھا۔ کہ خدا تعالیٰ کو روح کی ذات و صفات کا علم کاملترین درجہ پر ہوتا۔ بلکہ خدا تعالیٰ کو روح کے بارہ میں ناقص علم کا ہونا بھی فرد کا خلیہ تھا۔ اور اس پر کوئی دلیل نہیں۔ کہ کیوں ضرور ہے کہ خدا تعالیٰ کو اس چیز کا کامل درجہ پر یا کسی حد تک علم ہو۔ جو اس کے دست قدرت سے نکلی ہوئی نہیں۔ نہ اس نے بنائی نہ کسی کو بناتے دیکھا۔ بلکہ ہمیشہ اس کی طرح واجب بالذات اور قدیم سے چلی آتی ہے۔ اور اپنے وجود کے قیام و بقا میں ذرا بھی اسکی محتاج نہیں نہ اس کو کوئی نہ تم یا منفعت عطا ہی ہے۔

البتہ اس کو کامل اور مکمل درجہ کا علم اس چیز کی بابت ہو سکتا ہے۔ جو وجود میں اس سے متاخر اور اسی کی پیدائی ہوئی ہو اور وہ اس چیز کی مبداء اور علت اولیٰ ہو۔ جو چیز وجود ذاتی میں اس کی طرح مستقل اور قائم بالذات ہے۔ اس کے بارہ میں ضرور نہیں۔ کہ خواہ مخواہ اللہ تعالیٰ کو کامل بلکہ ناقص درجہ کا بھی علم ہو۔

پھر روحوں میں جو جسم کے ساتھ تعلق قبول کر نیکا خاصہ ہے۔ وہ سب جسم کے ساتھ بلا نفرت و کرہیت ایسے طبعی طور پر تعلق پکڑ لیتی ہیں۔ جیسے ایک محب محبوب کے ساتھ ایک عاشق اپنے معشوق کے ساتھ جس تعلق و تعلق و تعلق پر چوڑنا اور انفارقت اختیار کرنا ان پر باطریق نہایت شاق اور ناگوار گزرتا ہے۔ حالانکہ ظاہر و مادہ و ادراج کو، نسبت کی طرف دیکھا جائے۔ تو ان میں کسی قسم کی مناسبت نظر نہیں آتی۔ اور ادراج میں اس خاصہ کا ہونا بھی بدیہی ثبوت اس بات کا ہے۔ کہ ارواح

کو خدا تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے اگر وہیں اتفاقی ہوتیں۔ اور  
 کوئی اُن کا پیدا کرنے والا نہ ہوتا تو کیا ضرور تھا کہ مادی جسم پر  
 روہ اس طرح عاشق ہوتی۔ در دونوں اس طرح باہم مایہ کرتیں۔ یا  
 سب ارواح میں یکساں صفات و خواص ہوتے۔ اور ان بے شمار  
 اور کروڑ ہا ارواح میں سے کوئی بھی ایسی روح نہ پائی جاتی۔  
 جو سب سے تعلق باجسم سے خالی اور کس کے برعکس ہوتی۔ اور  
 اور مادہ میں یہ تعلق۔ اور قسم کا خاصہ ضرور کسی حکیم مطلق خالق برحق  
 کی طرف سے ہے جو اُس کے ارادہ۔ اور اختیار سے ڈالا گیا ہے  
 جس کی وجہ سے دنیا کا نظام درست اور انتظام ٹھیک طور پر  
 چل رہا ہے۔ اور یہ امر ارواح کے مخلوق الہی ہونے کی ایک  
 زبردست دلیل ہے۔

پھر یہ کہ یہ سب ارواح ابدان مختلفہ میں آکر خاص خاص  
 استعدادوں اور طاقتوں میں محدود و مخصوص ہو گئی ہیں۔ جیسا  
 کہ بنی آدم کے اختلاف روحانی حالات و استعدادات پر نظر  
 کر کے فہم میں اشمس ہے۔ چہ روح کا وجود بھی محدود اور انسانی  
 جسم کے اندر مستقیم ہے۔ روح میں یہ بدیہ آپ سے آپ یکے  
 ہو سکتی ہے۔ جب تک کہ اس کا کوئی محدود نہ ہو۔ جس سے  
 محدود کی ضرورت ثابت ہو کر روح کا حدوث صاف ثابت  
 ہوتا ہے۔

اس سے سو یہ بات بھی کسی دلیل کی محتاج نہیں کہ تمام ارواح  
 عجز و امتیاز کے دغ سے آلودہ ہیں اور اپنی تکمیل اور  
 بقا کے لئے ایک ایسی بات کی محتاج ہیں۔ جو کامل۔ قادر  
 عالم۔ تبارک و تعالیٰ۔ مطلق۔ ربی۔ برتر۔ کو قبول۔ اور  
 آپ۔ قسم کے عیب و نقص سے پاک ہو۔ اور ارواح کا یہ  
 حقیقت و عجز و حضرت اللہ کی مخلوقیت کا بدیہ ثابت  
 اور خدا تعالیٰ کے خالق و روح ہونے کا بدیہ ثابت کر رہا  
 ہے۔ پھر جس طرح بیٹے میں ماں اور باپ کا بدیہ عجز و خضوع

پائی جاتی ہے۔ اسی طرح ہماری روحیں جو خدا تعالیٰ کے آقا بنے ہوئے ہیں  
اپنے صانع کی بہت سے کچھ خدمت سے کچھ حصہ رکھتی ہیں اگرچہ بشریت  
کی غفلت و غفلت غالب ہو جانے کی وجہ سے بعض نقوش میں وضوح  
ابھی کا کچھ پیکا سا ہو جاتا ہے۔ لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ ہر ایک  
روح کسی قدر وہ رنگ اپنے اندر رکھتی ہے کہ بعض نقوش میں اور رنگ  
بد استعمال کی وجہ سے بدنام معلوم ہوتا ہے۔ مگر یہ اس رنگ کا تصور  
نہیں۔ بلکہ طریقہ استعمال کا قصور ہے۔ انسان کی اصلی قوتوں میں سے  
کوئی بھی بدی نہیں۔ صرف بد استعمال سے ایک نیک قوت بُری  
معلوم ہونے لگتی ہے۔ اگر بُری قوت اپنے موقع پر استعمال کی جائے  
تو سراپا نیک زبان اور خیر محض ہے۔ حقیقت میں انسان کو جس قدر  
قوتیں دی گئی ہیں۔ وہ سب ابھی قوتوں کے اظہار و آثار ہیں جیسے بیٹے  
مکی صحت میں کچھ کچھ باپ کے نقوش آجاتے ہیں۔ ایسا ہی ہماری  
روحوں میں اپنے رب کے نقوش اور اسکی صفات کے آثار آجائے  
ہیں۔ بلکہ عارف لوگ خوب شناخت کرتے ہیں۔ جس طرح بیٹا جو باپ  
سے نکلتا ہے۔ اسی سے طبعی محبت رکھتا ہے نہ بناوٹی۔ اسی طرح ہم  
بھی جو اپنے رب کے ہاتھ سے نکلے ہیں اور اسی کے مخلوق و  
مربوب ہیں۔ اسی سے فی الحقیقت طبعی محبت رکھتے ہیں نہ بناوٹی  
اگر ہماری روحوں کو اپنے رب سے یہ فطری و طبعی تعلق نہ ہوتا  
تو روح ہمیشہ سے علیحدہ چلی آئی ہوتی تو پھر ہمارا تعلق خدا سے  
کچھ نہ ہوتا۔ نہ سالکین کو اس تک پہنچنے کی کوئی اور صورت اور  
سبیل تھی۔ بلکہ یہ تو یہ ہے کہ اگر ہماری روحیں ہمیشہ سے آپ سے آپ  
چلی آئیں اور خدا کے دست قدرت نکلی ہوئی نہ ہوتیں۔ اور آپ نے  
ابھی رنگ نہ چڑھا ہوا ہوتا تو کبھی خدا کی طرف میلان تک ظاہر  
نہ کرتیں نہ اسی کے رنگ سے رنگین ہوتیں نہ اسکی ربوبیت کا دم  
پر تیں اور چیزوں کو اپنی مخلوقیت کا علم نہیں۔ روحیں ہیں۔ جو  
اپنے رب کا اقرار کرتیں اور تالو بی بکار ہیں اور فطری طور پر  
اپنی مخلوقیت کا علم رکھتی ہیں۔ ایک جنگلی آدمی کی۔ حق بھی اہات

یہ سب کچھ ہو سکتی کہ وہ خود بخود ہے۔ اس کی طرف اشارہ ہے کہ  
 طبیعت ہو بلکہ قاتل و ابلی۔ یہ سوال و جواب حقیقت میں اس پر ہوتا  
 ہے۔ لاف افارہ ہے جو حقوق اپنے خالق سے قدرتی لحاظ پر محقق ہے  
 جس کی شہادت زوہوں کی ظلمت میں نقش کی گئی ہے۔ قلب ہے کہ  
 اس چیز کو جو اپنی مخلوقیت کا صاف اقرار کر رہی ہے اور یہاں  
 خدا کو ثابت ثابت کہہ کر پکار رہی ہے۔ خدا کی مخلوقیت سے  
 باہر رکھا جاوے۔

پھر روح کے حدوث اور تنازع کے بلان پہ ایک اور دلیل ہے کہ  
 اگر روح حادث نہ ہو اور خالق سے روح کو خلق اور ایجاد نہ  
 کہ سکے تو اس میں یہ مشکل پڑیگی کہ فرض کرو کہ آٹھ کی رات ہزار  
 اشخاص کی عورات کو عمل ہو گیا۔ اب جس وقت یہ نطفہ افاض  
 روح کے قابل ہو جائیگا۔ فرض ہے کہ اگر نطفے کی طرف سے دلہن  
 افاض روح ہو۔ مگر ممکن ہے کہ ابھی تک کسی روح سے اپنی سزا  
 جزا بھگت کر پچھلے قالب کو نہ چھوڑا ہو تو اب مشکل یہ پڑ جائیگی  
 کہ اس میں افاض روح کہاں سے ہو۔ کیونکہ روح تو کوئی ذرہ  
 موجود نہیں۔ پس اب ضرور ہے کہ ان میں سے کسی عمل کو برس  
 دن کسی کو دو برس تک کسی کو۔ ۱۰ برس تک جب تک کہ کوئی  
 روح پچھلے قالب سے جدا نہ ہو ملتی کرنا پڑے بلکہ بہت سے عملوں  
 کو ساقط کرنا پڑے۔ غرض کہ اگر تنازع صحیح ہے تو اظہار اور غلط  
 ہی مقررہ میعاد عمل کبھی باقاعدہ نہیں رہ سکتی۔ بلکہ ہمیشہ اس میں  
 اختلاف و اختلاف پڑتا جاوے۔

اور اس میں بڑی وقت یہ ہے کہ اگر ایک روح کو فرض کریں  
 کہ نہایت مصیبت زدہ قالب شاہی قالب میں ڈالنا ہے۔ مگر  
 اس حال میں والدین کے ان آن کے ساتھ جنم کے عوض میں اس  
 قسم کا بچہ پیدا کر نیکو موقع نہیں۔ تو ایسی حالت میں آ رہا ہے  
 جسے آپس کو بڑی وقت واقع ہو گی۔ اور فرض کرو کہ لاکھ سال  
 تک کسی کے ان دیباچے پیدا نہ ہو سکتا۔ تو لاکھ سال تک



بعض پر عمل اور کچھ کچھ کچھ - جس بات کا حوالہ دیتے ہیں  
 کے جسم میں ایک عقیدہ وقت کے بعد روح کا پڑنا ہونے کے حدیث کا  
 یہاں جوت ہے۔

## روح کے خواص صفات اور افعال

روح کے صفات میں سے ہے کہ وہ مدرک بالاثبات ہے اور  
 اپنے آپ اور اپنے رب اور خالق کو پہچانتی ہے - جیسا کہ اللہ تعالیٰ  
 کے اس کلام سے ظاہر ہے - کہ است برکم قالوا بلی -  
 (۱) روح مرنے پر بدن اور حافظ ترکیب بدن ہے اور متصرف بالآلات  
 جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس کلام سے ظاہر ہے کہ قتل المرحوم من امر لربہ  
 تو کہ وہ ہے کہ روح میرے رب کا ایک امر ہے جو اس کے ارادہ و حکم  
 قدرت سے نقش ظہور پکڑ کر بدن کیلئے اس کی صفت ربوبیت  
 کا منظر بن گیا ہے - کہ اسی کے وجود سے بدن کا وجود و قیام ہے - وہ  
 جن میں نہ ہو تو جسم مٹی کا مٹی ہے -

روح میں کام کرنے کی طاقت اور افعال کے صدور کا اختیار  
 رکھتی ہے - روح سے افعال اس طرح ظہور پذیر ہوتے ہیں کہ ابتداء  
 روح انسانی میں ارادہ پیدا ہوتا ہے - جس کا اثر دل پر ظاہر ہوتا  
 ہے - پھر روح حیوانی کے وسیلہ سے کہ وہ بخار لطیف دل کے درمیان  
 سے سراسر کہ گئے دماغ کو پہنچتا ہے - پھر دماغ سے چشموں کی  
 طرف جاتا ہے جو دماغ سے خارج ہیں - پھر چشموں سے اوتار اور بظاہر  
 کی طرف جاتا ہے جو عضلات سے متعلق ہیں - پھر اس سے اوتار  
 کہیں جاتے ہیں - تو اس سے انگلیاں حرکت کرتی ہیں اور انگلیوں  
 سے مثلاً قلم کو حرکت ہوتی ہے - اور قلم سے سیاہی کو تو سیاہی سے  
 کاغذ پر جس صورت کے کہنے کا ارادہ کیا تھا - وہ صورت دیسی  
 ہی کہیں جاتی ہے - جیسا کہ خرد اندہ خیال میں متصور تھی - کیونکہ  
 پہلے کہ کتاب کی صورت اول خیال میں متصور نہ ہو - کاغذ

اس کا کھٹا ممکن نہیں۔ اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ کو سمجھنا اور اس کے پیدا کرنے کی کیفیت میں خود کیا کوتاہیاں اور حیوانات کو آسمان اور ستاروں کی حرکت سے پیدا کیا اور آسمان اور ستاروں کو ملائکہ سے حرکت دلائی تو جان لے گا کہ انسان کا تعارف عالم اصغر یعنی بدن میں ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ جان کا تعارف عالم الکبر یعنی اور معلوم کریگا کہ انسان کا دل پر تعارف اس کے تعارف کے بنزلہ عرش کے ہے اور دماغ بنزلہ کرسی کے اور خواص بنزلہ ملائکہ کے جو ہر طرح اللہ تعالیٰ کے مطیع ہیں اور ان کی جبلی عادت خدا کی اطاعت ہے اور خلافت امر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور چٹھے اور اعضاء انسان کے بنزلہ آسمانوں کے ہیں اور انگلیوں کی طرف بنزلہ طبیعت کے ہے۔ جو جسموں میں گرہ پی ہوئی اور جمعی ہوئی ہے اور سیارہ بنزلہ عناصر کے ہے۔ کہ جمع اور ترکیب و تفریق کے لئے۔ اصل میں۔ اور انسان کے خیال کا خزانہ بنزلہ لوح محفوظ ہے۔ غرض کہ انسان ایک عالم کبیر کا نوٹو ہے۔ کہ جس طرح خدائے تعالیٰ قیوم عالمین۔ عالم کبیر میں تعارف کرتا ہے۔ اسی طرح انسان خدا تعالیٰ کا منظر ہو کہ عالم صغیر میں تعارف کرتا ہے۔

(۴) روح کے خواص میں ہے کہ اپنے رب کا ظل اور صفات الہی کا منظر ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ حی۔ قادر۔ سمیع۔ بصیر۔ متکلم وغیرہ صفات سے موصوف ہے۔ اسی طرح روح انسان بھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ واذ قال ربہٗ لا ملئکۃ الا فی جا علی فی الارض خلیفہ۔ پس انسان خدا کا خلیفہ۔ زمین میں اس کا نائب۔ اسکی صفات کاملہ کا منظر اور خلافت خلافت سے متعلق ہے۔ اشیاء و مناسب مشاؤون کے ساتھ پہچانی جاتی ہیں۔ اگر انسان میں یہ صفات نہ ہوں تو انسان اپنی معرفت سے اپنے خالق کی ذات و صفات کی معرفت کی طرف پہنچتا نہ اس کو پہچان سکتا۔ نہ اسکی

معرفت میں ترقی کر سکتا۔ انسان کو جو اللہ تعالیٰ اپنے عالم کبیر  
کی کسی تصویر بناتا ہے۔ وہ اسباب میں بمنزلہ خدا کے تصور  
ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ انسان کو اس وضع اور صورت کا نہ بناتا  
تو وہ صفات الہی جیسے قوت۔ ربوبیت۔ فعل۔ علم۔ قدرت  
و غیرہ کو نہ پہچانتا اب فعل انسانی اپنی علامت کے اپنے  
خلاق کی معرفت کا یقیناً آئینہ ہے۔ جس سے صفات الہی  
جذہ گر ہو رہی ہے۔

اب ہم سورج کے خواص و صفات اور اس میں جو عجیب  
قسم کی طاقتیں اور استعدادیں پائی جاتی ہیں۔ جسکو قرآن  
شریف میں اللہ تعالیٰ نے متفرق مقامات میں بڑی تفصیل  
کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ ایک جگہ نمبر دار اجمالی طور پر  
یہاں بیان کرتے ہیں۔ تفصیل دار رسالہ حدوث مادہ فرج  
میں بیان کریں گے۔

۱) اجسام کے ساتھ متعلق ہونے کی طاقت۔

۲) اجسام میں قوت کرنے کی طاقت میں۔

۳) اپنے تئیں پہچاننے کی صفت۔

۴) اپنے مربی و مالک کو پہچاننے (معرفت الہی) کی صفت۔

۵) اپنے ارادہ اور اختیار سے کسی کام کو کرنے کا ارادہ

اور طاقت۔

۶) علوم اور سلاط کی طرف شائق ہونے کی قوت۔

۷) قسم قسم کے علوم کو حاصل کرنے کی قوت۔

۸) علوم حاصل کردہ کو محفوظ رکھنے کی طاقت۔

۹) نئے علوم اور امور کو ایجاد کی طاقت۔

۱۰) خدا سے عشق و محبت پیدا کرتے کی صفت۔

۱۱) فیضان الہی سے مستلذذ ہونے کی صفت۔

۱۲) کائنات کی قوت۔

۱۳) خدا و اجسام ہونے کی طاقت۔

۱۳۲) حقیقت یہی کاغذ ہونے کی اور رنگین برنگ قلمی اور ہیئت جو نیکی قوت۔  
وہ کمالات غیر محدود کے حاصل کرنے کی طاقت۔

۱۳۳) عقل قوت جس سے حسن و قبح کا امتیاز ہوتا ہے۔

۱۳۴) اشیاء عالم میں تعریف کرنے کی قوت۔

۱۳۵) بسلی و قیسی حالت پیدا ہونے کی طاقت۔

۱۳۶) دکھ اور سکھ سے متاثر ہونے کی خامیت۔

۱۳۷) جزا و سزا بوجھنے کی قوت۔

۱۳۸) باہم غاٹ و معمول ہو نیکی قوت۔

۱۳۹) اقبائے اثر و قبول کی ایک قوت بتقابلہ اپنے اجسام متعلقہ کے۔

۱۴۰) تصفیہ باطنی کے بعد روحانی چیزوں ملائکہ وغیرہ کے دیکھنے

کی طاقت۔

۱۴۱) ایک دوسرے سے انس کرنے کی طاقت جسے کشش متقابلہ

کہتا ہے۔

۱۴۲) ابدی طور پر قائم رہنے کی قوت۔

اسی طرح اور بہت سی قوتیں ہیں جنکا مفصل بیان نہایت لطافت

اور خوبی کے ساتھ قرآن کریم میں موجود ہے۔ ہم آریہ لوگوں

سے جو اہل اسلام کو ارواح کے گن اور سپہاؤ سے کہتے بے خبر

بتاتے ہیں۔ البتہ کرتے ہیں کہ براہ مہربانی وہ لوگ وید سے روح

کو کوئی گن نہ بتا سکتے۔ بتائیں۔ جو ان کے خیال میں قرآن

شریف میں ہے۔ جو انشاء اللہ ہے اس سے تفصیل کے ساتھ

اور بہت ساری باتیں ہیں۔ نہ کرنا چاہیے۔ احوال ہر اسی

مختصر پر مشتمل ہے۔

خدا تعالیٰ کی فعلی اور قولی کتاب

تناسخ پر ایک نظر

انسان کی ہدایت کے لئے نہایت ہی مفید سے دو کتابیں نماز و

ہی ایک فعلی کتاب جو صحیفہ قدرت سے مراد ہے۔ جس کے احکام خدا تعالیٰ کے غیر معتبر قوانین اور اشیائے سنہیں ہیں جو نظام کائنات میں خود بخود اپنا عمل کر رہی ہیں۔

دوسری قولی کتاب جو خدا تعالیٰ کی وحی و الہام سے مراد ہے۔ جو مختلف صحائف تورات۔ انجیل۔ زبور۔ قرآن وغیرہ کی صورت میں انسان کی ہر ایت کے لئے مختلف اوقات میں انبسیار پر نازل ہو ہیں۔

ان دونوں کتابوں کے قوانین و احکام سے واقفیت حاصل کرنا اور پھر ان کی تکمیل کا خیال رکھنا بقدر استطاعت بشری اُن پر عملدرآمد کرنا ہر ایک انسان کا فرض لازم ہے دونوں کتابوں کی موافقت سے سزا برداشت کرنی پڑتی ہے۔ خدا تعالیٰ کی فعلی کتاب کی مخالفت عموماً اسی دنیا میں ساتھ ساتھ سزا دئے جاتی ہے اور اس کی قولی کتاب کی مخالفت بعض اوقات اس دنیا میں بھی اور اکثر نشانے آخرت میں شرہ اور سزا کو پہنچا دیا ہے۔

ان دونوں کتابوں کا باہم گہرا تعلق ہے۔ اور اکثر شرک کے حق تعالیٰ کی قولی کتاب میں دونوں کی نسبت ہدایات پائی جاتی ہیں اور ایک کا اثر دوسرے پر پڑتا ہے۔

فعلی کتاب کی مخالفت سے عموماً جھٹ پٹ سزا مل جاتی ہے۔ اور فعلی کتاب کی مخالفت کی سزا قولی کتاب کی مخالفت کی سزا کا یقین دلاتی ہے درجنائے عقبے کو حق الیقین تک پہنچاتی ہے۔

مثلاً فعلی کتاب کا ایک حکم ہے۔ کہ جو چیز اوپر سے پھینکی جائیگی زمین پر گرے گی۔ اور یہ اس لئے کسی شخص کو کوٹھے پر سے مگرنا نہیں چاہئے۔ مگر کس شخص زمین اُسے زمین پر دے مارے گی۔

اور وہ شخص حیات دنیاوی سے محروم ہو جائے گا۔ اب اگر ایک شخص عذر منکرانہ کوٹھے سے گر جائے تو اس کی بے احتیاطی کا تصور ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ کی فعلی کتاب کے حکم، قانون قدرت کو توڑا ہے۔ ضرور ہے کہ اس کے حکم توڑنے کی اسے سزا ملے۔ پس

یہ سزا علی الغور مل جاتی ہے کہ وہ زندانی سے محروم پاتا ہے۔ یا سخت  
 جلاکت میں نہ ڈالو۔  
 خدا تعالیٰ کی قوی کتاب میں اس بات کی نسبت ہدایت  
 ہے۔ کہ وہ لا تعلقوا بآیین یکم الی التملکۃ اپنے انھوں اپنے تئیں

ایسا ہی اگر کوئی شخص آگ یا پانی سے احتیاط نہیں کرتا۔ پانی  
 میں بلا تاحتاش کو دیتا ہے۔ آگ میں نہ ڈالتا ہے۔ تو خدا تعالیٰ  
 کی فعل کتاب اپنی مخالفت کی علی الغور۔ یہی گناہ کے  
 بل میں انکی دینے والے زہر کے کھالینے والے انسان کو قدرت خود  
 جلاک کر دیتی۔

ہیضہ کا موسم ہے۔ ہوا خراب ہے۔ تو گھم عام طور پر مر رہے ہیں  
 اب جو شخص اس موسم میں بد پرہیزی کریگا۔ اور اپنا پستانہ  
 کھانا کھائے گا۔ ضرور ہے کہ اس کا نتیجہ بھگتے۔ اس میں انسان  
 خدا تعالیٰ کی فعل کتاب کی مخالفت کر کے اپنے تئیں آپ جلاکت  
 میں ڈالتا اور اپنی زندگی ضائع کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی قوی کتاب  
 بھی اس کے مخالفت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ سلوا و اشربوا  
 ولا تسرفوا۔ کھاؤ پیو اور حد اعتدال سے نہ بڑھو۔ بد اعتدال  
 بد پرہیزیاں اور بد اعتدالیان نہ کرو۔ کثرت عیاشی کا نتیجہ آتش  
 و سوزاں ہے۔ جسکا اثر انسان کے مادہ منویہ پر ہوتا ہے  
 اولاد تک جا پہنچتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی فعل اور قوی دونوں کتاب میں  
 اسکو اس فعل بد سے منع کر رہی ہیں۔ مگر انسان خدا کی آواز کو  
 نہیں سنتا۔ سو خدا تعالیٰ کی فعل کتاب کی مخالفت ایک نہ ایک  
 دن اسے ضرور مرض آتشک و سوزاں میں گرفتار کرے گی۔ اور  
 اگر ابھی تک اس سزا میں گرفتار نہیں ہوا اور پہلے موت آگئی  
 تو قوی کتاب کی مخالفت کی سزا یوم الدین کو ضرور بھگتی  
 پڑے گی۔

بچہ کی آواز اور خدا تعالیٰ کی فعل کتاب کا حکم ہے۔ اور قوی  
 کتاب میں اسی کی نسبت ہدایت ہے۔ کہ ہر بات میں اعتدال

محفوظ رکھو۔ معتدل غذا میں کھاؤ۔ طبیبات استعمال کرو۔ معاشرے  
 اعلیٰ الٰہی کے ساتھ کرو۔ خلافت واقع فطرت افعال سے اکتفا پا  
 کرو۔ اب جو شخص خدا تعالیٰ کی فعلی کتاب کی مخالفت کرے گا ضرور  
 چھ کر سکا فرہ پھٹے۔ نتیجہ = جو تاجہ کہ کثرت مہا فطرت مانے اعتدال  
 اور خلافت فطری امور سے بیوج بگڑ کر یا غیر معتدل ہو کر ادا دے  
 نقصان و عیب ناک ہونے کا موجب ہو جاتا ہے اور جیسا بیوج  
 ہوتا ہے ویسی پیدایش ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں  
 فرماتا ہے۔ فطرتہ اللہ العلیٰ فلما الناس علیہا لا تبدیل  
 خلق اللہ ذالک الدین القیم اکثر الناس لا یعلمون، بینین  
 الیہ و اتقوہ۔ نساء کہ حرث لکم فاقوا حرثکم انی شئتم  
 وقد موالاتکم و اتقوا اللہ و اعلموا انکم ملائکۃ  
 و ابشیر المؤمنین و اتوا البیوت من ابوابہا ولا تلقوا  
 بایہدیکم الی التہملکۃ و من یتعد حد و دالہ فقد  
 ظلم نفسه و لن تجد لسنة اللہ تبدیلا و لن تجد  
 لسنة اللہ تحویلا لا یسئل عما یفعل و ہم یسئلون  
 و ما ظلمناہم و لکن کافوا انفسہم یظلمون ان اللہ  
 لیس بظلام للعبید۔ اللہ کا بیچروپی ہے جس پر اس نے  
 انسانوں کو پیدا کیا۔ خدا کی پیدایش میں اول بدل نہیں  
 پکا اور مضبوط دین یہی ہے۔ لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔ لوگو  
 تم سب کے سب اللہ کی طرف رجوع ہو جاؤ اس کی ہدایتوں  
 کی پیروی کرو۔ خواہ فعلی ہوں۔ خواہ قولی۔ اور اس کے بزخلاف  
 کرینے سے بچو۔ تمہاری عورتیں تمہاری کمیتیاں ہیں۔ سو تم  
 اپنی کمیتوں میں جب جاؤ۔ آؤ مگر اس بات کا خیال رکھو  
 کہ تمہارا وہ آنا تمہارے آئندہ کیلئے ہر فرج کی خیر و برکت کا  
 موجب ہو۔ زینبیل اور رائیگاں یا خلافت دفع فطرت نہ ہو  
 اور خدا تعالیٰ کے قوانین کی خلافت و دزدی اور فطرت کی  
 آواز کے بزخلاف کرنے سے بچو۔ اور جان لو کہ تم نے اللہ تعالیٰ

جسے جبریت قرار دینا چاہتے ہیں کہ یہ تو ان کے قہر و عظمت سے ہے۔ لیکن وہ  
 انہیں نہیں سمجھیں گے۔ اور اسے بھی خدا کے کلام پر یقین کرنا چاہیے۔  
 اور جس کی ہدایتوں پر عمل کر رہے ہیں وہ اس کے عطا کردہ سلام سے۔ کہ انہیں  
 وہ آواز و صالح عطا فرمائے گا۔ جو ان کی آئینہ روحانی اور حقیقی  
 زندگی میں ہر طرح خیر و برکت کا موجب ہوگی۔ اور جو گوتم سکھوں  
 میں ان کے دروازوں کی راہ سے آؤ۔ یعنی ہر بات کے حساباً  
 مناسب کی روایت رکھو۔ قوانین انہی کی پیروی کرو اور اپنی  
 جانوں کو قوانین الہی کی خلاف ورزی کر کے خواہ مخواہ ہلاکت  
 میں نہ ڈالو۔ اور جو شخص خدا کی حدوں سے تجاوز کریگا۔ سو  
 اس نے اپنی جان پر ظلم کیا اور تم کبھی خدا کے قانون کو بدلتا  
 جو انہی ہاتھ لگے۔ اور نہ اس کے آئین کو پلٹتا جو ان کے ہاتھ  
 جو کچھ کرتا ہے۔ دیکھتے جیسے قوانین اس نے وضع کر رکھے ہیں  
 ان کی بابت پوچھا نہیں دینی اس پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا  
 کہ ایسے قوانین کیوں مقرر کئے اور لوگوں کو باز پرس ہوتی ہے  
 کہ تم لوگوں نے کیوں اس کے قوانین مقررہ سے تجاوز کیا۔  
 ہم لوگوں پر ظلم نہیں کرتے۔ تین لوگ آپ ہی ہمارے قوانین  
 کی مخالفت کر کے اپنی جان پر ظلم کرتے ہیں اور خدا تو ہم پر  
 ذرا بھی ظلم کا روادار نہیں۔

جو آیات ہدایت سلامت اور یہ ذکر کی گئی ہیں۔ ان سے  
 ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا پیچہ وہی ہے جس پر اس نے انسان کو پیدا  
 کیا۔ یعنی انسان انہی قوانین پر عمل کرے جو یہی ہے کہ آواز پر  
 چلنے سے عود اور اعلیٰ زندگی بسر کر سکتا۔ اور وہی قیم کا شمع  
 شہیر سکتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے وضع کئے اور جن کی  
 نسبت اپنے کلام پاک میں بھی اشارہ کر فرمایا ہے۔  
 ام الکتاب (قرآن شریف) میں تمام کتابوں کا باب ہدایت  
 جمع کر دیا اور ساری روحانی اور جسمانی ہدایتیں چھپ چھپ  
 کا مطلب فلا یا بین الاتی کتاب میں ہے۔





عاری نہ رہے گا وکل انسان الذی منا طاموہ فی عبقتہ و  
 مخرج یوم القیامتہ کما بایلقاہ منشوراً اقدانکما باث  
 کئی ہفتات الیوم حسیبا۔ کلام ربانی کے موافق کروں اور  
 اس کے پہلے میں عمل اور جزا کا سلسلہ ہر وقت اور ہر آن جاری  
 ہے۔ کوئی فعل نہیں جسکا نتیجہ نہ ہو۔ کوئی عمل نہیں جس کا  
 ثمرہ نہ ہو۔ کوئی کرم نہیں جسکی جزا نہ ہو۔ وہ ایک مالک  
 یوم الدین برآن اور ہر وقت اعمال کی ہر دے رہا ہے۔  
 انسان کا ادا کرنے سے ادا کرنے کا کام چھوٹی سی چوٹی حرکت ہی  
 بغیر جزا اور نتیجہ کے نہیں۔ انسان جو غذا کھائے۔ معدہ میں  
 پینے کے بعد جسم کو اپنی خاصیت اور اثر سے منکف کر دیکر  
 جو فعل کرے روح پہ اُس کا اثر علی الفور پہنچ جائیگا۔ خدا تعالیٰ  
 کی فعل یا قوی کتاب کی کہیں مخالفت کرے۔ اس کا نتیجہ فوراً  
 بھگت لیگا۔ من لعل مشقال ذمۃ خیرا یدو ومن  
 یعمل مشقال ذرۃ شراً یدو۔ ومن یتد حد و دالک  
 فاد لک ہر الظالمون۔ پس اللہ تعالیٰ نے جو قانون  
 جس امر کی نسبت انسان کے لئے مقرر کیا ہے اُس قانون  
 پر چلنے سے انسان دونوں جہان میں راحت اور آرام  
 حاصل کرتا ہے۔ اور اس کے برخلاف عمل کرنے سے دابین  
 میں دکھ اور مصیبت اُٹھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں  
 فرماتا ہے۔ ان سعیکم لشتی۔ تمہاری کوششیں دنیا  
 میں مختلف ہیں اور اپنے اعمال ہی کے بموجب دکھ شکمہ و مصیبت  
 مصیبت اُٹھاتے ہیں۔ وما اللہ یدید ظلمنا لعلین اور  
 خدا تو دنیا جہان پر ہرگز زیادتی اور ظلم کا پروا دار نہیں۔  
 والذین جاہدوا فینا لنمہنہم مصیبتنا۔ اور جو لوگ  
 ہماری راہ میں جاہد کر رہے ہیں۔ ہم انہیں جتنا ضرر پہنچا

نہ ایک ہے انصاف کے دن کا۔ یعنی ہر روز انصاف کی برائی ہے۔



قومین سرحدی کو نہ توڑیں۔ تو سب کے سب آسودہ اور بہترین  
 خلعت میں ہو جائیں۔ یورپین تو ہیں اگلے سے اگلے حالت میں ہیں  
 اور نہایت آسودہ اور شائستہ وہ جس قدر خدا تعالیٰ کی فعلی تائید  
 پر عمل کرتے ہیں۔ اس کا پھل اُٹھا رہے ہیں اور دنیا میں ترقی  
 کے معراج پر ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کسی کا پھل ضائع نہیں کرتا۔ خود  
 کوئی فعلی کتاب پر عمل کرے یا قوی پر ان اللہ کا یضیع اجرا  
 محسنین اس کا باعث گزشتہ جنم کے اعمال یا تائبہ کے ماننے  
 والوں کی کتاب آسانی (وید) کا ثقیل یا عدم ثقیل ہرگز نہیں۔  
 اگر وید پر عمل کرنا کسی قوم کی بہتری اور ترقی ہی۔ سکھ اور  
 دکھ کا مدار علیہ ہوتا۔ تو ہمیشہ وہ لوگ آسودہ رہتے۔ جو وید  
 پر عمل کرتے۔ دوسری کوئی قوم کسی حالت میں آسودہ نہ ہو سکتی  
 جو لوگ وید پر عمل کرتے۔ اسی قوم میں آسودگی آجاتی۔  
 لیکن مشاہدہ اس کے برخلاف ہے۔ اٹلا وید پر عمل کرنے والے  
 دوسری قوموں کے محکوم ہیں۔ اور ہمیشہ غیر قوموں کی حکومت کے تحت  
 مشق رہتے۔ حالانکہ دنیا میں دوسری کی اندر گودی نہیں۔ خدا تعالیٰ  
 ۱۳۱ بات پر قادر ہے۔ کہ اپنی ہند پروردان وید کو غیر قوموں کی  
 دستانہ سے محفوظ رکھا۔ اور ان کو ان کے اعمال کی جزا ہمیشہ  
 اس لئے سکھ دیتا۔ کہ یہ محکوم نہ بناتے۔ وید مقدس نے  
 چھ غیر قوموں کے تحت رہنے کو بد اعمالیوں کا نتیجہ قرار دیا  
 ہے۔ رگ وید منڈاکی ۱۰۹ منتر ۲ حالانکہ دوسری قومیں وید  
 کی متبع نہیں۔ وہ نہایت آسودہ وید کے ماننے والوں پر بھی حاکم  
 اور مسلط ہیں۔

ان سب باتوں سے ظاہر ہے کہ دنیا کے مصائب و تکالیف  
 کسی سابقہ جنم کے اعمال کا پھل ہرگز نہیں۔ بلکہ اسی جنم کے اعمال  
 ہی وجہ سے ہیں جو شخص قدرت کے قوانین اور حدود الہی کو  
 توڑتا ہے۔ سزا پاتا ہے۔ جو اطاعت کرتا ہے۔ بیکہ اُٹھاتا  
 ہے۔ اس کو گزشتہ جنموں کے اعمال سے کچھ تعلق نہیں۔ بلکہ کوئی

انسان خاص مقدار کی تکلیف یا راحت کے پھونکنے کے لئے  
 مقرر ہے۔ انسان کی تمام تکلیف حدود الہی سے تجاوز کرتے ہی  
 وجہ سے ہیں۔ اور اسی بات نے انسان کی حالت میں اختلاف ڈال  
 دیا۔ انسان کی جسمانی بناوٹ میں نقصان وغیرہ کی وجہ قوانین  
 ازدواج کی مخالفت ان میں اور بے جوڑ خادوں کا وقوع  
 اور سنن الہی کی خلاف ورزیاں ہیں۔ خدا تعالیٰ نے تو فرما دیا  
 ہے کہ **فَسَاءَ كَمَا حُوتَ لَكُمْ فَاَوْحِرْ ثَمَّ اِلٰی شِسْتَم**  
**وَقَدْ مَوَا لَا فَسَكُمُ وَالْتَقُوا اللّٰهَ وَاَعْلَمُوا اَنْكُمْ مَلٰٓئِكَةُ**  
**وَلِبَشَرِ الْمَوْنِيْنَ**۔ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں۔ پس تم  
 اپنے کھیتوں میں جب چاہو آؤ۔ مگر اس بات کا خیال رکھو  
 کہ تمہارا وہ آنا آئندہ کسی ہر طرح کی خیر و برکت کا موجب ہو فضول  
 اور رائیگانہ نہ جائے۔ طبعی شہوت کے موقع پر عورت  
 کے پاس جاؤ۔ اور قوانین قدرت کی مخالفت کرنے سے اللہ  
 سے ڈرو اور جان لو کہ تم نے یقیناً اللہ تعالیٰ سے منا ہے۔ اب  
 جو شخص اس کے برخلاف عمل کرتا ہے۔ مزدور ہے کہ وہ سزا پائی  
 اس کا نتیجہ آپ بچتے اور اولاد کو بھگتا ہے۔ اسیں اللہ تعالیٰ  
 کا نہ کوئی مقور ہے۔ نہ قدرت کی طرف سے کوئی ظلم ہے۔  
 اگر انسان بالغ ہونے پر شہوت صادق کی حالت میں فعل  
 مباشرت کا مرتکب ہو اور بچہ کھیتی کی ہر طرح احتیاط اور نگہداشت  
 کرے اور اولاد کی روحانی اور جسمانی تربیت کا خیال رکھے  
 تو عمدہ سے عمدہ اور اعلیٰ سے اعلیٰ بچل (اولاد) حاصل کر سکتا ہے  
 ورنہ حدود الہی سے تجاوز کرنے کی وجہ سے مزدور کھیتی کمزور۔ ناقص  
 اور صوری اور شکستہ ہو جائے۔ یعنی اولاد ناقص کمزور۔ ابا بچ  
 اندھی۔ کانی۔ گتھی وغیرہ پیدا ہوگی۔ اور اس کا ذمہ دار صرف  
 کسان یعنی باپ ہوگا۔ اور وہی دنیا اور آخرت میں اسکی سزا  
 بھگتے گا۔ **وَاَعْلَمُوا اَنْكُمْ مَلٰٓئِكَةُ وَلِبَشَرِ الْمَوْنِيْنَ**۔  
 خدا تعالیٰ واحد ہے۔ اس کے قوانین میں بھی وحدت ملونا ہے

نباتات۔ حیوانات اور انسان سب کے سلسلہ پیدائش میں ایک ہی اسلوب اور ایک ہی سنت اللہ ہے۔ گڑبڑ اور پریشانی نہیں۔ جس طرح نباتات میں عمدہ تخم عمدہ زمین مناسب کھادیں اور احتیاط نباتات کے عمدہ پیدا کرنے کا موجب ہیں اور آئینِ قدرت کے بموجب اسبابِ مناسب کے ہم پہنچاتے سے عمدہ نباتات آگتی ہے۔ اور جس طرح پر حیوانات میں جس قسم کا بچہ زمین اور غذا ہوتی ہے۔ ایسا ہی قومی یا ضعیف کامل یا ناقص حیوان پیدا ہوتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح سلسلہ پیدائش انسانی ہے۔ جیسا زمین بچہ اور غذا وغیرہ ملتی ہے۔ ویسا ہی انسان کا بچہ پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ تجربہ اور مشاہدہ اس پر صریح شاہد ہے۔ حکماء اور اطباء۔ فلاسفہ اور اہل عقل سب اس بات پر متفق ہیں۔

پس بلاشبہ یقیناً اور باریب انسان میں جتنے سوئے و تشنگی اور نقص خلقت پایا جاتا ہے وہ تخم یا زمین یا غذا کی کیفیت و کمیت کی وجہ سے ہے۔ یا اور قسم کی بے احتیالیاں اور بے اعتدالیاں اس کا موجب ہیں۔ تنازع اور پچھلے جنم کے اعمال کو ان باتوں سے کوئی تعلق نہیں۔

آریہ سماج میگزین جالندھرانے رسالہ ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۰۷ء کے صفحہ ۴۴ میں لکھا ہے کہ باہمی لڑائی جبکہ دے وغیرہ ہمیشہ خلاف توازن قدرت و حشیانہ ان میل اور بے جوڑ شادیوں کا پھل ہوتا ہے۔ اس وقت سوسائٹی کے اندر جو خوفناک امراض پھیل رہے ہیں۔ وہ سب اسی قسم کی شادیوں کا نتیجہ ہیں۔ جب تک کہ بجائے جاہلانہ قریبی آمیز اور رواجی شادیوں کے آئینِ ازدی کے مطابق پاک ترین۔ سببی برصداقت اور عاقلانہ شادیاں رواج نہیں پاتیں۔ تب تک اس سنسار کے اندر کسی شانتی نہیں ہوگی۔ آریہ میگزین کے اس قول پر ہم بھی صاد کرتے ہیں۔ اگر کوئی بچہ اندھا پیدا ہو

یا وہ کسی کو نکھیں بالکل نہ ضروری یا بہرہ یا کوئی چیز انہیں ملے  
 یہ سب قانون قدرت کی مخلوق قدرت کی اور مخلوقات قدرت کی  
 عدم رعایت وغیرہ سے ہے۔ قدرت کو جینا اور جینا نہ کرنا  
 ملتا ہے وہ انسان کا اسی قدر حصہ پیدا کر دیتی ہے۔ اگر ایک انسان  
 کے نطفے میں آنکھوں وغیرہ کے پیدا کرنا کا مادہ موجود نہیں  
 تو قدرت بطور حرقی عادت پیدا نہیں کر سکتی اور نہ بقول آریہ  
 ہستی سے ہستی ہو سکتی ہے۔ قدرت ہر حال میں فیض ہے۔ اور  
 کبھی فیض سے رکھتی نہیں۔ نہ بخل ہے۔ بل پیدا ہونے والے تمام  
 بیوقوف کیفیت بشاء بسا اوقات انسان اچھی سی حالت میں مباشرت  
 کر بیٹھا ہے تو آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں اور ایسا ہی تمام نقصان  
 خلقت اور اچانچ وغیرہ ہونے صرف قسم کی کمزوری اور قانون  
 مباشرت کی عدم رعایت سے ہے۔

فلسفہ اسلام کے بموجب اگر انسان قانون ازدواج کی پوری  
 رعایت رکھے اور حدودِ دہلی کے ہرگز تجاوز نہ کرے تو اخلاقی  
 روحانی جسمانی ہر بات میں وہ داخلے سے اعلیٰ پیدا ہو سکتا  
 ہے۔ دین کی تعمیل یا عدم تعمیل کو ان باتوں سے کوئی تعلق نہیں  
 یہ تمام نتائج انسان کی بے اعتدالیوں بہ اعتدالیوں اور قانون  
 مباشرت وغیرہ کی خلاف ورزیوں کے ہیں۔ پس پنڈت ٹیکرام  
 صاحب کا یہ کہنا کہ اگر تاسخ اسکا باعث نہیں تو پھر کیا ہے  
 بچنے سے قبل از پیدائش عمل میں کس طرح آگیا مار کر اپنی آنکھیں  
 چوڑ ڈالیں۔ کس طرح اپنے پاؤں توڑ ڈالے۔ کس طرح حمل میں  
 بہرہ اور گونگا ہو گیا۔ کیوں غریب اور سنگال کے گھر میں پیدا  
 ہو گیا۔ دبیوت تاسخ صفحہ ۷۷ صریحاً قانون قدرت اور علم قلب  
 سے چشم پوشی ہے۔

قرآن شریف کے بموجب اگر انسان قانون ازدواج کا خیال رکھے  
 قرآن شریف کی آیت سے کہ "وَأَشْرُوا لَهَا وَكَالْتُمُوهَا" اور  
 "وَلَا تَمْنُوا فِيهَا مَالًا" پر عمل کوئے نہ کہنے چاہئے یہ افراط و تفریط

بچہ کے مطابق سے نہ بڑھو اور طبیعت یعنی مزاجی حالت کے موافق غذا کھائے  
 اگر کسی انسان کی خلقت میں نقصان نہ ہو نہ کوئی بیا شخص ہو بلکہ ساری  
 عمر تک سے کائے اور یہ بات وید کی عدم ضرورت اور رویتناخ پر  
 دلیل میں ہے۔

اور اس پر سے ہم نڈت لیکرام صاحب کے الفاظ کو اٹھا کر اپنی پر قد حکوت  
 ہیں کہ دنیا میں ہر ایک مرفضی جسم اعلیٰ کا نتیجہ ہے۔ منہ سے جو آتا اور ہاتھوں میں  
 استقلال نہ ہونا علامت شراب نوشی کی۔ ہاؤ رنگ اور آتشک ہونا علامت  
 لہو الف ہازی کی۔ کھانسی۔ بخار دائمی اور خون آنا علامت ہے تپ دہی کی اور  
 یہ بڑے زبردست ثبوت ہیں۔ کوئی مرض بغیر سبب کے نہیں ہوتی۔ ہر ایک  
 معلول کی واسطے ایک علت کی ضرورت ہے۔ مرفض کا سبب اور علت کا معلول دنیا  
 کا کیا حکم کا لام ہے۔ نہ کہ جو قوتوں کا۔ یہ قوت نہیں ملتے کہ تپ وق کیا چیز ہے۔  
 اور کیوں ہوتا ہے اور کیا کیا اس کے سبب ہیں۔ آتشک کی کیا وجہ ہے۔ تپ سے  
 جو کیوں آتی ہے۔ انہیں نہیں معلوم کہ منطق کی ساری بنیاد علت اور معلول  
 پر ہے مگر یہ باتیں کسہ حکیم حاذق سے پوشیدہ نہیں۔ بڑے کاموں کا پھل  
 اور پھل کاموں کا پھل سکھ۔ ایک دنیا جاتی ہے اور اسکا ثبوت برہی ہے  
 پھر کیا وجہ ہے کہ جنم کے رنگوں کے واسطے کوئی وجہ نہ ہو۔ حالانکہ خدا منصف  
 اور عادل ہے دہوت تناسخ صفحہ ۱۰۲

اور گزارش کرتے ہیں کہ آپ کا حیران ہونا بالکل غلط کی عدم واقفیت  
 اور علت و معلول کے سلسلہ کے نہ جاننے کی وجہ ہے۔ جس لمحے پر یہاں اگر  
 ایک شخص دوسرے کو جبراً ذاب پلاوے تو دوسرا بدست ہو جاتا ہے اور  
 پلا سزا کے لائق اگر ایک شخص دوسرے کو عداوت کر ڈالے۔ تو مقتول ہے قصور  
 اور قاتل قصاص کے لائق اسی مع یہاں باب قوانین معاشرت و قانون  
 از و دایع کے خلاف کر کے بچ کو اندھا۔ لہو شکر۔ کانا۔ بہرہ۔ کمال  
 وغیرہ بنا دیتے ہیں۔ ماں بھی تمام بنیاد احوال پر ہے یہاں ہی سانا اختیار  
 پر اعلیٰ پر ہے خدا کسی فوق صاوت سے ڈک نہیں دیتا نہ ذاتی ہے  
 و نہ شہ و نہ دی سے کہ جس حالت کا ہر چکر لگا چکا کی قانون از و دایع  
 خلاف دہی ہی اس نظر اور دہی کا اثبات ہے نہ مطابق خدا کی



عبادت نہ تھا قہ اور نہ جہالت خلق اللہ السعوات والا رض بالحق  
 خدائے آسمان و زمین کو مگر چاہتے کے ساتھ پیدا کیا ہے اور جو کچھ کرتا ہے حکمت  
 اور انصاف سے کرتا ہے۔ اندھا و صر اور ظلم نہیں۔ هو الذی یصومکم  
 فی الايام حام کیف یشاء لا اله الا هو العزیز الحکیم۔ وہی ہے  
 جو ماؤں کے رحم میں تمہاری شکلیں اور صورتیں بناتا ہے۔ جس طرح ہر کہ  
 وہ چاہتا ہے اس کے سوائے کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے وہ عزیز و حکیم  
 ہے عہد سے عہد شکل بنانے پر قادر ہے۔ لیکن بقدر قہاے حکمت بناتا ہے  
 بیباک سے اودہ لٹا ہے۔ دیا ہی پیدا کرتا ہے۔ قدرت و حکمت کے برخلاف  
 برگز نہیں کرتا۔

پس اب ہم بیڈت بیکرام کو اخلاص احوال بنی آدم کے وجوہات کے  
 بارہ میں انہی کے کلام کا اعادہ کرتے ہیں کہ آرام و تکالیف اعمال کے ثمرات  
 ہیں۔ پس لڑکے بھی قانون قدرت کی خلاف ورزی میں گرفتار ہیں۔ اور ۱۱۶  
 اور اگر ایک فسادات بچہ بھی قانون قدرت کے خلاف کرنے سے  
 منع پاتا ہے تو نہیں معلوم کہ ایسا اعتراض کیوں کیا گیا۔ ہمارے خیال میں تو  
 بنائیت ضروری ہے کہ تمام کر تو ذرا کا پھل ملے۔

کوئی کرم ہرگز ضائع نہیں ہوتا۔ اور نہ پھل دینے کے بغیر وہ سکتے ہیں۔  
 میں نہ بڑے۔ خدا ششٹوں میں نہیں آویزا جاتا۔ وہ ہر ایک کو اس کے اعمال  
 کا پھل دے گا۔

اگر کھانا فصل ہے اور ہضم کرنا فصل ہے تو بد پر ہیزی یا خراب اشیاء کے  
 کھانا پورا پھل کیوں نہ ہوگا۔ کیا کھانا ہی تمام تندرستی کی جان نہیں ہے  
 تو اس میں طرانی آقا سب خرابیوں کی بنیاد کیوں نہیں۔ آپ کے اس بیان  
 سے تو تمام ڈاکٹر حیران ہیں۔ کیونکہ ڈاکٹری کی کلی بنیاد حفظ صحت اور خوراک  
 اس کی پڑھائی پر ہے۔ جس سے کوئی ہی انکار نہیں کر سکتا۔ انتہے رذیت  
 اس بنا صحت اس انداز سے کہ جسطرح فلہ بونے کیواسطے علم زراعت سے لگایا  
 اور دی ہے وہ اسکا وہی ہے اعمالوں کا سلسلہ و چار و خور کر کے کچھ نہیں  
 اسباب کی تلاش کی گئی ہے۔ یہ سب کچھ ہی ہے۔ یہ سب کچھ ہی ہے۔ یہ سب کچھ ہی ہے۔  
 اس میں۔ اس میں ان سے بچنے کی طرف سے نہیں پڑتا۔ یہ سب کچھ ہی ہے۔

اخالی کو سیکھیں اور جب اس طرح قدرتی طریقوں پر غور کرنا سیکھ جائیں گے تو بالیقین مان لینگے۔ کہ تنازع بالکل باطل اور عقل اور عقل کے خلاف ہے۔ اس کی قوی وجہ یہ ہے کہ مراض یا دھوکہ کے پھول اسباب کون سے ہیں صحت ظاہر ہے کہ بد پر ہیزیاں اور بد اعتدالیاں۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ کہاں سے آئیں پاکیا ہیں کہ جواب سیدھا ہے کہ وہ کرم ہیں جسے دھوکہ حاصل ہو گیا ہے اور اس کے خلاف اعتدال اور پرہیز ہے وہ کیا ہے ہمارے کرم۔ اس کا پھل سکھ اور آرام ہی لازمی ہے اور اسی جنم کے اعمال کی جزا سزا کی اصل اور تردید تنازع کی بنیاد ہے۔

پس جبکہ تمام دھوکہ سکھ۔ مراض و صحت اسی جنم کی بد اعتدالیوں سے بد پرہیزوں کا ثمر ہے تو باقی انسان پیدائش کی ناقص الخلقیت یا اپانچ وغیرہ ہونیکے اسباب بھی تربد اعتدالیاں اور تقاضوں قدرت کی خلاف وندیاں ہی ہیں۔ پس تنازع کے ماننے کی کیا ضرورت رہی؟

خصوصاً جیسا کہ آریاؤں کا مرکا اعتقاد ہے کہ تمام بیماریاں دوسرے جنم کے اعمال کا ثمر نہیں بلکہ سوائے پیدائشی اور قدرتی بیماریوں کے اور تمام بیماریاں موجودہ بد اعتدالی کا نتیجہ ہیں رشتہ تنازع صفحہ ۱۲۲ اور کہ سوائے کام پچھلے جنم کے متعلق نہیں ہیں۔ بلکہ بہت سے نئے ہوتے ہیں۔ رشتہ تنازع ۱۲۹ و ۱۵۲

پس جبکہ سوائے پیدائشی اور قدرتی بیماریوں کے اور تمام امراض و اسقام موجودہ بد اعتدالی کا نتیجہ ہیں اور پیدائشی امراض کا موجب ماننا پتا کی بے احتیالیاں ہیں۔ تو تنازع صحت بالکل ہو گیا۔

## اعمال اور ان کی جزا

### نشائے آخرے یعنی قیامت کا ثبوت

اعمال اور ان کی جزا کی نسبت کتاب ہدائی کا یہ ارشاد ہے کہ انسان کا کوئی فعل یا قول بے گناہ نہیں ہو سکتا بلکہ ہر ایک عمل پر خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک نتیجہ ہو گا۔ اگر مترتب ہو گا۔ جو اس فعل کی جزا ہے۔ قوانین کائنات کے موافق کسی

ہرگز ہرگز نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر ایک کرم پر فرد فرد عمل اور جزا ملتی ہے  
 جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان اللہ کا فیضیہ عمل عامل  
 مستکرم من لکوا اور انہی۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کرم کو نوازے گا  
 کرم ہرگز ہرگز ضائع نہیں کرتا۔ خواہ عورت ہو یا مرد فمن عمل مشقائل خورقہ شعیب  
 یزک وہ من یعمل مشقائل خورقہ شعیب یرزقہ۔ پس جو کوئی رائی برابر تک عمل کرے  
 وہ بھی اسکی جزا دیکھ لے گا اور جو کوئی مائی پر نرائی کرے وہ بھی اس کا بدلہ پا لے گا  
 وان تحضوا فی الشکر او بتلوا یا سبکرم بہ اللہ خواہ تم اپنے جیروں  
 میں کوئی فعل چپاؤ یا اُسے ظاہر کرو خدا اُسے فرد فرد محاسب میں لاتا ہے۔ کیسے ہی محاسب  
 اور اعمال سرزد ہوں ہر ایک فعل پر ایک جزا دیتا ہے۔ اس کی فعلی یا قولی کتاب  
 میں جیلوے پر جس عمل کی جزا ملنی مقدر ہے فرد مل رہتی ہے ہرگز ہرگز ٹل نہیں  
 سکتی۔ جب تک کہ اس سے بچنے کیلئے وہ اسباب جہاں کے جائیں جو کتاب الہی  
 یا قانون قدرت میں اس کے لئے جہاں کے لئے ہیں فیغفر لمن یشاء ویعذب  
 من یشاء پس جسکو چاہتا ہے بخشتیتا ہے اور جسکو چاہتا ہے مزا دیتا ہے  
 یعنی جس شخص کی تدبیر اس کے قانون قدرت کے ٹھیک موافق پڑ جاتی ہے اسکی  
 بخشش دیتا ہے اور جس کی مخالف ہو اُسے گرفتار کرتا ہے۔ واللہ علی کل  
 شئی قدير۔ اور اللہ ہر بات پر قادر ہے۔ عرف اس کے اسباب جہاں کر نیکی دیر ہے  
 خدا تعالیٰ کو صاف کرنے میں دیر نہیں۔

اوپر جو آیات مذکور ہوئیں ان سے ظاہر ہے کہ ایک ذرا بھر کرم کا بھی ناش نہیں  
 ہوتا۔ اس کا فرد بدلہ ملتا ہے خواہ دنیا میں۔ خواہ عقبے میں۔ نیو کاروں کو دنیا  
 میں بھی نیکی کا بدلہ کسی قدر ملے اور عاقبت میں پورا ملے گا جو دنیا میں کسی نیکی کا  
 بدلہ نہ پائیں گے وہ عاقبت میں اسکو پورا لے لے گا۔ (و اما توفون اجور کھر  
 یوم القیمۃ) اور انکو بدی کا بدلہ دنیا میں مل جاتا ہے اور کسی بدی سے دگر  
 بھی ہو جاتی ہے (و انکم الحسنات ینھمن السیئات) اور آخرت میں  
 وہ اس بدی سے پاک صاف ہو کر جائے گا اور بدکاروں ظالموں کو انکی بدیوں اور  
 ظلم کا بدلہ دنیا میں بھی کسی قدر ملتا ہے اور آخرت میں پورا ملے گا اور جو نیکی  
 ظلم کا بدلہ نہیں پائے۔ وہ آخرت میں ظلم اور گنہوں کا بدلہ بھی لے لے گا  
 پائیں گے اور اس کا بدلہ پائیں گے۔ ان ظالموں سے دنیا میں کچھ بھی ہوتی

ہے سو جیسے بھوکے کو کھانا کھلانا یا پانی پلانا وغیرہ تو اس کا بدلہ اون کو دنیا میں  
صحت و درزق و عافیت مل جاتا ہے اور ان کا وہ عمل (مجز بجاوت خدیدیہ) بیکار  
و بے بھر نہیں رہتا۔ ہاں بوجہ عدم ایمان اور عبادت من اللہ کے عاقبت میں  
اس کا کچھ اجر نہ ملے گا۔ کیونکہ انہوں نے بڑا ظلم کیا۔ لہذا اگر وہ بھی اجسٹے۔ تو  
یہ نیکوکاروں کا پرچہ نہیں ہے گناہ سے اپنے آپ کو رکھا اور اس کا بدلہ دنیا میں  
نہ پایا۔ قانونی و شرعی ظلم ہو گا جس سے خدا تعالیٰ کی ذات پاک ہے اللہ  
تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ اَجْعَلِ الْمُسْلِمِينَ كَالْجِبْرِ مِینَ مَا لَكُمْ  
كَيْفَ تَحْكُمُونَ۔ کیا تم مسلمان اور مجرموں کو ایک سا ٹھہرا سکتے ہیں۔ تمہیں  
کیا ہو گیا۔ کیا فیصلہ کر کے ہو۔

جز اسرا نہ ہو تو انسان کی پیدائش ان حالات اور صفات کے ساتھ بحث طبعی  
ہے جس سے خدا تعالیٰ حکیم و علیم کی شان بلند ہے۔ ہم ایک کارگر کو دار کی ساخت  
سوئی یا گھڑی کا جکڑ دیکھتے ہیں تو اس سے یقین کرتے ہیں کہ اسے سنگ یا کسی کل کر  
چلائیگا کام لینا لوہار کو مقصود ہے اور جو سوئی یا چکر یا کام نہ دے اس کا پھینک  
دینا مناسب ہے۔ پھر کیا صنایع عالم کی مصنوعات صفات و حالات انسانی  
سے یہ یقین نہیں کرتے کہ ان سے روحانیت کا کام لینا خدا کا مقصود ہے اور جو  
کام نہ دے اس کو انسانیت کے زینہ سے گر کر جلائیکا اندر من بنانا مناسب ہے  
(خدا حد نالا اسفل سائیلین)

اور چونکہ ہم صاف مشاہدہ کر رہے ہیں کہ دنیا میں بہت لوگ ایسے ہیں کہ اپنے عمل نیک  
و بد کا پورا بدلہ نہیں پاتے۔ بہت سے نیک عمل و خیرات میں ایسے ہیں جو مدت العمر  
اپنے اہلئے جنس سے حسن اخلاق و سلوک سے پیش آتے ہیں اور خدا کی عبادت  
میں مشب و خند و معرفت رہتے ہیں۔ بائیں وہ دنیا میں تگی اور تکلیف سے بھر  
کر جاتے ہیں اور اپنے اعمال حسنہ کا پورا اجر دنیا میں نہیں پاتے اور بہت لوگ  
ایسے ہیں کہ مہارت و فن و فنون و غفلت میں گم رہتے ہیں اور وہ دنیا و دنیاوی  
حیث و سائنس سے غریب رہتے ہیں اور اپنے فن و فنون و غفلت کی وجہ سے  
دنیا میں نہیں پاتے۔ اس سے ہر یقین ہوتا ہے کہ فی سراج کائنات اس دنیا کی  
اس کے صحابہ سے بہت کمالات انسان کے ایسے ہیں جن کو ہم نہیں دیکھتے  
دوسری زندگی نہ ہو تو ان بہت فاسد کی کہیں نہ پڑا ہے

سوا کوئی اور محل ہی ہونا چاہیے جس میں اپنے اصلی شخص کے ساتھ اپنے اعمال کی پوری  
جزا پائیں ورنہ یہ پیش نوع انسانی عیث ہو جائیگی۔  
وہ محل قیامت یا قیامت ہے۔ جبکہ ثبوت اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں یہ بیان کیا ہے  
قرآن شریف کے رو سے خدا کے عادل کے سب صفات ہر وقت کام کر رہے ہیں۔  
اس کی جزا ہر وقت مل رہی ہے جو دل کے نور سے تعبیر کی جاتی ہے اور نہ یہ کہ اس کی  
شرکت کی جزا ہر وقت مل رہی ہے جو دل کی ظلمت سے تعبیر کی جاتی ہے۔ اس کی  
کی ظلمت یا دل کے نور کا انکشاف تام ہونا اور آخرت میں ہو گا جو ان کے کاملہ کے نام سے  
قیام قیامت کا یہی تو نایہ ہے کہ انسان کو اس کے افعال کی جزا جو مخفی طور پر  
ملتی رہتی ہے اور دل کی ظلمت یا دل کی نورانیت سے تعبیر ہوتی ہے اس کا انکشاف  
تمام قیامت کے دن ہو گا اور حقائق اشیا گراہی میں کھل جائیں گے۔ یوم میکشف  
عن سانی ویدعون الی السجود۔ اُس دن تمام حقائق منکشف ہو جائیں گے  
اور لوگ سجدہ کی طرف بلائے جائیں گے۔ انتہ۔

اگر قیام قیامت کا یہ فائدہ نہیں تو ارستہ جو یوم الدین کے منکر میں بیان  
کریں کہ برامانا تری یا جاہلے کا کیا فائدہ ہے۔ کیا کئی ارب سال کے قریب  
ان کا ایفرے گن ہو جائیگا اور کہیں خواب غفلت میں سو یا رہیگا اگر قیام قیامت  
سے حقائق کا انکشاف تام مقصود نہ ہو (یوم تبدلی السموات) تو ہمارے کاغذ  
نور، فضول اور رایگان ہو ا رہا ہے۔ حالانکہ فعل الحکیم یختار الحکمت  
پس یہی سچ ہے کہ قیامت تو جو اسے اعمال کی ہر روزی مرثہ اور انکشاف تام  
کا نام ہے لیکن مخفی طور پر فی سائل عادل اور عادل یوم الدین۔ عت ہی وقت  
اور ہر انسان کے ہر ایک فعل کی جزا مل رہی ہے جس میں کسی عقل مند و ذرا بھی  
خبر نہیں ہو سکتا۔ اس دنیا میں سزا جزا کا سلسلہ برابر جاری ہے جو چاہے تلواریں  
انسانی پراثر کر رہے۔ انسان جو فعل کرتا ہے اُس کی جزا اسی وقت اللہ تعالیٰ  
دیدتے ہیں۔ پس اس فعل کا اثر اور جو نقش جو دل پر پڑتا ہے وہی اسی فعل کی جزا اور  
جو چاہے کسی بد مذہبیت یا ظلم و ملامت ہے۔

جو اسے سزا دے گی۔ یہی نفسانے یقین حق یقین تک پہنچ جاتا ہے کہ چوتھی قسم کی  
جزا جو خود ہی بھی خود فرد ہوگی۔ سو اس میں ملنے والے سزا ہیں۔

پہلی قسم کی جزا سزا تو وہ ہے جو انسان کے جسم سے متعلق ہے اور اسکی جہانی حالات اور طبعی خواص کا مقتضایہ ہے۔ انسان اگر قانون قدرت کی ٹھیک ٹھیک پیروی کرنے لگے تو اس کی حالت بہترین ہو جاتی ہے اور اگر کسی نے کسی صورت میں خلاف ورزی کرے تو سخت دکھ اور نقصان اٹھاتا ہے۔ مگر بخدا موافق طبع کھائے تو تندرست رہتا ہے۔ اگر زہریا خلافت طبیعت غذا میں کھائے تو مر جاتا ہے یا بیمار ہو جاتا ہے۔ گھوڑا اگر گھاس کھائے تو اچھا رہتا ہے۔ گوشت کھائے تو اسکی صحت میں فتور و قصور واقع ہو جاتا ہے۔ اسی راز کے نہ سمجھنے سے اور قانون قدرت پر خیال نہ کر کے آریوں نے تناسخ کا دامن جا پکڑا ہے۔ اور ادوگون کے بھنور میں پھنس کر جزا و سزائے عقوبت کے منکر ہو گئے ہیں۔ حالانکہ مہارہے رقیامت عظمیٰ کا اعتقاد بھی رکھتے ہیں۔

دوسری قسم کی وہ سزا جو انسان کی روحانی صفات و قوائے مقتضایہ کسی انسان سے اگر دوسرے معصوم انسان کی جان بے گناہ و ناحق تلف ہو گئی ہو۔ تو اگرچہ کسی دوسرے غالب حاکم یا کسی اور شخص کو اسکی اس کمزورت کی خبر تک نہ ہوئی ہو۔ مگر اندہی اندر اس کا کائنات اسکو ملاست کرتا ہے۔ اس کے دل میں بے دخل و افسوس پیدا ہوتا ہے اسکی روح کا پتی اور تھرتھراتی ہے اور اگر اس سے کسی مخلوق پر رحمت و شفقت عمل میں آئے تو اس کے دل پر ذرت و مژدہ پاشاقت اور نور پیدا ہوتا ہے۔ یہ بھی ایک قسم کی سزا جزا ہے۔

تیسری قسم کی وہ سزا ہے کہ اعمال نیک و بد کے صلہ میں دنیا داروں کی طرف سے ملا کر تی ہے۔ جب کوئی نیک یا عالی حوصلگی کا کام کرتا ہے اور اس کو کام پہ اہل دنیا کو اطلاع ہوتی ہے تو اخباروں کی طرف سے اس پر فخر تحسین و آفرین بلند ہوتا ہے۔ یہ نیک کی طرف سے اسکی غرض اس شخص سے متعلق ہو یا نہ ہو۔ شاہ باطل اور آفرین کی صدا بلند ہوتی ہے کہ فلاں شخص بڑا نیک یا عالی ہمت ہے جس نے ایسا کام کیا ہے۔ خدا اگر وہ بڑائی کرتا ہے تو دنیا کے لوگوں سے اس پر فخر و آفرین اور سبب و شکر کی آواز بلند ہوتی ہے اور اچانک طرف سے اسکی کی بوجھ اٹھتی ہے کہ فلاں شخص بہت بڑا آدمی ہے جس نے ایسا بڑا کام کیا ہے۔

جب یہ قسم کی جزا و سزائے اعمال کے ساتھ سے ہے تو چوتھی قسم کی سزا جزا

اکمال طور پر عالم عجیب میں ملے گی۔ اسے تسلیم کرنے میں کیوں شک اور تذبذب ہے؟

## جب خدا منصف ہے تو تمام آدمی صورتِ تشکل۔ دکھ، سکھ وغیرہ حالات میں کیساں کیوں نہیں؟

بے شک اگر خدا تعالیٰ تمام انسانوں کو بذریعہ تولد و بلا (مصلحت) پیدا کرتا تو ہمیں انسانوں کے مادہ منویہ - غذا - احتیاطات - تنہا و حکمت کو کوئی دخل نہ ہوتا۔ اور پھر اس قدر اختلاف پایا جاتا تو وہ اتنا ہی کی طرف گونہ بے انصافی کا وہم ہو سکتا۔ اگرچہ ایسی حالت میں بھی ایک اور تصرف کی طرف ہے انصافی کا گمان کرنا نہایت درجہ کی حماقت اور سوراخِ ادب ہے۔ لیکن جبکہ انسان بلدیہ تو اور دواصلت والہین پیدا ہوتا ہے۔ جس میں انسان کے مادہ منویہ (نعم) غذا وغیرہ امور کو دخل غالب ہے تو پھر انسانوں کے اختلافات حالت پر تعجب کرنا اور اس کو گزشتہ جنم کے اعمال کا نتیجہ قرار دینا اور نتائج کے معنوں میں جا پھنسنا کسی حکیم کی عقل اور کسی فلسفی کا فلسفہ اسکو صحیح منطق کا نتیجہ قرار نہیں دے سکتا۔

انسان کی فزائیں مختلف، ہرچ (نعم) کی تاثیرات مختلف، ارقامِ نسا اور زمین کے خواص مختلف، احتیاطات مختلف، پیدائش کے بعد فزائیں، تربیت اور تعلیم، معیت اور تفہیم مختلف ممالک اور آب و ہوا کی تاثیر مختلف اعمال و افعال، انسانی مختلف، کسب و محنت مختلف، پھر انسانوں کی صورت و تشکل، رنگ و وضع، چال و حال، جو کہ سکھ وغیرہ امور میں اختلاف کیوں نہ ہو؟ اختلاف بتائیں حالات کا لازمی نتیجہ ہے۔ اس پر تعجب کیوں ہے؟ اور اسے نتائج کا نتیجہ قرار دینا کس لئے؟ کسی جاحل کی عقل، حکم کی حکمت، سکھ یا درد نہیں کر سکتی۔ نتائج کے ثبوت کیلئے قانونِ عدالت میں نہیں لہکا سکتا، یہی نہیں اسکا ثبوت قطعی اور مدلل تو کہاں؟

ہرچ کا اختلاف - زمین کا اختلاف - احتیاطات کا اختلاف اور اس کے ہر

تعلیم و تربیت کا اختلاف انسان کو مختلف طبقہ فارمولوں پر مبنی کر دیتا ہے۔ اگر ایک ہی قسم کی غذا کھا میں ایک ہی قسم کی احتیاطات ملحوظ رکھیں ایک ہی قسم کی تعلیم و تربیت ہو۔ تو کبھی ان میں اختلاف ہو ہی نہ۔ قدرت کے تمام کام ایک ہی اصول پر اور ایک ہی طریق پر چلتے ہیں انسان کی طرف سے موجبات اختلاف نہ ہوں۔ تو قدرت سے کبھی مختلف قسم کے اشخاص پیدا کرے۔ ارواح سب یکساں ہیں جس قدر ان کا رنگ پیکا بڑا کیا ہے صرف مختلف قوالب کی وجہ سے ہے۔

کسی نے سوچی کا پیشہ اختیار کر لیا۔ کسی نے آہنگری کا۔ کسی نے ملازمت۔ کسی نے تجارت۔ صنعت۔ یا زراعت۔ یہ تمام امور انسان کے اپنے اختیار پر ہیں۔ جو انسان ہمیشہ چاہے چھوڑے۔ جو انسان چاہے اختیار کرے۔ ان سب امور کو جو انسانی اختیار پر مبنی ہیں۔ تنازع کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ آریونگی یہ بہت بڑی بیماری قحطی ہے کہ مختلف قسم کے پیشوں کو بھی تنازع کی وجہ سے قرار دیتے ہیں۔ جو انسان پیدا ہونے کے بعد اپنی مرضی سے اختیار کرتا ہے۔

ہریوں کے تنازع کے بارے میں بہت بڑی بیماری قحطی اور مغالطہ ہی ہے وہ کہتے ہیں کہ خدائے مہذب نے کیوں افراد بشری میں اختلاف کیا۔ کیوں کسی کو پیار۔ کسی کو تذرت۔ کسی کو ڈنکی۔ کسی کو سبکی۔ کسی کو صبح و سالم۔ کسی کو اپناج۔ اور جسم کا۔ دلی۔ کسی کو رولی۔ کسی کو قوی۔ کسی کو ذہین۔ کسی گند زہین۔ کسی کو غریب کسی کو امیر بنایا۔

اس کے جواب میں نہایت ادب سے گزارش ہے کہ خدا ہرگز ہرگز ظالم نہیں ہے نہ کسی سے اس کو عداوت۔ نہ وہ کسی سے جارح یا فافل ہے بلکہ وہ اپنے مقررہ قوانین کے موافق برتاؤ کرتا۔ اور اپنے مقررہ قوانین کا ہر وقت خیال رکھتا ہے اس سارے اختلاف کا باعث انسان کے اپنی جنم کے بحال نگہیہ اور حالات متقاضیہ ہیں۔ جو ان میں وہ قانون کو توڑ کر ہے۔ وہاں وہ سزا پانچ ہے اور جبکہ وہ قوانین کو کا خیال رکھتا ہے اسی قدر کامیاب اور برقرار ہوتا ہے اگر کوئی بیمار ہوتا ہے تو اپنی بے احتیاطیوں اور پرخواری اور افراط تعریض کی وجہ سے اگر تندرست ہے۔ تو احتیاطات مناسبہ معتدل غذا۔ اور ورزش و غیرہ کی وجہ سے کوئی دیکھی ہے۔ اپنی کر تو کوئی وجہ سے سبھی ہے تو قوانین قدرت کا خیال رکھنے کی وجہ سے صحیح اور صحت مند رہتا ہے۔ اور پاپ کی احتیاطات اور پیرج اور زمین کے عہدہ ہونے کی احتیاطات



ایک ہی کراپ کی ہے استیلاطیں اس بات میں اس کا تعلق مباشرت کی غلط  
ہند کی کچھ جیسے عزت و شرف۔ ذات۔ کندہ پن کے بھی خاص طبعی باعث ہیں۔  
جو ان میں مباشرت کی موافقت یا مخالفت کی صورت رجوع کرتے ہیں۔

انسان کو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے انکسار و خضاعت بھی اس کی عظمت و شرفت کا  
مستحق و عظمت کی وجہ سے ہے غرض کہ ہر امر کے لئے جہاں خدا تعالیٰ پر احاطہ ہو  
ہیں۔ جو نوع انسانی کے اختلافات کا موجب ہو رہے ہیں۔ انسان کو سابقہ جنم کے  
امثال سے کوئی تعلق نہیں جو قوم سنن اہلی کی پیروی کرتی ہے خوشحال اور دولت مند  
ہو جاتی ہے جو قوانین الہیہ سے منہ پھرتی ہے خدا اُن کی حالت بدل دیتا ہے جیسا  
کہ گودی میں بھی یہ مذکور ہے کہ جب لوگ دھرم پر چلتے چھوڑتے ہیں۔ تب ان کے  
شرع سے رہتی ہے اور جب بد اعمال ہو جاتے ہیں تو راج نیست و نابود ہو جاتے ہیں۔  
(منزل اسکت ۹ منظر ۲)

اہل بد و پ جو اس قدر دلتند ہوئے ہیں کہ نئے وید پر عمل کر رہے ہیں اہل امریکہ  
کو وید کی تعلیم سے کہاں تک سروکار ہے پھر جب مسلمان ایک جہان کے بادشاہ اور  
سلاطین دنیا کے دولت مند تھے انہوں نے وید کی کیا پیروی کی تھی۔ اور اہل ہند جو وید  
کی تعمیل کا دھڑے کوٹے ہیں ہمیشہ کیوں مفلوک بد حال۔ اور دوسری قوموں کے  
دست نگر اور ماتحت ہیں۔ حالانکہ وید کی رچائیں اُن کی دولت مندگی اور سلطنت  
دلا رہی ہیں۔

غرض کہ سب باتیں ہیں ان امور کے طبعی اور فطری اسباب اور ہی ہیں جن کو  
وید کی تعمیل اور تنازع سے تعلق نہیں آ رہا۔ لوگ محض ایک اگلی کے پیچھے پڑ رہے  
ہیں۔ چکومت اور یقین کے ساتھ تعلق رکھتے نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے  
ولا تقف ما لیس لك به علم حس امر کا تجھے مطلق علم نہیں اور تیرے احاطہ  
امور کے باطل رہے خواہ خواہ اس بات کے پیچھے مت پڑ۔

یہ تعلیم محمد آب و باور آتش و فانی کو مفود سمجھتے تھے۔ وہ اسی وجہ سے انہیں فخر  
سمجھتے تھے۔ حال کے حکماء و کیماء انہوں نے تجربہ اور مشاہدہ سے اُن کا مرکب پرانا ثابت  
کہ وہ بے باطل ہیں۔ دنیا کے خیالات۔ مہینات اور کاموں میں سے۔ ان کے قریب  
نہیں رہنے کے لئے ہیں۔



ہاں کہہ کر باپ کی بے اختیار غیبت سے بے جا توجہ میں نہ آئے بلکہ ہر طرف کی طرف  
جذباتی گہر سے آگے نکلتے۔ زمانہ گزرتا تھا مگر وہ اپنے ہی خاص طبعی بہت بڑے  
جوانمیں ہاشمت کی موافقت یا مخالفت کی طرف رجوع نہ کرتے تھے۔

انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے باطن میں ایسی ہیشت مشقت  
میں جو نوع انسانی کے اعتکاف کا موجب ہو رہے ہیں۔ لیکن ان کو سابقہ جنم کے  
امثال سے کوئی تعلق نہیں جو قوم سنن انہی کی پیروی کرتی ہے خوشحال اور دولت مند  
ہو جاتی ہے جو قوانین انہی سے سنبھلتی ہے خدا ان کی حالت بدل دیتا ہے جیسا  
کہ گویہ میں بھی یہ مذکور ہے کہ جب تک لوگ دھرم پر چلتے چوتے ہیں تب تک مسکین  
بڑھتی رہتی ہے اور جب بد اعمال ہو جاتے ہیں تو راج نیست و نابود ہو جاتے ہیں۔

(منڈل اسکٹ ۹ منظر ۲)

اہل بد و پ جو مسند دولت ہو رہے ہیں کو نئے دیر پر عمل کر رہے ہیں اہل بد و پ  
کو دیکھ کر تعلیم کے گمان تک سر و کا ہے پھر جب مسلمان ایک جہان کے باوجود اور  
سدا دنیائے دو تہہ تھے انہوں نے دیکھ کر کیا پیروی کی تھی۔ اہل بد و پ جو دیر  
کی تعمیل کا دھمے کو تے میں ہمیشہ کیوں منلوک بد حال۔ اور دوسری قوموں کے  
دست نگر اور ماتحت ہیں۔ حالانکہ دیکھ کر رچائیں لکن کی دولت مند کی اور سلطنت  
دار ہی ہیں۔

مگر شک ہے سب باتیں ہیں ان اور کے طبعی اور فطری اسباب اور ہی ہیں جن کو  
دیکھ کر تعمیل اور تنازع سے تعلق نہیں آ رہا۔ لوگ جن ایک اکل کے پیچھے پڑ رہے  
ہیں۔ چھوڑتے اور یقین کے ساتھ تعلق تک نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے  
ولا تفتن مالہیں لک بہ حالہ جس امر کا تجھے مطلق علم نہیں اور تیرے احاطہ  
امداد کے باطل باہر ہے خواہ خواہ اس بات کے پیچھے مت آجے۔

یہ حکیم محمد آب و باد و آتش و خاک کو فرو جتے تھے۔ وہ اسی دھم سے انہیں مضر  
کھاتے تھے۔ حال کے حکماء دیکھا انہوں نے تجربہ اور مشاہدہ سے ان کا مرکب ہونا تھا  
کہ انہیں یہاں دنیا کے خیالات۔ مسکینات اور گناہوں سے دور کے قریب  
حکیم بننے کے گام ہیں۔

# شماخ کا بطلان بُرمانِ قینی سے

مُنیا کے نام حکم۔ ماطبار۔ فلاسفر۔ اور عقلا۔ اس بات پر متفق ہیں کہ جیسی کچھ مادہ  
میں خاصیت ہوتی ہے اسی قسم کی اس سے کوئی مادی چیز متقی ہے اور جیسی نطفہ میں  
تاثیر ہوتی ہے اسی قسم کا اس سے کچھ پیدا ہوتا ہے انسان کا بدن عناصر اور جوہر سے  
مکسب ہے بدن کی بناوٹ۔ مزاج کی گرمی۔ خشکی۔ سردی۔ تری۔ اختلاط کا اختلاف۔  
انہی مادہ عناصر کی کیفیت و کیفیت پر منحصر ہے۔ رحم اور میں جیسا نطفہ پڑتا ہے اور  
نطفہ جو تاثیر و کیفیت رکھتا ہے اسی وصف اور مزاج اور طبیعت کا کچھ پیدا ہوتا ہے  
اللہ تعالیٰ کی یہ سنت غیر متبدل اور یہی اکین فطرت اور قانونِ قدرت ہے جس  
میں کسی دانشمند حکیم یا فلاسفر کو کبھی بھی اختلاف نہیں ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ اور نہ  
ہو سکتا ہے۔ ولین تجد لسننت اللہ تبدیلا ولن تجد لسننت اللہ تحویلا  
اس اصولِ حکمت کا قائل دوسرے بقول آریہ وید بھی ہے آریوں کے ہندو  
حکما اور علم ویدک کے موافق بھی جیسا نطفہ ہوتا ہے ویسا کچھ پیدا ہوتا ہے نطفہ  
بجلائی یا بُرائی۔ نطفہ کے مزاج کی گرمی و خشکی یا تری۔ نطفہ کا ضعف یا قوت۔ کچھ  
کی بجلائی یا بُرائی۔ مزاج کی خاصیت اور بدن کی ضعف و قوت کی مقتضی ہے۔  
بلکہ انسان کے ذہنی اور ذہنی قوت۔ دل و فکر کی خاصیت قوت۔ تاسل اور اعضا  
میسرہ کی بناوٹ۔ بدن کا قوت و ضعف بھی نطفہ کی حالت مقتضی پر منحصر ہے جس قسم  
کا نطفہ ہوتا ہے اسی قسم کا کچھ قدرت الہیہ پیدا کرتی ہے نطفہ کی تاثیر و خاصیت  
پر کچھ کی آئندہ جانی حالت اور نہ دنیا کی بہت کچھ دار و مدار ہے اور ایسا ہی ہونا چاہیے  
چنانچہ حاجی ڈاکٹر زمر حسین صاحب صابری۔ ایس۔ اینی کتاب آئینہ سوزاک  
کے شروع میں لکھتے ہیں کہ کیا حیوانات اور کیا انسان۔ حقیقتہً مخلوق اس جہان  
قلبی میں موجود ہے اس میں بقائے حیات اُن کے اعضا و تاسل کی صحت پر منحصر  
ہے مگر اعضاء نکلے و مبتلائے مرض ہوں تو کیا نافع یا بھی طبع اور انہیں کر سکتے  
اور نہ ہی صحیح سلامت و تندرست پیدا کر سکتے ہیں۔ اور نہ ہی ترقی و ترقی  
کے ہونا کچھ نہ ہی ان سے لذت و لاش و تیری حاصل ہو سکتے ہیں۔ اعضاء  
معاشرہ میں کچھ ہی تمام بدن کی صحت کا سبب ہے۔ لاکھ ہوتا ہے۔ لاکھ ہوتا ہے۔

مکمل صحت اور صحت کے احسن اصولی ہوں۔ قوت باہ قایم ہے۔ ہر مرض سے جسم نجات  
 حاصل ہوا ہے۔

اور ڈاکٹر لنگارین صاحب اپنی کتاب رہنمائے نوجوانان میں لکھتے ہیں: کہ  
 منی سفید مٹی کی سیسا چیز ہے اس کے وصف اور مقدار قسم خاک پر منحصر ہے۔ جو  
 کھائی جاتی ہے۔ اور نیز وصف خون پر جو اس سے غذائیت کے طور پر تیار ہوتا ہے  
 جس قدر غذا منقوی ہو۔ مثلاً دودھ۔ گوشت۔ اٹکے۔ پنیر۔ مائی۔ وغیرہ۔ اسی قدر  
 نطفہ مقدار میں زیادہ اور وصف میں عمدہ ہوتا ہے۔ بشرطیکہ اعضائے غذائیت  
 نے اپنا کام بخوبی انجام دیا ہو۔ یعنی غذا بخوبی ہضم ہو کر جزو بدن ہو گئی ہے مضبوط  
 ہاضمہ والے آدمی کا نطفہ کمزور اور بیمار اعضاء والے آدمی کے نطفہ سے وصف میں  
 بہت اعلیٰ ہو گا۔ جس قدر منی وصف میں اچھی ہوگی۔ اسی قدر مباشرت میں حفظ  
 زیادہ ہوگا۔ اور اولاد بھی زیادہ تندرست ہوگی۔ (صفحہ ۱۲)

اور ڈاکٹر اکبر ہیک صاحب اپنی کتاب صحت نمائے مذکورہ صحت کے صفحہ ۳۵ میں  
 لکھتے ہیں کہ منی کا موثر ہونا کرم منی کی موجودیت پر ہے اور اطلاع کی صحت۔ تو اتنی  
 ماننا پس کی صحت۔ تو اتنی برکتوں پر ہے۔ اور سوائے اس کے طریقیں کو برکت  
 و کائنات کے بھی صحت اور قوت کی حالت میں پایا جانا ضروری ہے اور ایام عمل و  
 اور ضائع میں بھی تو این صحت کو عمل میں لانا ضروری ہے اور لالہ آقا دارم صاحب  
 میانہ سکول پینے سا راسلہ نیوگ میں لکھتے ہیں:

علم فریادہ جی کے واقعہ کہ بخوبی جانتے ہیں کہ انسانی دماغ کیس کس چیز سے  
 مرکب ہے طوالت کے ڈر سے ہم بیان اس امر پر بحث کرنی نہیں چاہتے۔ مگر یہ  
 امر پایہ ثبوت کو پہنچ چکا ہے۔ کہ ۲۵ برس کی عمر تک آدمی کے بدن کے کل اعضا  
 اور رگ و ریشہ مدد نعت کی طرح نشو و نما پاتے رہتے ہیں۔ پس اس خاص عمر سے  
 پیشتر اگر کوئی اپنے ذہین کو خارج کر دے تو اسکی عمر طبی ضرورت گھٹ جائے گی  
 بدن میں طرح طرح کے فتور و مشگلہ ضعف بصلت۔ مدد کو دسر۔ وغیرہ پیدا ہوں گے  
 بعد وقت و وقت پر اس کو جتانے سے پہلے۔ کہ تو نے قدرت کا دھکا کا قانون گڑا ہے  
 کہ وہی زندہ مثالیں اس بات کی گواہ ہیں۔ کہ بچپن کی شادی و بقی تو تری  
 کو صحت کا علاج کرتی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ وہ صحت کی سکھاتا کرتی  
 ہے کہ وہ صحت کے لئے بہت سی باتیں بتاتا ہے۔

جب آریہ مدت کبھی عروج کی چوٹی پر تھا۔ اور اس وقت کے جانا اور تہ  
مہنگی پرش جنگ وگ رشی منی کہہ کر اپنا غر بیچتے ہیں۔ قدرتی اصولوں پر چل کر  
زندگی کو ست کے بدلے اور پرو بچار کرنے میں لگاتے تھے۔ بچپن کی شادی وغیرہ  
خواب رسومات اس زمانہ میں عفا تھیں۔ ان رشی مینوں کا یہ حال ہرگز نہ ہوتا  
تھا۔ کہ عمر بھر مشہوت کے غلام بنے رہیں بلکہ وہ شادی کو ایک مذہبی فرض سمجھ  
کر ادا کرتے تھے۔ اور اس بات سے پورے آگاہ تھے کہ دیر ج جیسے شے کی  
رکھش کرنے سے انسانی روحانی اور ملی ترقی بہت کچھ کر سکتا ہے۔ شرعہ ختم کا  
حافظ کار بیشک اس بات کی داد دے گا کہ ۲۵ برس کی عمر سے ۵۰ برس تک  
آومی شادی کرنے کے قابل رہتا ہے اس خاص عمر سے پہلے یا چھبے کبھی دیر ج  
ضائع نہ کرنا چاہئے۔ اور جو ایسا کرتے ہیں وہ موت کا سامان ہڈیا کرتے ہیں۔  
انتہی ۶

اور آریہ میگزین اپنے رسالہ ماہ نومبر سن ۱۹۰۷ء کے صفحہ ۲۶ میں لکھتا ہے کہ عورت  
ظرف کی صورت ہے اور تخم مرد کی صورت ہے ظرف اور تخم کی آمیزش سے چودوں کی  
پیدائش ہے۔ اور پھر اسی رسالہ کے صفحہ ۳۴ میں لکھتا ہے کہ نالائق اولاد کا پیدا کرنا  
یا نالائق اولاد کے پیدا کرنے کی تدبیر خاص آنا تبا کے اختیار میں ہے اور وہ اس وقت  
جو سکتا ہے جب والدین ہمیشہ اپنے افعال اس قسم کے رکھیں جس قسم کی اولاد پیدا کرنے  
کی وہ خواہش رکھتے ہیں۔ اور انکی خواہش کا اثر بہت کچھ گرجا د ان سے لیکر اس  
وقت تک کہ کچھ حکم داد سے برآمد نہیں ہوتا ہے۔ بچہ پر پڑتا ہے جیسا کہ ہر رشی  
ویدانہ فرماتے ہیں۔

ماں باپ کیلئے نہایت ضروری ہے کہ وہ حل سے پہلے حل میں اور اس کے بعد  
مشقی اشیاء۔ شراب۔ بدبودار خشک۔ اور عقل خراب کرنے والی چیزوں کو چھوڑ  
دیں۔ اور جن چیزوں سے شانتی۔ صحت۔ طاقت۔ عقل۔ بہت۔ اور نیکی اطوار ہی  
حاصل ہو۔ ویسی چیزیں مثلاً گھی۔ دودھ۔ مشائی حورہ اشیاء خدہ فی دوزخید فی  
کا استعمال کریں۔ جس سے جیسے آدمی سب نقصوں سے پاک صاف ہو کر نہایت  
اعلیٰ صفات والے ہیں۔ (ستیا رتھ پرکاش ص ۱۷)

جب معدوں کے جسم میں صحت آجسوں پرستار آدمی کسی قسم کا رنج و ہردن نہ  
پڑنا ظہرین و حیوان کریں (جس طرح کدو شکر میں نکالتے چنے کا طریق اور معدوں



جائے تھی۔ کچھ تک کے طلب پر اس نگارہ کا اثر ایسا پڑا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جیسے عامل جو  
 عیسا پر اسے پہنچا تک ڈنڈہ تک تھا کہ ٹٹلی تلوار کے دیکھنے سے کانپ اٹھتا تھا۔

• مرد پھر مرد یکے میں اس قسم کے بہت سے تجربے ہوئے ہیں جنکا مفصل بیان میں  
 قسم کی تحریروں میں اس وقت شکل ہے جس پر غور کرنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قدرت میں  
 ہوا جانشین کا کام استری کے ہاتھ میں ہے جو بصوت و بدصوت نظام اندوہرا کا احاطہ  
 مرد اور عورت کی کوششوں پر منحصر ہے۔

اور نہ صرف اسے قدرت بلکہ عورت جس قسم کا در بیان کرے اسی قسم کی اولاد پیدا ہوتی ہے  
 (آریہ میگزین) صفحہ ۲۹۰۔ بیٹا اور بیٹی کی پیدائش اور بعد پیدائش کے انکی حفاظت  
 اور دنیاوی مراسم ان سبہوں کا سبب اعلیٰ عورت ہی ہے اولاد اور دھرم کا رچ اور  
 آتم سیوا اپنا اور بزرگوں کا سوسگ یہ سب عورتوں کے اختیار میں ہے (صفحہ ۲۹)  
 ڈاکٹر ول نے یہاں تک ثابت کر دکھایا ہے کہ اگر کسی کے دادا میں خون نریری کی  
 عادت ہے تو اسے اپنے پوتے میں زیدید خون سرائیت کو چاہیگی۔ (آریہ میگزین صفحہ ۲۹)  
 اور جناب اینڈو جیکسن ڈیوس صاحب نے ایک نہایت عمدہ کتاب لکھی ہے جسے جیمز  
 بنجوبی نے ثابت کر دکھایا ہے کہ چودہ بد معاش بد نرین۔ ڈاکو۔ خونخوار۔ جاہل والدین کی  
 اولاد ضرور ہی ان بد صفات سے لیس ہوتی ہے۔ نہ صرف یہی بلکہ انہیں ایسے ایسے  
 واقعات صدمہ ہیں۔ جنکی پڑھنے سے ہر ایک سلیم العقل کہہ سکتا ہے کہ اگر والدین بچا میں  
 کوشش مٹی ہوگی لڑکے لڑکیاں پیدا کر سکتے ہیں۔

تاریخ کے پڑھنے والوں نے ایک سنیا سی کا حال سنا ہوگا جس نے کہ سکندر جیسے بادشاہ  
 کی پروردہ نہ کی۔ اس کے قاصد کو کہا کہ جاسکندر کو کہہ دے کہ ڈنڈی گلا گٹا دے گا  
 مگر سکندر کی بیجا بات کبھی نہ مانینگا۔ کیا سکندر باوجود اتنی دولت و شہرت اسے اقتدار  
 کے اس کو اپنی بات ماننے میں کامیاب ہو سکا۔ وہ سکندر جس نے تمام دنیا کو فتح کر لیا  
 حالانکہ ایک مٹی کے خیالات کو فتح کر سکا۔ جواب ہوگا کہ نہیں (آریہ مسافر میگزین صفحہ ۱۸)  
 مہذب ملکوں میں اب تک انتہیک چمک کی عمدہ خوبصورت تصویریں حاصل استری  
 کے کمرہ میں لٹکائی جاتی ہیں۔ تاکہ استری کی فکر خوبصورت تصویروں پر پڑے جن کا  
 حسیان کوئے سے خوبصورت اولاد ہو۔ لہذا۔

• سب مشائیر جو اوپر مذکور ہوئی ہیں۔ قریب مسافر میگزین نے نہ سالہ  
 ۱۸ نومبر میں لکھی تھی۔ جو جتنی بیاں مشکوٰی ہوگی سکر بہت سی اندھا بین دنیا میں



موجود ہیں جس سے انہیں شمس ہے کہ اولاد کا تہمت یا بیاد خوبصورت یا بے  
صورت ہوتا صرف والدین کی احتیاط و اعتدال اور قانون ازدواج پر مشکیک ہے  
حل کرنے پر منحصر ہے۔

حکیم امام الدین صاحب ایڈیٹر آئینہ طبابت نے اپنی کتاب خط صحت و بقائے نسل  
انسان کے صفحہ ۹ پر لکھا ہے کہ قوت تخلیق و متوجہ یعنی خیال و وہم و خوشی و انہماک  
سرخ و نم کا اثر نیک و بد و عود پر منظم اچھے فعل قوت مشغولہ مدد کرتا ہے جس کے  
باعث شکل و رنگ کی خوبصورتی یا بد صورت پیدا ہوتے ہیں۔ اس واسطے صاحب احتیاط  
کو لازم ہے کہ منظم معاشرت صورت نیک کا تصور کرے۔ اور ایسی تدابیر ملحوظ خاطر  
رکھے کہ فرزند نرینہ خوبصورت ہی پیدا ہو۔ کیونکہ اکثر واقعات اس قسم کے منقول  
ہیں۔

پھر اس کے بعد انہوں نے دو تین صحیح قحطے روایت کئے ہیں۔ جن میں سے ایک  
ہے کہ ایک والد بزرگوار قوت باہ میں بہت کمزور تھا۔ اس عمر میں اس کو وارث  
پیدا کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ جیسی دو امیں کھانی شروع کیں۔ آخر وہ ہو چھلی کا طوا  
موافق کرنا۔ قوت باہ پیدا ہوئی۔ ایک عورت سے نکاح کیا وہ عورت بار و  
ہو چھلی۔ عورت کی نظر اتفاقیہ ہمسایہ کے ایک خوبصورت نوجوان پر پڑ گئی۔ قوت  
مستوریہ نے اپنا کام کیا۔ اس کے ہاں بچہ شکل صورت میں بالکل اس جوان ہمسایہ  
کے ہم شکل پیدا ہوا۔ چونکہ یہ لڑکا شکل و صورت میں بالکل اس نوجوان کے مشابہ  
تھا۔ اس نوجوان نے کسی قدر عرصہ کے بعد اس لڑکے کو آہستہ آہستہ اپنی طرف انوس  
کر کے . . . . . چھری میں دھوے کر دیا۔ کہ یہ لڑکا

تناخ کے بھال ہ ایک اور قحطی دلیل۔ بھال تناخ پر ایک اور بڑا دست دلیل یہ ہے کہ بعض بھال  
کی نسل مزائیش انسان کا اختیار ہی اس پر گھڑی کی نسل کی ترقی جبکہ منان چاہے کہ کتنا ہے  
بکھرے گئے جیسے پھر کی ترقی بے انتہا کر سکتا ہے چنانچہ تہذیب و تمدن صاحب نے بھی حساب لگا کر  
سجھا کر گئے کی ترقی کمال نہ ہو پھر کتنی ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہ و پھر جہل بھال کر جبکہ روضہ کی  
نسل کی مزائیش ہاں منان کا اختیار اس پر ہے کہ ایسا ہی ملے گی بچہ بچہ منان کے تحت  
ہے یہ تمام وہیں تعلیم دلیل میں بہت کی کہ حیوانات کی کثرت و قلت کو میں مدد جنہیں پرانہ قوت  
نہیں بلکہ پھر کر کے منان کی اختیار ہی تاہم میں مدد یہ تناخ کے منان ہیں قوی دلیل ہے جو  
پر مدد کر لے کہ یہ تناخ کے لئے ہے چاہیں یا نا چاہیں

یہاں ہے۔ بڑھا اور نور من دونوں پکری میں حاضر ہوئے۔ جو ان کو شکل وصورت  
 دے گی وہ خال کی شہادت اپنے دھبے کا گواہ دے گا۔ اور بڑھے آدمی نے اپنا سارا  
 قصہ کہہ سنایا۔ پھل کے طوے سے باہر پیدا ہونے کا حاکم کو یقین ملایا حاکم نے  
 بچہ کو دیکھا یا عرق کو دیکھا ہونے کے بعد سینہ منہ والے سے پوچھ کر سو گھبرا تو وہ بھی  
 پھل کی بوجھ موجود تھی۔ بچہ کو پیر مرد کے جادہ نکلیا۔ جان کو جبراً نشترایا۔  
 نتیجہ۔ جدت کو جانے کے بعد غسل پچھا پھر آئینہ میں دیکھے۔ یا کسی خوبصورت  
 لڑکے پہ نظر پڑے۔ تاکہ لڑکا خوبصورت پیدا ہو۔

### (دوسرا قصہ)

ایک محدث اپنے غور پر کی ہم بہتری کی وقت سانپ سے ایسی خوفزدہ ہو گئی کہ تمام  
 مراتب بوس و کنار وغیرہ طے ہو گئے۔ مگر اس کے دل میں سانپ کا ہی تصور تھا اور  
 ایسا خوف سہا کر کسی طرح نہ جاتا تھا۔ نہ گیا۔ آخر کا مدت مہرودہ کے بعد بچہ پیدا ہوا۔  
 جس کا سر آدمی کا سا اور دھڑ سانپ کا سا۔ وہ بچہ اپنی ماں کے پاس آکرستان سرودہ  
 پیتا اور گڑھے جاگڑیہ رہتا۔ ایک پچھلے ملک اسکی یہی حالت رہی جب بھوک لگتی تو  
 کا دودھ پی جاتا۔ اس پر گڑھے میں جا بیٹھا۔ آخر حاکم کے حکم سے قتل کر دیا گیا۔

### نتیجہ

استان کو پہلے کہ جگہ مباشرت ایسی جڑت کا تصور کرے۔ جو کسی بشر سے ہو  
 خوبصورت و نیک سیرت ہو۔ تو بات و تعلیمات کو دخل دیں۔ کہ ماقولوں نے  
 الوہم خلاف الثانی نکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات سیاہ آدمیوں کے  
 لڑکے گورے آدمیوں سے کالے پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ حکمران مصطفیٰ  
 کتاب ضیاء الابدان کی اسکی مصداق ہے اور وہ یہ ہے۔

### حکایت

امام فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے خوبصورت پیدا ہوتے ہیں ملک کے وکیل نے بیان  
 کیا۔ کہ میں نے جگہ مباشرت نیک صورت کا خیال کیا تھا۔ جس کے باعث ظلم  
 ایسے فکیل و جمیل پیدا ہوئے۔ لوگوں کو قہر ہوا۔ اور بعض نے جھوٹا مانا  
 اتنی وہ آدمی کہ نہیں ہے۔ بجز اس کے کہ وہ لوگ خدا کی قدرت کا خوبصورت  
 قوت سے تادانق ہیں۔

### مقولہ مصنف

میں لکھتا تھا کہ اگر کسی شخص کو فوت واپس کی کامدانی میں شک ہو تو انکو چاہیے  
 کہ کسی گاہر سے دریافت فرمائیں۔ یا خود تجربہ کر لیں۔ جیسا کہ سچے گھڑیوں پر  
 گھنٹے ڈالتے ہیں تو ان کے سامنے دوسرا خوش رنگ گھنٹا کڑا کر کے ہیں کہ جس پر  
 پھیرا اسکی شکل مشابہت اور یہی نقش و نگار پیدا ہوتا ہے جسکو نہ گھنٹی کے  
 ٹنگ سے مشابہت ہوتی ہے نہ کوئی مشابہت معجب سوائے زیادہ کے قیصر  
 نہیں ہوتا۔ تو مطابق مثل مشبہہ کے ظہور میں آگے مثل میں پر پوت چاہیے گھنٹا  
 بہت نہیں تو تو تھوڑا اٹھنا۔

مخفی نہ رہے کہ اثر فرحت و خوشی و شادی و خوشی کا بھی مولد پر ہوتا ہے مین  
 اگر وقت وقار مرد و عورت شاد وین و فرحان مباشرت کی طرف متوجہ ہوں گے۔  
 اور سامان عیش و عشرت کا مہیا ہوگا۔ تو امید ہوتی ہے کہ فرزند خوبصورت و جمیل  
 نفیس ازواج پیدا ہوگا۔ اور برعکس صورت میں برعکس۔ نتیجہ قول۔

پھر کہ یہ مسافر میگزین اپنے رسالہ نومبر سن ۱۹۰۷ء کے صفحہ ۴۴ میں لکھتا ہے کہ جب عورت  
 مرد کا دل پر اس قدر اثر ہوتا ہے تو عورت یا مرد کے جذبات ہوتے ہوئے۔ جھگڑاؤ اور  
 فساد ہوتے ہوئے کیوں نہ اس قسم کی اولاد پیدا ہو جائے۔ اور وہ بھی  
 ایک جگہ لکھتے ہیں کہ اگر عورت مرد سے محبت نہ کرے اور خاندان عورت سے محبت نہ  
 کرے۔ تو کسی طرح بھی اولاد پیدا نہیں ہو سکتی۔ اور بواہ کا مطلب بالکل غلط  
 ہو جائیگا۔ نتیجہ۔

اور پھر صفحہ ۲۶ میں لکھتے ہیں کہ ڈاکٹروں کے تجزیوں اور معمولی مشاہدوں نے اس  
 مسئلہ کی بھاری تائید کر دکھائی ہے کہ انسانوں میں بہت سی بیماریاں مرد و بیوی ہوتی  
 ہیں اسی واسطے منوجی مہراج ادھیاس میں فرماتے ہیں کہ اگرچہ گناہ اور بکری والے  
 عدلت وغیرہ کی ان میں کثرت ہو تو بھی ان خاندانوں میں بواہ نہیں کرنا چاہیے۔ نتیجہ  
 جس سے انہر لکھتے ہیں کہ اگر ان قوانین کی تعمیل کی جائے تو پھر مرد و بیوی یاں  
 ہوگا و توح میں نہیں آسکتیں نہ مرد و بیوی صفات عجیبہ مرد و بیوی متضاد ہو سکتیں اور  
 اسی وجہ سے تمام مرد و بیوی امراض اور روحانی و جسمانی اسقام کا موجب صرف ملازمت  
 اور دوا کی مخالفت ہے وہیں۔ اور صرف قدرت کے قوانین کی خلاف ورزی  
 میں نقصان و فتنہ کا باعث ہر ذکر یہ کہ عدم تعمیل یا پچھلے جنم کی عیب کی سزا۔

اور پھر کہ یہ مسافر میگزین اپنے سن ۱۹۰۷ء نومبر سن ۱۹۰۷ء کے صفحہ ۴۴ میں

مناسب طہ پر شادی کو ملے اور بچپن کی شادی سے روکتے ہوئے تھے ہیں۔ کہ اس  
 دنیا میں اصلی خوشی صرف اُس وقت ہو سکتی ہے۔ جبکہ شادی کی پاک اور روحانی  
 آئین کو ٹھیک ٹھیک چلایا جائے۔ یہاں اس مضمون پر مفصل بحث کی ضرورت  
 نہیں ہے مگر اس امر کا اظہار کر دینا غیر موزون نہ ہوگا۔ کہ ہماری مجلسی اصلاح کی  
 تمام کوششوں کا کسی وہ سری طرف رجوع ہونا محض بے سود اور رائیگانہ ہوگا  
 کیا آپ کبھی توقع کر سکتے ہیں کہ موجودہ خلاف قانون قدرت۔ ان سیل اور بیلا  
 شادیوں سے جو والدین سے جادو خاندانی فریقین زبردستی گانٹنی جاتی ہیں۔ سوامی  
 جیسا بہادر اور اعلیٰ دماغ اولاد پیدا ہو سکے سے اس خیال بہت دھمال ست و جنون  
 تعلیم و تحقیق۔ تربیت و صحت۔ انسان کے صرف ظاہری اوصاف و اطوار کو ایک  
 خاص ڈھانچے میں ڈھال سکتے ہیں۔ لیکن اس کے دیر پا عیسق اور مغلی کیر پھر پینے  
 سوروشی جبلی اوصاف پر جو بہادرے دل کے ساتھ روانہ رہتے ہیں جو ہم نے  
 شیر مار کے ساتھ پہنے ہیں۔ جو ہماری بیٹیوں۔ شریاؤں۔ خون اور رگ و ریشہ  
 کے ساتھ مراثت میں لے ہوئے ہیں۔ تعلیم و تربیت کا بہت ہی کم اثر ہوتا ہے  
 آپ یقین رکھئے کہ جس باری میں ہماری سوسائٹی مبتلا ہے۔ اس کا صحیح علاج  
 فریاد و جھیل علاج ہے۔ مراد یہ ہے کہ جب تک ہمارا جسم احاس کی اندرونی و  
 بیرونی ساخت آئین قدرت کے پورے طور پر مطابقت نہیں پہنچتی۔ تب تک ممکن نہیں  
 کہ ہم مانی دماغ عالم اور دل ٹھرنے کے بہادر ہو سکیں۔ موقوفہ مناسب کسی ذاتی  
 نقصان یا خطرے کے وقت دامن صداقت اٹھنے سے نہ چھٹیں اعلیٰ خدا۔ (ترجمہ)  
 اسی علاج سے تمام مجلسی خرابیوں کی نیچائی ہو سکتی ہے یہ وہ علاج ہے جو انسانوں  
 کو روز پیداائش ہی سے حمیدہ کر دیتا ہے اور یہ بات اس وقت میسر آ سکتی ہے۔  
 جبکہ بجائے جابرانہ تربیت ہمیں اور رسی شادیوں کے آئین ایزدی و قانون خدا  
 کے مطابق پاکیزہ مبنی پر صداقت اور ماقبلانہ شادیاں کجیا کریں۔ گران  
 قوانین کی احتیاط سے پابندی کی جائے۔ تو اس دنیا میں ایسی خوشحالی  
 و غری اور صحت و ری چاروی طرف نظر آنے لگے۔ کہ جو پہلے کبھی نصیب  
 نہ ہوتی ہوگی۔

دنیا میں والدین جتنا اور بچے پیدا کرنا ایک بہادری ذمہ وادی ہے  
 کہ جس کے برابر اور کوئی ذمہ وادی نہیں ہے۔ ایک دانا اور سمجھدار آدمی

کے لئے ایک بچہ کی پیدائش اور تسلیم و تربیت ہم اور بڑے نادک فرماؤں  
 ہیں۔ جو صاف ظاہر ہے کہ اگر اس بچہ کے قواعد جسمانی صحیح و سالم نہ ہوں  
 گئے۔ ٹھیک ٹھیک نشو و نما نہیں ہوئے یا اس کی تعلیم و تربیت میں  
 نقص رہ جائیگا۔ تو بعد خلق سب کو عذاب پہناتا پڑے گا۔ مگر کتنے والدین  
 ہیں جو اپنی اس ذمہ داری کو اس پیرایہ میں سمجھتے اور محسوس کرتے ہیں و  
 کہتے ایسے بچے ہیں جو والدین کی آئین قدرت کے مطابق شادیوں سے  
 پیدا ہوتے ہیں۔ یعنی ایسی شادیوں سے جو باہمی رضامندی و خراج و مذاق  
 کی قابیلیت اور دیگر اوصاف کی مناسبت اور صاف دلی سے ہوئی ہوں  
 کتنے ان میں سے شہوت اندھا دھند حرکت اور بالکل اتفاقیہ صحبت کی  
 پیداواریں ہیں۔ انتہی۔

بات یہ ہے کہ نیک بخت۔ عقلمند۔ مالی و ماغ۔ تندرست اور بشاش بچوں  
 کے پیدا کرنے میں انسانی تدابیر کا ہر ایک دخل ہے کہ انسان ان قوانین قدرت  
 کی انگریزوی کرے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کی بہترین قسمت کے لئے مقرر فرما  
 رکھے ہیں تو آئندہ نسلیں بالکل تندرست۔ صحیح و سالم۔ مالی و ماغ اور صاف دلی  
 پیدا ہو سکتی ہیں چنانچہ اس مسئلہ کے بارہ میں طبی کتاب میں بھر رہی ہیں۔ اور حال ہی میں  
 مہر خاں حبیبہ اخبار لاہور میں ایک کتاب اس علم کی چھپی ہے۔ دیکھا ہم نیک بخت۔ عقلمند  
 تندرست اور بشاش بچے اپنی کوشش سے پیدا کر سکتے ہیں ایسے کتاب کے مطالعہ کرنے سے  
 خدا تعالیٰ کے وسیع قانون قدرت اور حکمت شان کا پتہ لگتا ہے اور ثابت ہو جاتا ہے  
 اگر انسان ان قوانین کی تعمیل کرے اور آئین قدرت کا خیال رکھے تو ایک لڑکا بھی بہ  
 صحت۔ مریض۔ آپاچ اور ملاحق پیدا نہیں ہو سکتا اور نہ صرف اس قدر بلکہ والدین کی  
 نئی بیوی تو ان غیر متبدل مقرر فرمائے ہیں جس سے اولاد نرینہ یا لڑینہ پیدا کرتا والدین کے  
 اختیار میں ہو جاتا ہے اگر ان قوانین کی ٹھیک ٹھیک بڑی کیجائے تو عساکر خود لڑکا یا  
 لڑکی جنسہ ضرورت پیدا کر سکتا ہے اور والدین کی کسی قدرت و اسدہ اور حکمت و افقہ  
 بہ ولایت کرتا ہے اور اس کے قوانین کی اعلیٰ حد تک کی خوبی یہ کہ اگر وہ دنیا میں جو کچھ  
 یا مرد زیادہ ہو جائیں تو حسب ضرورت دوسرا فریق بھی اسی قدر اس کے موافق ہو جائے گا  
 قدرت کی پیروی کر کے پیدا کیا جائے گا۔ جیسا کہ کتاب کے لئے نقل جنس کے صورت  
 میں اس لکڑ کتب طب میں جس لکڑ کتب میں ان قوانین کے لئے ہیں۔ جہدہ پور و ماغ

رحیم پال صاحب شیدا ایڈیٹر رسول ٹریڈنگ کمپنی نے ایک انگریزی کتاب کا ترجمہ کیا ہے جس کا نام ہی اختیار تو لیا ہے جو دفتر سپلائی خاں لاہور میں چھپی ہے اور کتاب صحت منسلک نذر و نافع میں اس کے قواعد و اصول لکھے ہیں۔ پس اگر یہ قواعد واقعی ٹھیک اور نہ صحت کے قابل ہیں تو تنازع کے بطلان میں شبہ ہی کیا ہے جو ہر ایک جاندار کی پیدائش سابقہ اعمال کے جنم کی وجہ سے قرار دینا ہے۔

اوپر جس قدر بیان ہوا۔ اس سے اظہارِ احساس ہے کہ ہر ایک لڑکے یا لڑکی کی پیدائش ان کا قوی یا ضعیف ہونا۔ جوانی۔ و ماغی۔ اور ذہنی قوائے کی ساخت۔ مزاج کی حالت۔ طبیعت کا میلان۔ اعتدال یا بے اعتدالی صرف اس مادہ منویہ پر موقوف ہے جو انسان رحم و عورت میں ڈالتا ہے اور اس کے بعد ان کے خون حیض کے اعتدال اور قوت اور عجزگی پر اور پیدائش ہونے کے بعد اذہبہ و اشربہ اور قانون قدرت کے موافق مناسب احتیاطات پر یہ سنت اللہ غیر متبدل ہے اس میں کوئی فرقہ مستثنیٰ نہیں نہ کسی کی رعایت ہے کوئی رعبہ یا عیسائی۔ یا مسلمان تو انین قدرت برابر اپنا کام کئے جاتے ہیں اور جیسا مادہ ہوا کسی قسم کا قالب قدرت بنا دیتی ہے اب جب یہ حال ہے تو اس سے اظہارِ احساس ہے کہ وہ کی تعبیل اور سابقہ جنم کے اعمال اور تنازع کو ان باتوں سے کوئی تعلق نہیں جو شخص تو انین قدرت کا اتباع کرے۔ اپنی اولاد کی جیسی اور روحانی اور و ماغی قوی کو عجزہ حالت میں بنا سکتا ہے۔ جو شخص تو انین قدرت کو توڑ بیٹھتا ہے اس کا خیال نہ رکھے گا وہ واجبی نقصان اٹھائے گا۔ اس قانونِ الہی میں مطلق تبدیلی نہیں ہے اور سب کے ساتھ یکساں سلوک ہوتا ہے۔

جو شخص جو فرد اور جو قوم قانون قدرت کی اتباع کرتی ہے بر خوردار ہوتی ہے اور جو قانون قدرت کے برخلاف چلتی ہے اس کا خمیازہ بھگتنی ہے اس بات کے لئے بڑا دلائل کی ضرورت نہیں ہے تجربہ اور مشاہدہ اس کا شاہد ہے۔ اور دیکھ کر غافل ہونے کی گنجائش نہیں رہے تو وہ بر خوردار اور کامیاب رہیں گی۔ اور اگر ساری دنیا بچے دلی سے وید کی اتباع کرتی ہے مگر تو انین قدرت کا خیال نہ رکھے اور بے احتیاطیاں کرے

لے چلتی ہے تو اس کی حالت میں کچھ نہ کچھ کے جنم کے لایع حال سے عورت اور مرد کے جنم کے باقی عمل پر مریدانہ چلنے سے اس بیان سے بات باطل غلط و تنازع باطل ثابت ہو جائے +

حکومتِ صحت کے قوانین کا خیال نہ رکھے۔ قانونِ ازدواج کی خلاف ورزی کرے۔ طبی  
تعمیلات اور صحیح اطعمہ اور کامل اخلاقت نہیں پرکھتی، غرضیکہ یہ بات ہی مجددِ اہلِ اسی  
کو کس درجہ کی تعمیل یا عدم تعمیل، تنازع یا عدم تنازع وغیرہ سے کوئی تعلق نہیں ہے +  
خدا تعالیٰ کی فعلی کتاب (قانونِ قدرت) کے خلاف کرنے سے اکثر اسی دنیا میں سزا  
مل رہی ہے اور خدا تعالیٰ کی قولی کتاب (قرآن مجید) کی مخالفت کرنے سے قیامت کے  
دن سزا ہوگی۔ وہاں اصلِ حق من حیثہ حق من لفسد۔

پس انسانی نسل کا بصورت یا پانچ یا نا تعصِ اخلاقت وغیرہ ہونا خدا تعالیٰ کی فعلی  
کتاب کی مخالفت اور قانونِ قدرت کی خلاف ورزی کی وجہ سے تو ضرور ہے اور اسے  
کرموں کا پھل بھی کہا جاسکتا ہے۔ یوں اس تنازع اور گزشتہ جنم کے اعمال کی سزا اور  
دید کی مخالفت وغیرہ سے کوئی بھی تعلق نہیں ہے۔

اس کے پیش میں نفع موافق قانونِ قدرت کے متقرر پذیر ہو جاتا ہے اور کچھ  
بدرجہ نشو و نما پالے لگتا ہے۔ مگر نہ اس وجہ سے کوئی روح ابھی ایک قالب کو  
چھوڑ کر دوسرے جنم میں پرنے کے لئے تقاضی و متقاضی ہے اس لئے کسی عورت کو حمل  
ہوتا ہے بلکہ حمل پہلے قانونِ قدرت کے موافق ہوتا ہے اور تکمیلِ خلقت جنین کے  
بعد اس میں روح پڑتی ہے جیسا کہ تجربہ اور مشاہدہ شاہد ہے۔

پس پنڈت دیانند جی کا استیارتہ پرکاش میں یہ لکھنا کہ روح اپنے اعمال کی تاثیر  
سے گھومتی ہوئی کسی پتے وغیرہ پر لگی ہوتی ہے اور حاملہ عورت اس کو کھا جاتی ہے تاکہ  
ایسا قول ہے۔ جسکی تصدیق قانونِ قدرت اور عقل اور نقل و برزخ نہیں کر سکتی۔  
جنین کے قالب میں روح پڑنے کے لئے ہر وقت مقرر ہے رحم میں لطف پڑنے کیلئے  
جدا قانونِ قدرت ہے یہ کیا ضرور ہے کہ جس وقت کوئی عورت حاملہ ہو اس وقت کوئی  
شخص مرے یا خدا کو مارنا چاہے۔ تاکہ ایک حاملہ عورت اُسے کھائے اور نیا بچہ پیدا ہو۔  
یا جس وقت کوئی شخص مرے ضرور اُسی کے بعد کوئی شخص اپنی عورت سے مباشرت کرے  
اور اس کو خود بخود قانونِ قدرت چاہے یا نہ چاہے حمل ہو جائے یہ دونوں باتیں منطوق  
نیایات کا نقشہ ہیں۔

لے یہ جو قرآن کریم میں کھلے نقل کل یکن عند اللہ کہہ دے کہ جب اللہ کیطرت سے ہے۔ یہ  
جو جملہ اصلِ حق اور وضعِ قانونی ملک یہ ہم پرین پہننے کے ہے۔

خدا تعالیٰ عجز فیض ہے جس وقت کوئی محدث بارہ ہوگی۔ اور جنین روح  
 اندہ ان کا متقاضی ہوگا۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے اس پر روح کا اضافہ ہوگا۔ (روح روح کے  
 حدوث کی بھی بدیہی دلیل ہے) ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اگر کسی محدث کو حل ہو گیا ہے اور  
 مدت معینہ کے بعد جنین میں روح پڑے گا وقت پہنچا ہے اگر کوئی شخص اب تک مر نہیں یا  
 کسی میوہ میں نے اپنا حیدوانی قالب چھوڑا نہیں تو اس حل کو ساقط کر دے اگر ایسا ہوتا  
 تو دنیا میں نئی روحوں کی انتظار میں خدا تعالیٰ کو ہزار ہا حل پر روز ساقط کرنے پڑتے اور  
 دنیا میں سخت گڑ بڑ پڑ جاتا۔ تاہون قدرت بالکل بقیاد ہو جاتا اور کمال چائی پھیل جاتی۔  
 اے سوام پڑے نندے دایاں فلسفہ اور براہین طبیہ سے دعویٰ کرنے میں کہ ہرگز کسی  
 جنین میں سابقہ قالب کی روح پڑی نہیں سکتی۔ اس لئے کہ جو نطفہ زید کی بیوی ہندہ کے  
 رحم میں قرار پا گیا ہے اسکی تاثیر خاصیت زید اور ہندہ کی مزاج و طبیعت کے موافق ہے  
 انہی کے اخلاق۔ مزاج۔ طبیعت۔ شکل و صورت اور قوائے وغیرہ سے اس لئے حصہ لینا  
 ہے جو خدائیں وہ کھا رہے ہیں انہی کے تاثیر کے موافق اس جنین کے مزاج کا اٹھان  
 اور طبیعت کا میلان ہوگا۔ اگر نطفہ قوی اور معتدل ہے تو بچہ بھی قوی اور معتدل المزاج  
 اور صحیح القوائے پیدا ہوگا۔ اور اگر نطفہ کی خاصیت افراط تفریط کی طرف مایل ہے  
 تو بچہ بھی کمزور اور ناقص الخفیت یا ضعیف القوائے پیدا ہوگا۔ خواہ اس میں کوئی سی  
 روح پہلے جنم کی ڈال دی جائے۔ بچہ کی نفسانی و فرائی کیفیت نطفہ اور غذا کے  
 موافق ہوگی۔ نہ کہ روح کے اعمالی مقتضیہ حالت کے موافق۔ چونکہ آریہ کے قول کے  
 موافق خدائیت سے ہستی نہیں کر سکتا۔ نہ کسی چہر کا سبب اور خاصیت بدل سکتی  
 ہے اس لئے نطفہ کی مزاج و طبیعت کی تاثیر و خاصیت ہرگز نہیں بدل سکتی۔ خواہ روح  
 کیسی ہی بُری یا بھلی ہو۔

پس اگر اس نطفہ کی حالت قوی اور معتدل ہے تو درے ہوئے بکر کی روح  
 اس میں ڈالنے سے بچہ کو نہ غیر معتدل المزاج نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ اس روح کا تقاضا ہے۔ اور اگر نطفہ  
 کا وہ ضعیف و غیر معتدل ہے تو خدائے کبک روح اس میں ڈالنے سے بچہ قوی اور معتدل المزاج  
 نہیں ہو سکتا۔ خواہ لاکھ کوشش کی جائے۔ غرضیکہ بدن کی بناوٹ اور مقتضیہ حالت  
 روح سے اپنی مزاج و طبیعت کے موافق اعمال سمندر کو لئے گی۔ ہرگز  
 نہیں ہو سکتا کہ روح بدن سے اپنے اعلیٰ حالت کے موافق افعال و افعال مزید کرانے۔  
 بدن روح کی سواری یا اسد و افعال ہے سوامی بالکل وہی اور نئی ہو۔ یا





تاسخ ہی ٹھیک ہو سکتا ہے۔

قانون قدرت پر غور کرنے والے۔ علت و معلول کے سلسلہ پر نگاہ ڈالنے والے طب  
 و حکمت کے روضہ کھینچنے والے خوب جانتے ہیں اور تجربہ وار مشاہدے دیکھتے ہیں کہ قانون قدرت  
 میں مادہ منسوبہ کی بیانتک تاثر نہیں کہ ایک بچہ کی شکل و مشابہت عمر بچپن میں باپ یا بچہ  
 وغیرہاں باپ اور قرابتوں کی شکل کے ساتھ مشابہ ہوتی ہے اصل اخلاقی اور ذاتی اوصاف  
 میں بھی اپنے ماں باپ کے اوصاف کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔ جیسے اس بچہ کا مادہ  
 پیدائش (نطفہ) مانناپ کے نطفہ کا مجموعہ ہے اسی طرح اس بچہ کی عادات و اخلاق صورت  
 شکل اور جسمی حالت عموماً ماں باپ کے اخلاق و اوصاف اور صورت و شکل سے حصہ لیتی  
 ہے۔ باپ کا نطفہ غالب ہے تو صورت و شکل وغیرہ میں اس کے ساتھ غالب مشابہت  
 رکھے گا۔ بچہ کا لڑکی یا لڑکا ہونا بھی اپنی خاص قدرتی اسباب کی وجہ سے ہے پس جب  
 اولاد کی صورت و شکل خلق و سیرت میں مانناپ کی صورت و سیرت کی مشابہت برابر  
 قائم رہتی ہے اور بچوں کا بد صورت یا خوب صورت یا خاص شکل و مشابہت کا ہونا بھی  
 والدین کی صورت و سیرت اور قدرتی حالت پر منحصر ہے اور جیسے مانناپ عموماً دیسی نژاد  
 ہوتی ہے یورپین کی گندی اور افریقین کی کالی (بشرطیکہ آب و ہوا تغیر نہ ہو جاسکے)  
 یا کوئی اور قدرتی باعث غالب نہ آجائے تو ظاہر ہے کہ بچہ کی مختلف حالتیں ان کا  
 خوبصورت یا بد صورت ہونا۔ ان کا بیمار یا تندرست رہنا۔ یہ سب امور بھی مانناپ کے  
 نطفہ کے خاصہ و حالت پر منحصر ہیں۔ نطفہ میں مٹی مادہ زیادہ ہوگا تو بچہ کا مزاج کھنسی  
 ہوگا۔ صفراء زیادہ ہوگا تو مزاج صفراوی۔ ہرست کا مادہ زیادہ ہوگا تو مزاج یا  
 بس۔ وعلیٰ ہذا۔ مادہ انسانی (نطفہ) خدا تعالیٰ کے غیر متبدل و غیر متغیر قانون کے موافق  
 جس صورت۔ سیرت۔ خاصیت اور حالت کی پیدائش کا مقتضی ہوگا۔ خدا تعالیٰ ویسا  
 ہی بچہ پیدا کرے گا۔ وہ مادہ کی مقتضی حالت کو ہرگز نہیں بنائیگا۔ نہ وہ کسی طرح  
 کا ہرگز کرے گا۔ خلق تجدد لسنف اللہ قبدیلہ۔ ولن تجد لسنف اللہ قبدیلہ۔  
 تو ہرگز قانون الہی کو بدلتا ہوا نہ پائیگا۔ اور تو بھی خدا تعالیٰ کے ازلی طریقہ  
 کو چلتا ہوا نہ دیکھے گا۔

جنین کی بدنی حالت رحم مادہ میں حالتیں بدلتے ہوئے سنت و شریعت کے موافق جب  
 ایک خاص مادہ پہنچتی۔ جو انفرادی روح کے لئے مقتضی ہے۔ یہ فیضی اس پر  
 ہے بشرطیکہ قانون قدرت اس کے موافق عمل کرے۔

مرد کا اٹھنا نہ کر دیا۔ لیکن جنین کی بدنی حالت کی نسبت خدا تعالیٰ ہرگز جبر نہیں کرے گا۔  
 کہ جس کی حالت اور خلق کے برخلاف ہے مادہ آفرینش جنین جس صورت میں  
 شکل اور خلق و صورت کے لیے کی پیدائش کا مقتضی ہوگا۔ کہ کائنات قضا و قدر و سیاحتی  
 کے پیکر بنے۔

مگر جنین کا مادہ آتشک زدہ ہے۔ اور نطفہ میں آتشک پیدا کر خدائے اعجاز و  
 میں تو کلام کائنات قضا و قدر اس بیج کے موافق و سیاحتی بنا دینگے۔ والدین کے نطفہ میں  
 سل یا دق یا فقرس یا اعطراہ وغیرہ امراض پیدا کر خدائے اعجاز و قدر موجود ہے تو کچھ میں  
 بھی وہ اجزا برابر رہیں گے۔ مگر برص کا مادہ موجود ہے تو کچھ برص ہوگا۔ جذام کا مادہ  
 موجود ہے تو جذامی۔ کسی عضو کی پیدائش کا مادہ نطفہ کے اجزا میں شامل نہیں اس  
 لیے کہ والدین نے خدائے عظیم و عسی نہیں کھائیں۔ جو اس خاص عضو کی پیدائش یا اسکی  
 تکمیل پیدائش کی مقتضی ہو سکیں تو لڑکا ادھورا۔ اندھا۔ لولایا فلکڑا ہوگا۔ اور  
 بعض اوقات حالت حمل میں جو قاع کی وجہ سے اسکی آٹھ یا کسی عضو کو خلیہ منہ پہنچ  
 جائیگی۔ تو لڑکا اس طرح اپنا بچ ہو جائیگا۔ غرض کہ کچھ میں طرح ماں باپ کے پیٹ سے  
 پیدا ہوتا ہے۔ قانون قدرت کے سلسلہ طے و معلول کے موافق شیک اسی طرح ہر  
 کچھ کو پیدا ہونا چاہیے تھا۔ اور اسی قسم کا کچھ پیدا ہوتا ہے خدا جبراً نہ بد صورت اور  
 بیمار پیدا ہونے کے لائق کو خوبصورت اور تندرست بنادیتا ہے نہ تندرست اور  
 خوبصورت پیدا ہونے والے کو بد صورت یا بیمار کر دیتا ہے۔ کہ یہ اسکی مشیت اور  
 انصاف کے برخلاف ہے۔

حضرت امیر اسی بات کی مقتضی ہے اور تجربہ اور مشاہدہ اس بات کا شاہد ہے  
 خدا تعالیٰ کے مقربہ مخالفین کسی کے بدلنے سے بدل نہیں سکتے۔ ولین تجزئ لسنفت اللہ

تبدیل۔  
 کیا یہ ممکن نہیں کہ پچھلے جنم میں روح کے جس قسم کے  
 اعمال ہوں اُن اعمال کے موافق رحم میں جہنم کا ڈھانچہ  
 کمزور یا صحیح یا ناقص وغیرہ پیدا ہوتا ہو۔  
 ایسا ہرگز ممکن نہیں اس لیے کہ انسانی بدن کا ڈھانچہ اسکی قوت و ضعف

صفات و خواص بعض اس مادہ منویہ اور غذا پر موقوف ہیں جو ماں باپ کے لطف کے تیار ہونے سے دیگر جسم میں پڑنے اور پھر بچہ کے رحم سے پیدا ہونے تک کھاتے ہیں اور بچہ کی شکل اور صکوت اور رنگ اور نقوش یا تو مادہ منویہ پر موقوف ہے یا ان قوانین قدرت پر جو اس بات میں دخل رکھتی ہیں اور قوت متصورہ کے مہربان محال ہیں۔

جب یہ صورت سے تو کبھی کوئی روح تنازع کے طور پر کسی ایسے جسم میں ہرگز داخل ہو ہی نہیں سکتی۔ جبکہ مادہ کی تاثیر اور جسم کی شکل و صورت۔ قدر و قیامت اس کے خلاف کی متعقبات ہے (جیسا کہ اوپر تفصیل کی گئی ہے)۔

زبان عرب میں اصطلاحاً پیدائش کیلئے وہ الفاظ مستعمل ہوتے ہیں ایک تولد و دوسرا تولد و نیاپ سے پیدا ہونا تو اولد کہلاتا ہے اور بلا مواصلت والدین کے پیدا ہونا تو تولد۔ اس اصطلاح کی توجیح پنڈت دیانند صاحب کی کتاب ستیا رتھ پرکاش سے خوب ہوتی ہے پنڈت صاحب مہموں اپنی کتاب کے صفحہ ۴۸ میں لکھتے ہیں "آنانج سے ہر مرقا بیرون سے جسم بنتا ہے۔ شروع آفرینش میں مخلوقات مواصلت سے پیدا نہیں ہوئی۔ کیونکہ پرما تاج مرد و عورت کے اجسام بیکٹوں میں حیوون کا ملاپ کر دیتا ہے۔ تب مواصلت سے پیدائش ہوتی ہے۔

اور پھر صفحہ ۵۵ میں لکھتے ہیں "آنانج آفرینش میں حیو کے اجسام وغیرہ کو ایشو ر بناتا ہے جدہ بچے وغیرہ پیدا کرنا حیو کا کام ہے۔

پس ایشو کی طریت سے جو اجسام بلا مواصلت وجود میں آتے ہیں اس قسم کی پیدائش کا نام تولد ہے۔ اور باپ کی مواصلت سے جو اجسام پیدا ہوتے ہیں اس قسم کی پیدائش تولد دوم اب فلسفہ حق کے رو سے تولد کے بغیر کسی پیدائش ممکن ہی نہیں جس میں ایک انسان روح کے عالم کے متعقبات جنم و مہار کو۔ تولد ہی میں اسد تعالیٰ احوال کے موافق جنم دیتا ہے کہ اس میں نونہل جسم میں قوت و صفت اور پیدائش کی تکمیل و نقصان کر سکتا ہے بغیر تولد کے تولد کے جسے اجسام کو کر مہل نونہل جنم دینے ممکن ہی نہیں کیونکہ تولد کے اندر یہ سے اجسام انسانی کا قوت و صفت۔ نفسی تاثیر اور ماں باپ کی تربیت وغیرہ پر کبھی موقوف ہوتا ہے اور خدا عالم نہیں کہ مادہ منویہ کی تاثیر تو اولد قسم کے جسم انسانی کو متعقبات ہو۔ اور خدا تعالیٰ روح کے احوال کے موافق جسم کو اور طرے پر۔ بجا اثر دے یا سنوار

مگر اجسام انسانی کا امتحان یا کمال - قوت یا ضعف - وغیرہ اعمال مدد کے تحت، چنانچہ  
خواہ مدنیہ کی خاصیت مدد تاثیر جنین کی نگہداشت یا عدم احتیاط بڑی یا چھوٹی طرف سے  
شادی کو کمال اجسام انسانی پر کچھ اثر نہ ڈال سکتا۔ بلکہ ہر حال میں تقابلی انسانی اعمال  
مدد کا تابع ہوتا۔ ازہد لہجے کے قوانین معاشرت کے آئین و جنین کی عود و پرداخت  
وغیرہ کسی قسم کا اثر پر یا نیک نہ ڈال سکے۔

لیکن طب کی کتابوں میں ہر حکم کے اقوال اور ہڈت دیانند صاحب کے عقاید سے اظہار  
میں شمس ہے کہ جنین پر گزشتہ اعمال کا کوئی اثر نہیں بلکہ جنین کی قوت و صنعت کمال  
و نقصان وغیرہ سب مادہ منویہ اور قانون ازہد لہجے کی مخالفت یا موافقت اور  
پیدا کیش موجودہ کا نتیجہ ہے۔

ہڈت دیانند صاحب کتاب سیارہ پرکاش مترجمہ للادرا داکشن صفحہ ۱۰۱ میں کہتے  
ہیں۔ آٹھویں - نویں اور دسویں برس میں بیاہ کرنا بے فائدہ ہے کیونکہ سلاہیں برس  
سے چھ بیسویں برس تک مرد کی مٹی پختہ - جسم طاقتور - صحت کا دم پورا اور جسم بھی  
زوردار اور ہتاسا ہے اور مجددہ اولاد ابھی ہوتی ہے۔  
اسی صورت میں کھانا مناسب وقت سے کم عورت مرد کے لئے حل نہیں ہوتا  
بلکہ تھیں و منظر کی چھٹی کتاب اششرت میں منع کرتے ہیں۔

پچیس برس کے کم عمر کے مرد سے سولہ برس سے کم عمر کی عورت کو حل ٹھیکرے وہ منہجیت میں  
پڑتا ہے چھ پودے وقت تک ہم میں مدد کر پیدا نہیں سزا دانا اگر پیدا ہو تو بہت عرصے  
تک زندہ نہیں رہتا۔ یا اگر زندہ رہے تو اس کے اعضا کمزور ہوتے۔ اس سبب سے  
کم عمر عورت میں حل نہ ٹھیکر یا جائے۔

ایسے ایسے شاعروں کے قواعد اور قوانین قدرت کے مشاہدے اور غور و فکر کرنے سے  
یہی ثابت ہوتا ہے کہ سولہ برس سے کم عمر عورت اور پچیس برس سے کم عمر کا مرد کبھی حل نہیں ہوتا  
کے قابل نہیں ہوتا۔ ان اصولوں کے برعکس جو کرتے ہیں تکلیف اٹھاتے ہیں۔ نتیجہ بظن

پھر پنڈت صاحب موصوف ستیارتھ پرکاش صفحہ ۱۱ میں لکھتے ہیں مرد ویرہ دان اور  
صحت ویرہ کرشن کا جو قاعدہ ہے اس کے مطابق عمل کریں۔ جہاں تک بنے دان تک  
بروم چہرے کے ویرہ تو بے فائدہ نہ ضائع کریں۔ کیونکہ اس ویرہ یا سیرج سے جو جسم بنتا  
ہے وہ بے نظیر اولاد ہوتا ہے۔

پھر پنڈت صاحب صحت صفحہ ۱۰ میں لکھتے ہیں جو خاندانی نیک فال سے محروم اچھے آدمیوں  
سے بہا وید کے مطابق سے روگردان ہوں جن کے جسم پر بڑے بڑے بال ہوں۔ جن میں  
میں بوا سیرت پوق دومرہ کھانسی۔ بدھنمی۔ مرگی۔ سفید خزام۔ اور لالہ طلع جزام  
ان خاندانوں کے لڑکے یا لڑکی کے ساتھ بیاہ نہ ہونا چاہئے۔ (اور حیا ۳۱ شلوک ۷)  
کیونکہ یہ سب نقص اور بیماریاں بیاہ کرنے والے کے خاندان میں بھی داخل ہو جاتی ہیں  
اس لئے اچھے خاندان کے لڑکے اور لڑکیوں کا آپس میں بیاہ ہونا چاہئے۔ انھنے۔

پھر پنڈت صاحب صفحہ ۱۲ میں لکھتے ہیں لڑکے اور لڑکی کے اختیار میں شادی ہونی چھی  
ہے اس میں مخالفت کم ہوتی ہیں۔ اور اولاد عمدہ ہوتی ہے۔

پھر پنڈت دیارتھ صاحب ستیارتھ پرکاش کے صفحہ ۱۱ میں لکھتے ہیں جب محل اختیار  
ہو جائے تب سے ایک سال تک مرد و عورت کبھی صحبت نہ کریں۔ کیونکہ اس طریق سے اولاد

عمدہ اور پھر دوسری املا بھی ویسی ہی ہوتی ہے وہ نہ ویرہ بقایہ ضائع ہونے سے دوسرے  
کی عمر کم ہو جاتی ہے اور کئی اقسام کے امراض پیدا ہو جاتے ہیں لیکن آپس میں گفتگو وغیرہ  
صحت آمیز سلوک دونوں میں ضرر درجھا چاہئے۔

مرد ویرہ کو قائم رکھے۔ اور عورت محل کی حفاظت کرے اور کھانا پینا اس قسم کا  
کرے کہ جس سے مرد کا ویرہ خواب میں بھی زایل نہ ہو۔ اور محل میں لڑکے کا جسم نہایت عمدہ۔  
خوبصورت۔ مضبوط۔ توانا اور طاقتور ہو کر دسویں ہینہ میں پیدا ہو۔ خاصکر اس کی حفاظت۔  
چوتھے ہینہ سے اور اس سے زیادہ توجہ کے ساتھ آٹھویں ماہ کے بعد کرنی چاہئے۔ جب اولاد  
پیدا ہو تب عورت اور لڑکے کے جسم کی حفاظت بہت احتیاط سے کرے۔ ساتھی۔

مذکورہ بالا بیانات ستیارتھ پرکاش سے انظر من الشمس ہے کہ انسان کا قلب روح  
کے اعمال سابقہ کے موافق ہرگز نہیں بنتا بلکہ یہ سارا اعمال باپ کی احتیاطات اور  
قانون مذمتی کی مخالفت و موافقت پر منحصر ہے اگر اعمال پر منحصر ہوتا۔ تو بچپن کی  
شادی سے کہیں اچھے بال بچے نہ ہوتے۔ جو رحمت کے نام سے اللہ کے بچہ کے نام سے  
ہوں۔ بلکہ ہمیشہ اند ہر حال میں بچے سابقہ اعمال روح کے موافق جنم لیتے اور اس

قسم کی شادیوں میں غلط امر کا ہی نہ ہوتا۔ کیونکہ اعمال انسانی اس قسم کے قواب کا آفتل  
ہی نہیں کرتے۔ اور یہاں سے غمہ کرنے والوں کے لئے تناسخ کا بطلان، ایسا ظاہر ہے کہ اور  
کسی دلیل کی حاجت نہیں۔

اور جب تو والد کے نزدیک سے انسانی قواب اور اح کے سابقہ اعمال کے موافق بنتے ہی  
نہیں تو تولد کے روزے ان کا پیدا ہونا اور سزا جزا پانا انہر من اشمس سے اور یہ تولد  
بلا مصلحت صرف نشار، آخری عینی قیامت ہی کو ہو گا۔ جس کے مسلمان لوگ قایل ہیں  
اور یہاں سے قیامت کا وجود ایسا بدیہی البتہ ہو گیا۔ کہ جس میں حاکم کے لئے کسی  
دوسری دلیل کی ہرگز حاجت نہیں۔

## دنیا کے مصائب اور تکالیف کے اسباب ان کے وجود کی حکمت اور حقیقت

حیلہ کے مصائب اور تکالیف امراض و مکالم۔ ادباج و اسقام کے باعث کیا ہیں؟  
ہماری اسی جنم کی بد احتیاطیاں۔ بد اعتدالیاں۔ بد پرہیزیاں۔ اور قانون قدرت  
کی خلاف ورزیاں کبھی تخلیق اور کوئی مرض نہیں۔ جس کا باعث اسی جنم میں موجود اور  
معلوم ہو سکے۔ کسی کو تپ ہوئی۔ تو اس کا باعث اسی جنم میں موجود ہے۔ ہیضہ ہوا تو اس  
و شرب کی بے احتیاطی اس کا سبب ہوئی۔ سل۔ دق۔ آتشک۔ یا سوزاک کا مرض  
حیث گیا۔ تو اس کا باعث اسی جنم میں آشکارا اور ظاہر ہیں۔ غرض کہ تمام مقام و اقام  
کے موجدات اس جنم کی بد احتیاطیاں اور بد پرہیزیاں۔ بے عقلیاں۔ اور حدود الہی کے  
خلاف ورزیاں ہیں۔ چنانچہ ہنڈت بیکھرانے بھی جیو ہرگز ہر اس قسم کے لوگوں کے  
اور تمام امراض و الکالم کو اسی قسم کی بے احتیاطیوں اور قانون قدرت کی خلاف ورزیوں  
کا نتیجہ بن گیا ہے۔

اور قرآن شریف میں صحت و عافیت و اصابہ بکرم من موصیہ فیما  
کسبت ایہا یکم و یقوا من کیلک تمیں جو صحت پہنچتی ہے تمہارے حکموں  
کا پل مدد کرنا تو اس کا نتیجہ ہے۔ اور خدا کی شان و رحمت تو یہ ہے کہ وہ ہر قدر کثر  
ان اثرات و صفات اس قسم کے غمہ پر ہوا ہے کہ حق نہیں۔

بے احتیاطیوں اور برآمدیوں کو خیال میں بھی نہیں لانا۔ نہ گزری کرتا رہتا ہے۔  
 دنیا پر فرمایا وما اصابك من مصيبة فمن نفسك۔ تم کو جو مصیبت پہنچتی ہے نہ کسی  
 اور ہی ذات کی طرف سے ہے یعنی تمہارے ہی کرموں کا پھل۔ بے احتیاطیوں۔ بد پرہیزیوں  
 اور قانون قدرت کی خلاف ورزی کا نتیجہ ہے۔

اور پھر فرمایا وما اصابك من حسنة فمن الله وما اصابك من سيئة فمن  
 نفسك تم کو جو بھلائی پہنچتی ہے سوا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ کیونکہ وہ سب سکھوں  
 اور نعمتوں کا دانا ہے۔ اگر ان کی حدود کو توڑنا نہ جائے۔ تو ہمیشہ سکھ ہی سکھ پہنچاتا  
 رہے اور جو برائی پہنچتی ہے تمہاری جان کی طرف اور شامت اعمال کی وجہ سے ہے۔

اور پھر فرمایا ولا تلقوا بأيديكم الى التهلكة۔ لیگو تم اپنے احقوں سے ہلاکت  
 میں نہ پڑو۔ یعنی قانون قدرت اور سنن الہی کی خلاف ورزی کر کے اپنی ہلاکت کے  
 موجب آپ نہ ہو جاؤ۔ آیات مذکورہ بالا سے ظاہر ہے کہ انسان کو جب تک سکھ۔ راحت  
 اور آرام پہنچ رہا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جب تک تکلیف اور امراض اور  
 استقامت پہنچتے ہیں اس کی کرتوتوں کا نتیجہ اور کرموں کا پھل ہے اگر وہ تقویٰ احتیاط  
 اور جاوید اعتدال پر قائم رہے۔ حدود الہی کو ہمیشہ زیر نظر رکھے۔ سنت الہی کا اتباع  
 کرے۔ تو ہرگز کسی دکھ۔ درد۔ اور مصیبت میں گرفتار نہ ہو۔

پس جبکہ مصائب و آلام دنیا میں ہم کو ستاتے ہیں وہ ہمارا اپنا ہی کیا دھرا ہے  
 وہ خیر محض اور الرحم الراحمین ہرگز نہیں چاہتا۔ کہ ہم تکلیف۔ آلام اور مصائب و ہتھکڑیوں  
 میں مبتلا ہوں۔ بلکہ اس نے جسے زور سے ساتھ رکھ دیا ہے کہ ولا تلقوا بأيديكم  
 الى التهلكة۔ اپنی جانوں کو آپ ہلاکت میں نہ ڈالو۔

تو ظاہر ہے کہ دنیا کی تمام تکلیف امراض اور آلام ہماری ہی کرتوتوں کا نتیجہ اور  
 کرموں کا پھل ہے کلام ربانی نے ایسا ہی ظاہر فرمایا ہے۔ اس حقیقت میں دیکھ یا۔  
 کسی دوسری کتاب نے کچھ اس سے بڑھ کر نہیں بتایا۔

لیکن سوال تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے دنیا میں امراض و آلام۔ تکلیف و استقامت کا وجود  
 رکھا ہی کیوں۔ کیوں نہ انسان کی بنیاد ایسی بنائی کہ وہ اللہ کا اس پر احساس  
 ہو ہی نہ سکتا۔ اور وہ اللہ کا نام بھی نہ جانتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا مقصد یہ ہے کہ اس کی رحمت کا طے کرنا چکھائے کیلئے  
 جس کے کلمات اللہ تعالیٰ کا نام بھی نہ جانتا۔



چیزیں اپنی صفوں سے پہچانی جاتی ہیں مگر دکھ نہ ہوتا تو سکھ کا بھی نام اور قدر کچھ نہ ہوتی  
انکامت کی قدر کس کو ہے مسافر۔ راحت کی دکھ کی۔ تندرستی کی بیمار کو۔ جو شخص کسی عیب یا  
میں مگر کچھ پہچانے اس سے چھوٹنے کی قدر اور راحت اس کو بدرجہا بڑھ کر ہوتی ہے بقابلہ  
اس شخص کے جو کبھی اس مصیبت میں گرفتار نہیں ہوا۔ اسی لئے حکمت الہیہ نے مجبور  
عالم میں مصائب و تکالیف۔ آلام و اسقام کا بھی وجود رکھا ہے تاکہ راحت و آرام کی قدر  
اصنافاً مضاعفہ پڑھ جائے۔ اور انسان ابدی دکھوں کے چھوڑنے اور جاودانی راحت  
و آرام کو مطالبہ کرے۔

قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اہل جنت جیب بہشت میں داخل ہونگے۔ تو  
اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائیں گے جس نے ان کو ہر قسم کے دکھوں سے نجات دی۔ اور اس طرح  
انکی راحت اور آرام بوجہا بڑھ جائیگا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ  
الَّذِي اَخْرَجَنَا مِنَ الظُّلُمَاتِ اَنْ يَرَبَّنَا الْغُفُورُ شُكْرُكَ الَّذِي اَحْلٰتُنَا دَارَ الْمَقَامَةِ  
مَنْ نَفَعْنَا لَا يُمْسِنَا فِيْهَا لَغَبٍ وَلَا يُمْسِنَا فِيْهَا الْغَرْبُ اور بہشتی بہشت میں کہیں  
گئے۔ سب طریاں اور تعریفیں اس اللہ کو جس نے ہمارا دکھ دور دکھو دیا۔ یقیناً ہمارا رب  
بخشنا ہمارا درد دور دیا ہے جس نے محض اپنے فضل و کرم سے ہم کو ایسی گھر میں رہنے کے  
لئے لا داخل کیا۔ اے میں ہم کو نہ کوئی دکھ ہے اور نہ ہی کوئی آفت کان اور نازلگی ہے۔

پس اہل جنت بھی جنت کی نعمتوں اور تکلیفوں کے مقابلہ سے کرکٹے جو دنیا میں  
ان کو دشوار و تنگ پہنچتی رہیں۔

مصائب و نیا کی وجہ تو یہ ہوتی اور اس میں سرور ہے کہ جب حکمت الہیہ نے انسان کو دنیا  
میں اپنا خلیفہ بنایا۔ اپنی صفات کا طرہ عدل و حکم و غیرہ کا مظہر کامل ٹھہرایا۔ اسی کو خود مختار  
کی حقیت حفظ فرمائی۔ اور اسی کا تاج زیب سر کیا۔ ذات ربانی اپنی صفات کا طرہ کا  
مظہر ہوا۔ اور انسان با تعالیٰ کیلئے کیلئے مظہر اس امر کے ظہور کے لئے ضروری تھا کہ کچھ  
حدود تو انہیں انسان کیلئے ایسے مقرر کئے جائیں جن پر چلنے سے وہ سرور و رحمت اور ان کی  
عدم تمیز سے مظہر عدل نہ ہو۔

اس عدل اور رحمت کے ظہور کے لئے یہ ضرور تھا کہ انسان کے جسم و تکلیف کی بنیاد  
ایسی وضع کی جاتی۔ کہ ان صفات کا طرہ کا وہ بخوبی جلد گاہ ہو سکتا ہے۔

سہ پہنیں قدر طافیت کے اندر کہ بھیجتے کرتا ہے

حکمت الہیہ نے اس امر کے ظہور کے لئے اُس کے جسم اور قلب کی بناوٹ ایسی وضع پر  
خلقی کی کہ طبیعت کے طایم اُس سے اُس میں سکھ کا احساس ہو تو اسے اور نا طایم اُس سے ظہور  
نے دکھ کا۔ جب انسان خدا تعالیٰ کی حدود اور سنن کا اتہام کرتا ہے تو کبھی اور مورد  
رجو ہوتا ہے اور جو وقت سنت الہیہ سے روکشی کرتا اور حدود الہی کو چاندتا ہے تو  
منظر عدل ہو کر دکھ میں مبتلا ہوتا اور مزا پاتا ہے۔ یہ ہے دکھ اور سکھ کی حکمت اور سر۔  
کچھ شک نہیں کہ انسان کو دکھ و شیت الہی سے ہی ہوتا ہے۔ یعنی اسی کے قوانین اور  
حدود سے تجاوز کرنے کی وجہ سے ہی۔ لیکن خدا تعالیٰ کسی کے دکھ میں مبتلا ہونے سے  
راضی نہیں ہے وہ ہرگز نہیں چاہتا کہ کوئی شخص حدود الہی کو چاند سے یا دلو  
میں مبتلا ہو (ولا یجوز لعلیٰ ذلک لکفر) اس نے عام نوٹس دیدیہ ہے بنی خدا دی انی انا  
الغفور الرحیم تم میرے بندوں کو اطلاع دیدو کہ میں بخشنے والا مہربان ہوں اگر میرے قوانین  
کو توڑو گے تو ہمیشہ مغفرت اور رحمت کے مورد ہو گے وان علوانی ہوا العذاب الیم  
اور میرا عذاب ہی دردناک عذاب ہے میری مقررہ حدود سے تجاوز کرو گے تو تیرے  
کے پیچھے میں آ جاؤ گے۔

خدا تعالیٰ کا اپنی پاک کتاب میں جا جا ارشاد ہے کہ تم میری جنت آؤ۔ یہ  
ہدایتوں کی پیروی کرو میری سنتوں کا خیال رکھو۔ میرے قوانین اور حدود کو مت  
توڑو۔ میں تم کو دنیا و دین میں کامیاب اور بہرہ ور اور کر دے گا۔ لیکن انسان اپنے  
علیہ الہی کو بے جا طور پر استعمال کرنے اور حدود الہی کو چاندنے سے دکھوں اور  
مصیبتوں کا نشانہ بنتا ہے وما ظلمناہم و انکم کالموا القنہم نظامون  
اور ہم کسی پر ظلم نہیں کرتے لیکن وہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ ان الذلک یسر  
بظلام للعبد خدا بندوں پر ذرا ہی ظلم کا روادار نہیں۔

تمام محرمات الہی اور منہیات زہر اور سیاق ہیں۔ ان کے پاس جھٹکنے سے اللہ  
تعالیٰ کی طرف سے سخت سزا سنت ہے اور تمام امور و عورت اور احکام شرعی نوشہ  
اور شہد ہیں جو آئندہ زندگی کیلئے آب حیات اور اکیلا حکم کہتے ہیں۔

خدا تعالیٰ نے دنیائے ظاہر میں جو سیاق و بچوہ زہر اور درد نوس پیدا کئے ہیں  
ان کے وجود کا سر اور حکمت بھی یہی ہے تاکہ آئیوا فی دنیا کے اندر ان کو فہکت  
خود کی کا ایک نونہ قائم کرے جس طرح اس دنیا میں ان سانچوں زہرون اور  
زہر مندوں کے پاس جانتے سے ہلاکت دنیوی کا تجربہ اسی طرح محلات اور منیت

کے سانچوں اور دہروں کے قریب بے شک ہے ہلاکت اُخروی کا خوف ہے۔  
شیطان بھی ہلاکت اُخروی کے لئے ایک بڑا سانپ ہے اور آسمانی کتابوں میں  
اسکو اُڑا دیا گیا ہے۔ خدا تعالیٰ کی بدانت ہے کہ سانپ کے قریب بھی نہ بٹھو۔  
سانپ کے بیدار کرنے سے خدا تعالیٰ پر کوئی حجت نہیں آ سکتا بلکہ وہ ایک بدانت ہے  
اس امر کی کہ جس طرح پر اس سانپ کے منہ میں اگلی دینے سے دنیا میں ہلاکت  
ہوتے ہیں۔ اسی طرح محرمات الہی کے سانپوں کے قریب جانے سے اُخروی ہلاکت  
کے مستوجب ہو گئے۔

لیکن اُس سانپ سے ڈرنا اور اُس کے قریب جانا یا بہتہ انسان کا اپنا قصور ہے  
احتیاط نہ کرنے اور سانپ کے منہ میں انگلی دینے کا کیا نتیجہ ہے۔ یہی کہ وہ ڈسیگا اور  
انسان ہلاک ہو جائیگا۔ زہر کے کھلنے کا کیا پھل ہے۔ انسان اپنے تئیں ہلاک کرے گا  
اور دنیاوی زندگی سے محروم ہو جائیگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ زمین ہر شے  
کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ آگ جلا دیتی ہے۔ اب اگر کوئی شخص اپنے تئیں کوٹے  
پر سے گرا دے یا اپنے تئیں آگ میں ڈال دے تو اس کا نتیجہ کیا ہو گا۔ انسان مرد  
جائیگا یا چوٹیں لگیں گی یا آگ میں پڑے تو اپنے تئیں جلائیگا یا ہلاک کر ڈالیگا جیسا  
ہی مٹری بڑی رونی وغیرہ کے کہانے اور طبیعت کے مخالف غذاؤں کے استعمال  
سے امراض کو بلائیگا۔ بدکاری اور زنا کاری سے آتشک اور سوزاک خرید لیگا  
یہ تمام امور اس بات کے آگاہ کرنا والے ہیں کہ شرائع الہی سے تجاوز کرنا بھی ہلاکت  
اُخروی کا موجب ہو گا۔

اس کے برخلاف ایک پرہیزگار اور محتاط آدمی ان سب آفات و بلیات اور  
وآلام سے محفوظ و مصون رہے گا۔ موافق غذاؤں کے کھانے اور مناسب ورزش کرنے  
سے تندرست اور عرصہ سے عمدہ حالت میں رہے گا اور اپنی طبعی عمر بڑھائیگا۔

بات یہ ہے کہ اس دنیا میں انسان جیسا کہ تاجہ و دیبا بھر لیا ہے، لایم اسباب کے  
استعمال سے قانون قدرت کے موافق تندرست اور سیکھی رہتا اور مخالف امور  
کو استعمال سے بیمار اور دکھی ہو جاتا ہے یہ تمام امور لمبات کی برہنہائی کرتے ہیں کہ  
خدا کی سچی شریعت کی اتباع یا انحراف ہی اُخروی نجات یا ہلاکت کا موجب ہے۔

مذکورہ بالا پہلو سے ظاہر ہے کہ دنیا کے مصائب کی حکمت اور حقیقت یہ ہے کہ  
آئیو الی دنیا کے مزاجز اکا نونہ ٹیرے اور ہر شخص معلوم کرے کہ جملہ دنیا کے ظاہر

میں تو ان قدرت کے قریب اور عود الہی کو پھانسنے سے خدا تعالیٰ کی طرف سے الیم  
 و ہمید سزا ملتی ہے اور سنت الہیہ کی پیروی سے راحت اور کامیابی نصیب ہوتی  
 ہے اسی طرح عجبے میں بھی شریعت الہی کی تعمیل سے جزا اور عدم تہمیل سے سزا نصیب ہوگی  
 ۔ اس کے سوا دنیا کے مصائب کی ایک حکمت یہ بھی ہے تاکہ انسان خدا سے غافل  
 نہ رہے اور دنیا میں منہمک نہ ہو جائے ۔ خوشحالی میں انسان اکثر خدا سے غافل ہو جاتا  
 ہے اور تکلیف کے وقت اضطراب اس کی طرف رجوع کرتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے  
 تکالیف کا وجود دنیا میں اس لئے رکھا ہے تاکہ انسان خدا تعالیٰ کی طرف جھکا رہے  
 اور اس کو بھول نہ جائے ۔ موت کے وجود کی بھی یہی حکمت ہے تاکہ انسان اپنی ہستی کو  
 واجب نہ سمجھے اور ہمیشہ خدا تعالیٰ کی طرف جانے کو آمادہ و تیار رہے ۔ کسی  
 سچ کہا ہے ۔ موت نکر دیا ناچار و گردن انسان ۔ ہے وہ خود میں کہ خدا کا بھی نہ قابل ہوتا  
 یہ حکمت اس وقت خوب سمجھ میں آتی ہے ۔ جب ایک لحظہ غفلت یہ فرض کر لیا  
 جائے کہ دنیا کے اندر کسی تکلیف اور مرض کا نام و نشان نہیں ۔ تمام دنیا تندرست  
 دولت مند ۔ آسودہ اور خوشحال ہے ۔ سب کو روزی یکسان مل رہی ہے ۔ کسی کو  
 کسی پر فضیلت نہیں ۔

تو نتیجہ کیا ہوگا ۔ دنیا کی دنیا فسق و فجور میں مبتلا ۔ دولت کی دلدادہ ۔ خدا فراموش  
 دین سے غافل ۔ دنیا میں منہمک ۔ امن و امان کا پلہ بدود ۔ دنیاوی فتنہ و فساد  
 و رغانہ جنگیاں موجود ۔ کما قال اللہ تعالیٰ ولولہ بطا اللہ الرزق لعبادہ لبغوی الاراد  
 و لکن ینزل بقدر ما یشاء و یرحمی کما کہتا ہے ۔ پیر و غسل بسیار راست اما پس  
 گرمی دار است ۔

پھر دنیا کی تکالیف کی ایک جہ انسان کا سدا اور درستی ہے تاکہ وہ تکالیف سے متنبہ  
 ہو کر آئندہ کی سعادت کیلئے اور اپنی حالت سمجھالے جس طرح راہ میں ٹھہر کر  
 کھانپو الا آئندہ کے لئے سنبھل کر پاؤں رکھتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی تکالیف کو ایک لپیٹ  
 حاذق اور حکیم کامل کے عمل سے تشبیہ دے سکتے ہیں جو زمین کی بہتر مثال اور  
 سدا رکے لئے کہی اس کو ٹوڑی دھبلا تا ہے اور کسی اسی قصد لیتا ہے اور  
 بیمار کے زخم کو شکاف دیتا اور کسی شام اس نے کسی عضو کو کاٹ دی ڈالتا ہے  
 مگر ایسا کرنے کے کوئی غرض نہیں کر سکتا کہ لیبیب اپنے بیمار کے ساتھ عداوت  
 رکھتا ہے ۔ اسی طرح جو تکلیفیں دنیا میں انسان کو پہنچتی ہیں اس حکیم کامل اور

محبوبِ حاذق کی طرف سے۔ یہ تو کبھی شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ بلا وجہ ہیں بلکہ ہر ایک تکلیف میں کوئی نہ کوئی انسان کا فائدہ ہی مختصر ہے نہ ظاہر میں تکلیف ہے اور باطن میں آرام۔ ابتداء میں ایذا نہیں ہیں اور انجام میں راحت۔

شفیق باپ اپنے پیارے بیٹے کو نہ صفا اور رحم دل بادشاہ۔ اپنی عزیز رعیت کو تادیب یا نید یا اصلاح یا کسی دوسری مصلحت سے ہمیشہ کچھ نہ کچھ تکلیف دیتا ہے اسکو کوئی شخص کبھی نہیں کہتا کہ جو ردِ ظلم پرستی میں نہ اگلے شکایت کی جاتی ہے نہ فریاد مگر خدا کی طرف سے جو تکلیف پہنچتی ہیں انہی آریوں کو سخت شکایت ہے اور معاذ اللہ وہ خدا کو ظالم بے رحم و خیرہ کے لفظ سے خطاب نہ تنازع کے بھنور میں جا پھنسے ہیں۔ حالانکہ ان کا تکلیف کو تنازع سے کوئی تعلق نہیں ان کے وجود اور اسباب

اس دنیا میں صاف ظاہر ہو رہے ہیں۔

سب سے بڑا فائدہ جو مصیبت سے انسان کو پہنچتا ہے یہ ہے کہ مصیبت دل میں باطنی بجز و انکسار کی صفت پیدا کرتی ہے اور خدا کو یاد دلاتی ہے اور حقیقت میں بقدر مصیبت کے وقت خدا کی طرف رجوع کرتا ہے تو وہ مصیبت نہیں بلکہ رحمت ہے۔ لیکن خدا کو یاد کرنا اور اسکی طرف رجوع کرنے کے لئے جسے مصیبت نہیں کہ انسان شکایت کرے اسکو ظالم جاہل کہے یا اس سے ناراض ہو جائے بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ اسکی رحمت پر پورا بھروسہ اور اعتماد کر کے بچے دل سے یقین کر لے کہ جو کچھ موافق ہو گا بہتر ہو اور مناسب ہو اور ایسا ہی ہونا چاہئے تہا یہ ہے جو ہر رضا و تسلیم کا اور سی کا نام مقرر جہاں ہے۔

بعض دھم انداز انسان پر خدا کی طرف اس کے قوت ایمان کی آزمائش اور دنیا کے سامنے اس کا کامل ایمان ظاہر کرنے کے لئے امتحان کے طور پر بیلیات نازل کی جاتی ہیں تاکہ اس کے مستحضر و قیادار بندوں کی دنیا میں عزت و کرامت ظاہر ہو اور صرف زبانی دعویٰ کرنے والے انک بجائے جائیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلْيَحْصِلْ لِّلّٰهِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا - یَاکَر اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان دار میں کہاں سے اور یہ دنیا یا ولیندن کو بکشتی من الخوف والرجوع و نقص من الاموال والافئس والتمات و بشیر الصابرین الذین اذ الصابم مصیبتہ قالوا اتا لیلہ واما الیہ راجعون۔ اولئک علیہم صلوات من ربهم ورحمۃ واولئک هم المصدون۔ ہم تہذیب متحان

نیا ہی کرینگے۔ بخورے خوف۔ بھوک۔ بالوں۔ جلاؤں اور فترات کی کمی سے اور خدا کی مصیبت  
 یہ میرے گرنے والوں اور مستقل رہنے والوں کو خوشخبری دیتے کہ جب انکو مصیبت پہنچتی ہے  
 تو کہتے ہیں ہم اللہ ہی کا مال ہیں اور اوہری جانتے ہیں۔ اُن لوگوں کو خدا کی تحسین و  
 آفرین اور رحمتیں ہیں اور اُن لوگوں نے خدا کی ٹھیک راہ پالی۔

پھر ایک جگہ فرمایا ہے بحسب الناس ان یتوکوا ان یقولوا امننا  
 وھم لا یفتنون۔ کیا لوگ منہ سے اتنا کہتے ہیں چوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لائے  
 اور وہ امتحان الہی میں نہ پڑینگے۔ نہیں بلکہ وہ ضرور اس طرح پرکھے جائیں گے۔  
 جسطرح سارے لوگ کو کھالی میں ڈالکر پرکھتا ہے اور آخر کار صدق و خلوص کا  
 امتحان پاس کرنے والے اور رہ جانے والے صاف ممتاز ہو جائینگے۔ اس قسم  
 کی تکالیف اور ابتلا یاات خصوصاً انبیاء اور بزرگان دین پر زیادہ نازل ہوتی  
 ہیں تاکہ انکے پرے درجے کا اخلاص۔ صداقت اور وفاداری اور شکر و مہربانی  
 دنیا کو معلوم ہو جائے۔ یہ تکالیف بھی تکالیف نہیں۔ بلکہ اس کا انجام اللہ  
 تعالیٰ کی غایت رحمت اور مغفرت ہوتی ہے۔ تمام مصائب اور بیایات  
 جیسے قحط و بار و غیرہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے بعض دفعہ ایسے اوقات میں  
 نازل کی جاتی ہیں۔ جب انسان خدا کی طرف سے بہت غافل۔ سرکش اور مغرور ہو  
 جاتے ہیں بلکہ اُن امور سے بھی جو نظام دنیا کے لئے مفید ہیں۔ روکش اور ہانکل  
 خوف ہو بیٹھتے ہیں۔ ایسی حالت میں تمام دُشمنی اور بلائیں خدا کی طرف سے  
 بھیجی جاتی ہیں اور دنیا کے لئے سخت تہذیب و تنبیہ ہوتی ہے۔ ایسی حالت  
 میں اگر انسان خدا کی طرف کامل توجہ اور کامل اخلاص سے رجوع کرے وہ بہت  
 رنج کی جاتی ہیں۔ متعفن ہوا میں منتشر کی جاتی ہیں۔ وہاں دیکھی جاتی ہیں مینہ  
 برسا یا جاتا ہے۔ قحط کو دور کیا جاتا ہے۔

بعض تکالیف خدا کے عاشق اور صادق بندے اپنے محبوب کو خوش کرنے کے لئے  
 اپنے اوپر آپ گوارا کر لیتے ہیں۔ جسطرح مرناس و جہمی اور وہ لوگ جو دنیا کی بادیات  
 و لذات اور فقر اختیار کرتے ہیں۔ راتوں کو اٹھ کر تہہ پہننے والے خدا کی یاد میں بیٹھتے  
 سنے دے وغیرہ۔

اہل ایمان پر بعض دفعہ اُن کے چند ایک گنہگار کی وجہ سے ہی اپنا مراض  
 و آفات و تکالیف و آسودہ دار و گردے جلتے ہیں۔ یہ دنیا۔ یہ پاک۔ صاف اور کمرے

سوئے کی طرح فکر کر عالم عقلاً کی طرف توجہ نہ کرے۔  
تکالیف و مصائب کے نزول کے اسباب و فصل ان کے ٹھیک اصول اور تمام حکمتیں اور اسرار  
کتاب الہی سے ظاہر ہو رہے ہیں جو غور کے ساتھ مطالعہ کر نیے مشکف اور مبہر بن جوتے ہیں۔

خدا تعالیٰ نے کسی کو لولا۔ انجاء نہ لگا دیا۔ اندھا۔ کاننا۔ کوڑھی اور  
مبہر و مل اور آتشکندہ کیوں بنا دیے کیا اس عدل الہی قائم

رہ سکتا ہے؟

بادی النظر میں اس قسم کے بیماروں کو دیکھنے سے ایک بڑی حیرت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے  
اس قسم کے بیمار اور معذور اور خاص کر جنم کے اندھے اور پا پانچ کیوں پیدا کر دیے  
اور ایک اسطرحی نظر کا انسان اس سے دھوکا کھا جاتا ہے کہ خدائے عادل و منصف  
اس طرح کے بیمار اور جنم کے دکھیا کیوں پیدا کرتا ہے اس کا باعث شاید گزشتہ  
جنم کے اعمال اور تناسخ ہی ہے اور شاید وید کا مذہب سچا ہے۔

لیکن غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ انوکھی منطق بالکل غلط ہے۔ اسلئے  
گزشتہ جنم کے اعمال یا وید کی تعمیل سے ذرا بھی غفلت نہیں ہے۔ بلکہ یہ سب سب  
جنم کا نتیجہ اور رب تعالیٰ کی فعلی کتاب (قانون قدرت) کی خلاف ورزی کا ثمر ہے۔

دنیا میں جو قدرے اندھے۔ شکوکے۔ اور غیور نظر آ رہے ہیں۔ ان میں سے  
اکثر تو پیدایش کے ہی بن خداتعالیٰ کی فعلی کتاب کسی مخالفت کرنے کی وجہ سے گرفتار  
اور اراض ہیں۔ انہوں نے یا ان کے والدین نے ہی کسی نہ کسی صورت میں قانون قدرت  
کی خلاف ورزی کی ہے۔ چنانچہ ان کے اسباب ہر ایک اس جنم میں موجود اور معلوم  
ہو سکتے ہیں۔ قانون قدرت کی خلاف ورزی اور عدم اعتناء کا ہی ایک جرم ہے  
جس کی پاداش میں وہ گرفتار ہوئے۔ باقی رہے جنم کے اندھے اور پا پانچ۔ ان کی  
نسبت یہ گزراش ہے کہ بیشک یہ بھی کسی نہ کسی صورت میں قانون قدرت کی خلاف  
ورزی کی سزا بھگت رہے ہیں اور بلا ریب یہ اعمال ہی کے نتائج بھگت رہے ہیں  
لیکن بچے جنموں کے نہیں اگر بے اعتدالیوں۔ برہمنوں یا کرم میں اور تمام بیاریوں  
بے اعتدالیوں۔ ان قدرت کی مخالفت سے جوتے ہیں جیسا کہ آریہ کا اعتقاد تھا

ثبوتہ متلخ صفحہ ۱۱۲۔ تو اب باہجوں اور ہر ایک قسم کے بیماریوں اور دیکھوں کی وجہ سے یہ ہے  
 کہ انہوں نے یا ان کے والدین نے کہیں نہ کہیں ضرور سخت بے اعتدالیاں اور قانون  
 قدرت کی مخالفت کی ہے۔ بہت سے لوہے۔ لنگڑے۔ اندھے۔ کانے۔ مجزوم و مبروس  
 تو انہی جنم میں سخت بد پرہیزیاں اور قانون قدرت کی مخالفت کرنے سے موجود ہو  
 گئے ہیں۔ کوئی اندھا نہ تو گولا۔ لنگڑا۔ مبروس و مجزوم ہے تو ہر ایک مرض اور دکھ  
 کی وجہ کوئی نہ کوئی اسی جنم میں موجود ہے جو اصول طب کے موافق ٹھیک ٹھیک  
 معلوم ہو سکتی ہے۔ کسی نے ٹیکٹا نہیں لگوا یا۔ چوک ٹکلی۔ اندھا ہو گیا۔ کسی کی ایک  
 آنکھ چھد گئی یا کوئی اور وجہ ہو گئی گا نا ہو گیا۔ خاص خاص قسم کی غذاؤں میں پرہیز  
 اور احتیاط نہ کرنے سے برص یا جذام ہو گیا۔ فاحشہ عورت کی صحبت سے آتشک  
 ہو گیا۔ سوزاک والے آدمی کے ساتھ لے جلنے سے سوزاک ہو گیا۔ غذاؤں میں عدم اعتدال  
 کی وجہ سے بعض اشخاص کی طبیعت متعدی امراض کے قبول کرنے کے قابل ہو گئی تھی  
 متعدی مرض چپٹ گیا جسکی وجہ سے مر گیا یا پا پچ اور روگ ہو گیا پس کوئی شبہ نہیں  
 کہ انسان کے بہت سے امراض اور روگ تو اسی جسم کی بد احتیاطیوں بد پرہیزیوں  
 اور بے اعتدالیوں سے ہیں۔ جنہیں احتیاط اور پرہیز کرنے اور اعتدال کے خیال رکھنے  
 اور اصول طب خطان تحت پر عمل کرنے سے نہایت کی بلکہ یہ بیماریاں کا دور  
 چو سکتی ہیں۔

اب رہ گئیں جنم کی بیماریاں اسکی وجہ بھی ظاہر ہے۔ بہت سے روگ تو موروثی ہیں۔  
 ایک شخص آتشک یا دق میں مبتلا ہے۔ ایسی حالت میں عورت سے ہمبستری کی۔ تینی  
 کا مادہ جو رحم میں گیا اس بیماری کا اثر ساتھ لے گیا۔ بچہ بھی آتشک میں مبتلا ہو گیا  
 یا کسی وقت دق میں مبتلا ہو کر مر گیا۔ غرض کہ بہت سی بیماریاں تو سنت الہی کے  
 موافق خدا تعالیٰ کے قانون سے مخالفت کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ حالت حمل  
 میں دقلع کے اندر بے احتیاطی ہو گئی ملر کے کسی عضو کو ضرر پہنچ گیا اور دیسا بچہ

نہ جے ٹیکٹا گولے با ٹیکر ملے ہوا ہے چوک کہوہ سے چاند چکانے وغیرہ چوتے اب اس  
 نہایت کی گئی ہے اس سے حالت ظاہر سے کچھ جینے کے ساتھ بین باتوں کو کوئی تعلق نہیں  
 کر دیکھا گولے بالکل منسل ہوتا اور جنہوں نے کچھ جینے کے بعد میں اندھ ہوتا ہوتا اور ضرور  
 چوک نکل یا کرتی ادا نہ ہے چو یا کرتے۔ چوک میں کمی آنا کوئی ضرور نہیں تھا۔



پیدا ہوا کسی شخص کے نطفہ میں متناسب الاعضاء بچ پیدا ہونے کی تاثیر نہیں ہے  
 نوکالایا ہی یا بیدار دل پیدا ہو گئی مٹی کے ضعف و خرابی کی وجہ سے بچ میں خاص اثر پیدا ہوا  
 گیا۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ کی عجیب حکمت ہے تمام امراض اور رنگ اور دکھ قانون قدرت کی  
 مخالفت اور بداعتدالوں ہی کی وجہ سے ہوتے ہیں مگر ان کے اسباب طبعیہ اسی جنم کے  
 اندر معلوم ہوتے ہیں پہلے جنم کے کرموں اور وید کی تعمیل کے ساتھ انکو کوئی تعلق نہیں  
 خواہ کوئی شخص رید کو مارنے یا مارنے قانون قدرت کی مخالفت یا موافقت کی وجہ سے  
 جو نتائج طبعیہ برآمد ہونے لگے ہیں وہ کسی صورت سے ترک نہیں کئے جاسکتے یہ بیماریاں  
 اور دکھ قانون قدرت کی مخالفت یا موافقت کی وجہ سے پیش یا کم ہو جاتے اور  
 ہمیشہ موتے رہتے ہیں۔ تعمیل و وید سے انکو کوئی تعلق نہیں۔ جن قوموں میں وید کا  
 کوئی نام تک نہیں جانتا۔ ان میں بھی قواعد طبع اور حفظان صحت پر عمل  
 کرنے سے بیماریاں کا فوراً اداں کی مخالفت کرنے سے بیماریاں عام شایع ہوتی  
 رہتی ہیں۔ ازرقہ کا کوئی حبشی یورپ میں جا رہے تو مرد دراز منہ کے بعد اس کی مثل  
 پر بھی یورپ کی آب ہوا اثر ہو کر آخر کار اس رنگ سے رنگین ہو جائیگا۔ یورپ  
 کا کوئی آدمی ازرقہ کے کسی سخت گرم ملک میں سکونت اختیار کرے مردور یا م کے  
 بعد آب ہوا کا اثر ہوتے ہوئے آخر کار وہ بھی ہر چیز کے درکاران ملک رفتہ رفتہ  
 کا بعد ازاں ہو جائیگا جس قسم کی آب ہوا میں انسان جا رہے قانون قدرت موافق  
 اسکا اثر ہونا ضروری ہے۔

پس کچھ شبہ نہیں کہ دنیا کے امراض اور دکھ شک کے پچھلے جنموں کے پاپوں کے ساتھ  
 کوئی بھی تعلق نہیں۔ ہر ایک مرض اور دکھ کے باعث اسی جنم میں موجود اور معلوم ہو سکتے ہیں۔  
 پس اگر کوئی شخص مہوس ہے یا مجذوم یا آنکھ زدہ ہے تو اپنی یا اپنے والدین کی بد  
 اعتدالیوں اور بداعتدالوں کی وجہ سے صحیح اور تندرست تھے تو قوانین حفظان صحت و  
 علم و طب پر عمل کرنے کی وجہ سے ان اللہ لیس بظلمہ لا عبید خدا کسی  
 پر اذرا ہی ظلم کا روادار نہیں۔ جیسی کرنی ویسی بھرنی جو شخص قوانین قدرت کی  
 موافقت کرتا ہے۔ صحیح اور تندرست رہتا ہے جو شخص ان قوانین کو کسی نہ کسی صورت  
 میں توڑتا ہے۔ ہیشہ دکھی اور دردی رہتا ہے خدا کی حکمت تلف نہیں ہو سکتی و ما  
 ظلم المناہم و لیکن کائنات الفسھم بظلمون۔

اللہ تعالیٰ کا عدل یہی ہے کہ جو شخص اس کے قانون کو توڑے سزا پائے۔ اگر



طعن سے حمایت نہ ہوتی۔ انسان کا مادہ کوئی مطلق عقیدہ نہ تھا۔ بلکہ مادہ تخلیق مادہ  
منوجہ مقصود حالت جنین کے جنہ میں مادہ پیدا کر دیا کرتا یا زمین سے آدمی پیدا کر دیا  
کرہ جلیل اسلام کے موافق حضرت آدم کو پیدا کیا یا آدمی کے قول کے موافق ہتھکڑی میں  
آدیوں کو جو مواصلت پیدا کیا۔ اور پھر جنم کے واسطے اندھے و غیرہ پیدا کرتے۔ تو جہت تخلیق  
پر ایک طرح کی دلیل ہو سکتی۔ یا نہ تھا۔ کے صلہ و انصاف پر حجت آسکتی۔ لیکن جبکہ معنی  
کی مقصود حالت کے موافق انسان کا جسم تیار ہوتا ہے اور مادہ تخلیق کے کلوا و اشرا ہوا  
ولا تفسر فوا فرما دیا ہے اور طبیعات نہ معتدل نہ ناؤں کی ہدایت فرمادی ہے اور یہ پر نہیں  
بداقتہ ایوں اور احتیاطیوں سے ہمارے مذہب کو دیا ہے کہ اب مجرد نقائص خلق بشری  
میں نظر آ رہے ہیں قانون قدرت کی خدمت و ضروریوں سے تنازع کو صریحاً باطل کر رہے ہیں

آتش زدہ لوگوں اور موروٹی امراض والوں اور قدرت  
کے قوانین کو توڑنے والوں نے تو گناہ کیا۔ لیکن انکی  
اولاد نے کیا گناہ کیا کہ ان میں بھی یہ امراض موروٹی  
ظہور پر چلی گئیں

اور تمام یہ حکم ہے اسکی حکمت تعین نہیں ہو سکتی۔ اس نے دنیا کیلئے جو رمل و قانون (معتقد کر  
ہے کہ ہیں۔ ان کے بر خلاف ہرگز نہیں ہو سکتا۔ نہ اس نے جو افعال انسان کے متعلق مقرر  
کئے ہیں وہ بدل سکتے ہیں بلکہ ایک ہتھکڑی نہ آدمی کے نطفہ میں آتشک کا مادہ موجود تھا  
تو ضرور ہے کہ اس نطفہ سے جو بچہ پیدا ہو۔ اس میں بھی اس کے آثار پائے جائیں۔ اس طرح اور  
جہاں جہاں قانون قدرت کے برخلاف کیا گیا ہے ضرور ہے کہ اس کا بچہ نہ کہیں خیر خواہ  
ہو۔ اور مخالف کو نہ کسی سے بدشتہ و دشمنی نہ کسی کیواسطے وہ اپنے روتوں کو  
کوڑھ سکتا ہے نہ جبر کا ہے آتشک نہ وہ کلامی نے کیوں یہ کار کی۔ کیوں خدا تعالیٰ کے مدد  
کے برخلاف کیا جس شخص نے قانون کو توڑا۔ ضرور ہے کہ اسکی سزا بھی اس کو ملے جب  
تک کہ اس کے جسم میں مادہ آتشک سرایت کے ہوئے ہے وہ بھی دکھ پائے اور اسکی  
اولاد کو بھی اسکی سزا جگہ کی ہوئے کہ وہ بھی اس کے ساتھ تعلق اور قربت رکھنے کی وجہ

سے مرنے کے قابل ٹھہری۔ لہذا اولاد کی تحلیف بھی ایک طرح پر والدین کی تحلیف ہے والدین  
پر گزر نہیں پڑتا جو کہ ان کی اولاد کی تحلیف اور دیکھوں میں مبتلا ہو۔ والدین اپنے اوپر تحلیف  
کو برقرار رکھتے ہیں۔ لیکن اولاد کی تحلیف ان کے لئے ناقابل برداشت ہے اولاد کی غلطی  
سے والدین کو غلطی اور ان کے رنج سے اس کو بھراسی ہو سکتا ہے پس اولاد کو اگرچہ  
بیگناہ ہے۔ لیکن باپ کی کالیف کو بڑھانے کے لئے اس سبب کو بڑھانے اور عبرتناک  
بنانے کے لئے قدرت نے اس مرض کو متعدي اور موروثی رکھا تاکہ اس قسم کی حرکتوں  
لئے اسطرت احمد کے برخلاف کہنے سے لوگ سخت اجتناب کریں۔ اور آئندہ اس قسم کی  
حرکات سے باز آئیں۔

بچہ میں اس کے ہزاروں نظائر موجود ہیں جنہیں کئی امراض متعدی و دوسروں کو جن کا  
ماہ اس مرض کے پھیلنے کرنے کے لائق ہوتا ہے چٹ جلتے ہیں۔ جیسف کی دباؤں  
خاصہ کی دباؤں چٹ امراض متعدی نہ اس کی تحریک اور متعدي مرض حالت ہند دوسروں  
کو لگ جاتے ہیں وہ بلائے بہینہ امراض متعدی بیان کئے ہیں۔ جو اس طرح پر برادر  
دوسروں کو چٹ جاتی ہیں جیسف موروثی امراض ہیں جو عورتوں پشتوں تک چلی گئی  
ہیں اس کا کسی قسم کی فرقہ کسی مذہب اور کسی ملک سے تخصیص نہیں۔ خواہ وہ وید  
کلیہ ہو یا نہیں۔ یہ قوانین قدرت اپنا اثر اور نتیجہ ظاہر کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اور  
مسئلے احتیاط اور بد اعتدالیوں سے بچنے کے اند کسی صحت پرک نہیں سکتے۔

اس سے ظاہر ہے کہ موروثی اور متعدی امراض کا وجہ وید کی تعمیل یا عدم تعمیل  
پر منحصر نہیں۔ بلکہ قوانین کے گھٹنے اند قواعد حکمت کے برخلاف کہنے پر یہ غلطی اور  
اجتناب مرتب ہوتے ہیں اگر کائناتی جامع اس قسم کی حرکتوں اور بد احتیاطیوں  
میں سے احتدائیوں سے ہر ہزار اجتناب کرے تو سب جیسی موت سے مرا کریں۔ اور  
قسم قسم کے دیکھو امراض ہرگز ان کا دامن پکڑنے نہ پائیں۔

باقص الحقت۔ اندیسے بہرے۔ جو کسی نہ کسی طرح پر  
قانون قدرت کی خلاف ورزی ہونے کی وجہ سے  
پیدا ہو گئے ہیں۔ ان کو مواخذہ کرنا انصاف کی نہیں

پہلے اوپر بیان کر دیا۔ کہ کسی شخص کا جنم کے بعد یا کہ مادر زاد پیدا ہونا یا کسی اور طرح پر ناقص الخلق ہونا کسی نہ کسی صورت سے قانون قدرت کی خلاف ورزی نہ کی وجہ سے ہے اور صورت اس کے یا اس کے والدین کی غلط کاریوں۔ بد پرہیزیوں اور بد اعتقادیوں کا نتیجہ ہے۔ انسان کی غلط کاریوں اور قانون قدرت کی مخالفت کرنے کی وجہ سے ضرور تھکا کر ایسا ہی ہو۔ ورنہ حکمت ایسی تلف ہوتی ہے اور انصاف الہی قائم نہ رہتا۔ کہ جن لوگوں نے قانون قدرت کی مطابقت کیے اچھا بیج (نطفہ) پیدا کیا ہے۔ ان کی پیداوار (اولاد) کو کمال و جمال اور حسن فطرت میں ان لوگوں کے مساوی کر دیا جائے جنہوں نے قانون الہی کی اپوزٹ کر کے بُرا بیج (نطفہ) حاصل کیا ہے یا پیداوار (بچہ) پیدا ہونے کے بعد اسکی حفاظت اور احتیاط نہ کیا یعنی نہیں۔ انجمن المسلمین کا جس میں مالکہ کیف تھکوں۔

ان کا اپنا ہوا اور پیدا ہونا تو بیشک خدا تعالیٰ کی کمال حکمت اور عین انسانی کے موافق ہے۔ اب سوال یہ رہا۔ کہ پھر خدا تعالیٰ ان لوگوں سے دنیا یا عالم حقیقی میں موقوفہ کیوں کرتا ہے۔ اور کیوں نہ کرے گا۔ جبکہ وہ فطرتمآ ناقص الخلق ہیں اور مانچنے نقصان فطرت کی وجہ سے شریعت الہی پر پورا عمل نہیں کر سکتے۔

سو اس کا جواب یہ ہے کہ جیسے لوگ خلقت اور پیدائش میں ناقص ہیں ایسا ہی ان پر شریعت الہی کی کامل تعمیل کا بوجھ بھی نہیں ڈالا گیا۔ اور نہ ان سے شریعت الہی کی کامل تعمیل کا مواخذہ کیا جائیگا۔ اور تعالیٰ قرآن شریعت میں فرماتا ہے لا یكلف اللہ نفساً الا و سہلاً اور تعالیٰ کسی جان کو مکلف نہیں کرتا۔ مگر اسی قدر متنبی اس کی استطاعت ہے اور پھر فرمایا فاقضوا اللہ ما استطعتم یہاں تک تم کو استطاعت ہے و لا تمک تقوی اختیار کرو کہ ہر ایک شخص کے لیے اس کی استطاعت کے موافق تقررے اختیار کرنا یہی حق تقاضہ (خدا تعالیٰ سے تقررے کا حق ہے)۔

شریعت الہی میں ہر ایک شخص سے اس کی فطرت حالت اور استطاعت کے مطابق ہانڈ پر ہے جو کس شخص کا مالک نہیں۔ اس سے اس بات کی باز پرس نہیں ہوتی کہ وہ اس نے زکوٰۃ یا صدقہ فطر کیوں نہیں دیا یا پر لے دیا۔ کہ وہ اس کے بوجھ سے یا بار سے مدد کی باز پرس نہیں ہوتی۔ غریب آدمی سے کچھ کا مطالبہ نہیں کیا جائیگا۔ وغیرہ۔ اس لیے ان باتوں کی باز پرس نہیں ہوگی۔ گو کہ بعض متعلق ہیں بہر حال اس بات کی باز پرس نہ ہوگی۔ جو قدرت کے سے تقررے کے تحت ہے۔ یہی ہے۔

بات کا مطالبہ نہ ہوگا کہ تم نے باؤ از بند خدا کو کیوں یاد نہیں کیا۔ یا علم کیوں نہیں پڑا  
 بچہ تھا۔ شریعت ابھی میں لوگوں۔ منکر دوں۔ اپا بچوں۔ اور مسافر ان سب کے  
 لئے عیب جارا مائیں کی گئیں ہیں اسی کو اکثر احکام کے ادا میں غیو بہرکہ معذور  
 سکا گیا ہے۔ لیس علی لا عی حرج و لا علی الا حرج حرج۔

• تو یہ بات ہے کہ مفسر سے حج۔ زکوٰۃ کا مطالبہ کرنا۔ اپا بچ سے جہاد میں نہ  
 جانے پر موافقہ کرنا واقعی ظلم ہے اور انصاف الہی سے بعید۔ لیکن ہر ایک شخص سے  
 اس کی اطاعت کے موافق موافقہ کرنا ہرگز ظلم نہیں ہے تو ان میں ہدایت میں بھی  
 ایسے شخص کے لئے جو کمزور یا بیمار یا مجبور و معذور ہوں رعایتیں رکھی گئی ہیں۔ اور  
 ہر ایک قانون میں مستثنیات ہیں پس اس طرح اللہ تعالیٰ بھی ان لوگوں سے جو کسی  
 عمل کے بجالانے کی باطل قدرت اور طاقت نہیں رکھتے۔ موافقہ نہیں کرے گا  
 اور صرف استطاعت پر موافقہ کرے گا۔ اور یہی عین انصاف ہے۔

یا گل یہاں بھی مرفوع حکم ہیں۔ اور وہاں بھی مرفوع انکم۔ کم سن بچوں کو  
 جہاں بھی مستثنیٰ رکھا گیا ہے۔ عقل بھی وہ سنسنے ہوں گے۔ ہر ایک شخص سے اس  
 کی حالت اور استطاعت کے موافق موافقہ نہ ہوگا۔ حیوانات جن کو نہل نہیں۔

ایک شخص مرفوع العلم ہیں۔ دیوانے جو حیوان کی مثال ہیں وہ بھی باز پرس سے ہلکا  
 کسی شخص سے اس کی استطاعت سے زیادہ موافقہ یا مطالبہ نہیں ہوگا۔ جو لوگ  
 جس حد تک شریعت ابھی کے نیچے آسکتے ہیں۔ وہ جہان تک تعمیل احکام الہی کی اس  
 سے امید کی جاتی ہے وہاں تک ان سے موافقہ ہوگا۔ اور استطاعت کے موافق  
 حساب عین عدل ہے۔

دیوانوں۔ بچوں اور حیوانات کا کیا نام ہوگا۔ مگر چونکہ ان کے انجام کی مختلف  
 تو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے لیکن ظلم کسی پر مطلق نہیں کرے گا۔ دیوانے اور بچے  
 مرفوع العلم ہیں اپنے فضل و کم کے اللہ تعالیٰ ان کے نقصان کو دیکھ کر درگاہ  
 اور اپنے سایہ عاطفت کے نیچے چھوڑے گا۔ ان کی نسبت شریعت ابھی میں ان کی طاقت  
 و طاقت کے موافق فیض ہے۔

جن لوگوں کے پاس کتاب الہی یا احکام الہی نہیں  
 پہنچے۔ ان کا کسب احشر ہوگا ؟ ♦ ♦

جب تک قانون نافذ نہ ہو اور عام طور پر پھیل نہ جائے کوئی شخص اس کی خلاف ورزی کیو جس سے زیر معاوضہ نہیں ہو سکتا۔ نہ مجرم ٹھہر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا قانون (قرآن شریف) نافذ نہ ہو چکا ہے۔ عام طور پر قرینا ساری دنیا میں پھیل چکا ہے اس لئے کوئی شخص اس کی خلاف ورزی میں قانون الہی کے نہ پیچھے کا فائدہ نہیں کر سکتا۔ ہر شخص اس سے واقفیت پیدا کرتے اور اس پر عمل کرنے کے لئے مجبور ہے نافذ ہونے والے عام طور پر پھیل چکنے کے بعد قانون کی عدم واقفیت پیدا کرنے اور اس پر عمل کرنے کے لئے مجبور ہے۔ حکم خدا جو عام طور پر نافذ اور شائع ہو چکا ہے ہر شخص کا فرض ہے کہ اس سے واقفیت پیدا کرے۔ واقفیت پیدا کر کے اس کی تعمیل کرے۔ اس کی بدایتوں کا خیال رکھے۔ اس سے تجاوز نہ کرے۔ ورنہ حاکم حقیقی کا باغی ٹھہر کر جس دوام (جنہ کے ابدی جینا نہ) کا سہارا بن ہو گا۔ اور اس کا کوئی حذر نہیں سنا جائے گا۔ عدم تعمیل احکام اور جرموں پر معمولی سزائیں ہوتی ہیں لیکن بناوٹ کی سزا ابدی ہلاکت اور دائمی جس کے سوا کسی قانون میں اور کچھ نہیں ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کو اپنا حاکم ہی نہیں ماننا اس کے حکموں کی بد واکرنا ہے (کافر) یا اصلی حاکم کو چھوڑ کر کسی دوسرے حاکم کی اطاعت کا دم بھرتا ہے (مشرک) یا اوپر سے ظاہر رہائی کے طور پر اصلی حاکم کی اطاعت کا دم بھرتا اور دل میں کسی غیر شخص سے جانا ہے (منافق) وہ کسی صورت میں اصلی حاکم کی عنایت کے زیر نظر نہیں ہو سکتا۔ نہ اس پر کچھ رعایت ہو سکتی ہے۔

پس کچھ شبہ نہیں ہے کہ خدا سے تجاوز نہ کرنا اس کے حکموں کی پورا نہ کرنے والے۔ کافر۔ مشرک۔ منافق۔ جس دوام کے متعلق ہونگے۔ اور قانون کی عدم واقفیت۔ نفوذ قانون اور عام اشاعت کے بعد ان کے لئے کوئی حذر صحیح نہیں ہے۔

ہاں اگر فی الواقعہ کہیں قرآن شریف نہیں پہنچا۔ اور کوئی صورتیں قانونی واسطہ اتنا بھی پتہ نہیں لگا سکا۔ کہ قرآن الہی کوئی قانون الہی کی کتاب دنیا میں موجود ہے۔ تو ان کی نسبت شریعت الہی میں خاص رعایت ہے تمام امت سے جن کا خاص طور پر امتحان بیکر و صحت تعمیل حکم پر اس کو کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل کرنا چاہئے۔ و صحت عدم تعمیل کے نفل کر کے جس کو الہی کا حکم اسے نہ نافذ کیا جائیگا۔ مگر ظلم کسی پر نہیں ہو گا۔ ان اللہ علیہ السلام علیہم السلام۔ خدا کسی پر فدا بھی ظلم کا مظاہر نہیں

## ہر ذک انسان عمر طبعی پر پونچنے کیلئے پیدا کیا گیا ہے

ان اللہ لیس بظلام للعیند۔ خدا تعالیٰ کسی پر ظلم اور زیادتی کا روا اور نہیں وہ اپنی ساری مخلوق کو ایک نظر سے دیکھتا۔ اور سب پر یکساں اپنی رحمت اور فیضان رکھتا ہے۔ مادہ کا بدبو سہی۔ وہ اپنا فیضان کرنے کو ہر وقت اور ہمیشہ طیار ہے۔ اس کے قوانین مقررہ پر برابر عمل کیا جائے دین اور دنیا میں ہرگز نقصان نہیں ہو سکتا۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ قدیم زمانہ میں عمریں بھی بڑی ہوتی تھیں۔ لوگ قد اور وجہ و شکیل بھی ہوتے تھے اور بیماریاں بھی ان میں شاید و نادر داخل پاتی تھیں لے لے۔ نچے۔ کائے۔ نچے۔ اور اباج بھی شاید و نادر پائے جاتے تھے۔ اس کی کیا وجہ تھی؟ یہی کہ وہ لوگ بلوغت کے بعد شادیاں کرتے۔ سنی کو ضائع نہ کرتے۔ زنا کاری اور بدکاری کا ان میں عروج نہ تھا۔ قسم قسم کی ورزش ان کا شیوہ تھا۔ ہمیشہ سکھ اور خوش رہا کرتے تھے۔

لیکن اس کے بعد رفتہ رفتہ نسلوں میں کمزوری آگئی۔ عمریں گھٹ گئیں۔ بیماریوں نے ڈیرہ جمایا۔ اباج بڑھ گئے۔ قدر کوتاہ ہو گئے۔ آرام و آسائش کا فہم ہو گئے۔ اور دنیا و دنیا کی نظر آنے لگ گئی۔ اس کا سبب بھی ظاہر ہے۔ بچپن میں شادیاں کر دی جاتی ہیں۔ سنگی نسل دن بلی ٹھکنی اور کرور جاتی جاتی ہے زنا کاری۔ جلق۔ افلام عام پھیل گیا آتشک اور سونگ کے امراض بڑھ گئے۔ سودائی اور بدی جڑ پکڑ گئے۔ ورزشوں کی طرف سے چھوٹی کی گئی ہے اس کا نتیجہ جو ہونا چاہئے سو ہو رہا ہے۔

استغفر اللہ! قرآن شریف میں فرماتا ہے ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یتوبوا ما باغضم خدا کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا۔ جب تک کہ وہ اپنے قلوب کھلا رکھے آپ نہ بدلے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت ظلم یا جبر کے طور پر نہیں بدل دیتا۔ بلکہ عدل اور انصاف کے ساتھ جب کوئی قوم اس کے قوانین دینی یا دنیاوی پر عمل کرتی ہے۔ وہ دینی یا دنیاوی حالت میں ان کے ساتھ رہتا ہے لیکن جب کوئی قوم اس کے قوانین مقررہ سے انحراف اور اسکی سنتوں سے روشنی کرتی ہے وہ بھی ان لوگوں سے علیحدہ ہو جاتا ہے اور پھر ان کو توفیق خیر نہیں دیتا خدا تعالیٰ کو کسی کی جلتی رعایت یا قربت نہیں جو لوگ اسکی سنتوں پر عمل کریں حدود مقررہ سے



تجارت نہ کریں۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ ان کے ساتھ رہتا ہے۔ دینی پہلو ہو یا دنیاوی ہندو ہلکا یا مسلمان۔ عیسائی ہوں یا یہود اسکی نظیر کھیلے یہودی کجالت کا نظارہ کافی ہے وہ مسجد کافرانہ کی چاہتی قوم تھی۔ لیکن جب جب خدا کے احکام و قوانین سے انحراف کرتی۔ عیسیٰ مسیح تعالیٰ ان کے دشمنوں کو ان پر مسلط کرتا رہا۔ اور انکی بری گت بناتا رہا۔ لیکن جب کبھی وہ راہ راست پر آ جاتی۔ پھر ان کے ساتھ ہو کر ترقی اور تہذیب کے نیک لافلاک پر ان کو چڑھاتا رہا۔ اور انکو منظر نظر اور مقبول عوام بناتا رہا۔

تو بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی شخص یا خاص قوم کے ساتھ طبعی یا قرابت نہیں ہے وہ کسی کی خواہ خواہ رعایت نہیں کرتا۔ اور نہ کسی کو تباہ اور ہلاک یا کمزور اور مست کرتا ہے۔ ہاں جو لوگ اس کے قوانین اور حدود و مقررات کی رعایت رکھتے ہیں۔ ان کا ساتھ دیتا ہے اور جو اس کے قوانین کو توڑتے حدود سے تجاوز کرتے ہیں ان کو قنزل اور نیستی کے تحت اثرے میں گرا دیتا ہے۔

# قہر بلا مسبب اولہ

یا تصرف بالکائن

## لَا يَسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ لَمْ يَنْسَأَنْ

خدا جو کچھ کرتا ہے اس سے پوچھ کر نہیں پوچھتی اور لوگوں سے پوچھتی ہے (ہم اس دنیا میں قانون قدرت کی نگاہ کرتے ہیں جو دیکھتے ہیں کہ بے انتہا ایسے نظائر سجدہ میں جن میں اکثر حیوانات پر خدا تعالیٰ کی طرف سے قہر بلا مسبب اولہ اور بلائے دنیا میں۔ ہکوں۔ شیر۔ بیٹھے۔ ریکھ۔ چیتے۔ وغیرہ جی۔ خدا میں جو نبات کا گوشت ہے کر دھا شکاری پرندے۔ باز۔ عقاب۔ شاہین وغیرہ جی خدا کی ہی پرندوں وغیرہ کا گوشت ہے سمندر کے کر دھوں جانور دوسرے جانور ملکا پاتا

ناشتہ بناتے ہیں۔ جنس جنس کو کھا کر گزارہ کرتے ہیں۔ ایک قسم کی مچھلیاں دوسری قسم کی  
 مچھلیوں کو کھل جاتی ہیں۔ اسی طرح یہ گوشت خورد جانور دوسری قسم کے جانوروں کا  
 بجا ترکی کو روکتے ہیں۔ دنیا میں جانوروں کا ایک ہی قسم کا اندازہ قائم رکھتے ہیں۔ گوشت  
 یہ فکری جانور گوشت خورد حیوانات۔ دوسری قسم کے جانوروں کو اپنی خوراک نہ بنائی  
 تو دنیا میں یہ جانور اس حد تک بڑھ جائیں کہ ان کا بقا انسان کی زندگی کے لئے  
 بھی سخت مایوس ہو جاتا۔ سارا سمندر اس قسم کے حیوانات سے پر جائے۔ کوئی جگہ  
 اجازت دینے کو نہ رہے۔ کارپنیٹ کا زیادتی سے انسان کے لئے دم پینا وہ پرہیزگار  
 تو بات یہ ہے کہ یہ سب انتظام اور سارا نظام اسی رحیم و کریم خدا ہی نے کیا ہوا ہے۔ جو  
 رب العالمین اس دنیا کو دیکھ رہا ہے اور یہ تم خدا تعالیٰ کی طرف سے ان جانوروں پر  
 بلا مباد لہے انہیں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ اس نظام قدرت کو دیکھ کر صاف معلوم  
 ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا دنیا میں ہر کام کا تقوف ہے۔ **یفعل اللہ ما یشاء**۔ ویکرم  
 ما یرید۔ جو کچھ چاہے وہ کرے اور جو نہ چاہے وہ نہ کرے دیا حکم کرے کہ لیشل عسا  
 یفعل وہم لیشلون وہ جو کچھ کرے آپس کوئی اعتراض نہیں کر سکتا اور اگر کوئی  
 بلا اعتراض ہو سکتا ہے۔

ہاں مالک پر کون گرفت کر سکتا ہے۔ مالک حقیقی اور معروف حقیقی کے ہی تو  
 بنے ہیں کہ وہ ہر طرح تعرف و اختیار رکھ چاہے کسی کو مارے چاہے زندہ کرے دوسرے  
 شخص کی چیز میں تعرف کرنا قلم ہوتا ہے۔ اور اپنے اقدار کی بنیادی چیز کو خواہ کسی شخص  
 قائم رکھے۔ چاہے مصالحتہ توڑ دے کوئی اس پر حرف نہیں کہہ سکتا۔ یہ آری ہے مالک کا حکم  
 ہے کہ وہ خدا پر ہی حکومت کرنا چاہتے ہیں اور اس پر گرفت کرتے ہیں کہ اس نے  
 دنیا کے حالات میں کیوں اختلاف کیا۔ سب کو امیر کیوں نہ بنایا۔ ہر لکھ کے ساتھ  
 ایک ہی سلوک کیوں نہ کیا چہوٹے بچوں پر موت کیوں و مدد کا  
 صاحب خدا معروف حقیقی اور مالک حقیقی ہے۔ اس کا اختیار ہے جو چاہے کہے  
 مالک پر کون حرف نہ کہہ سکتا ہے۔ خالق پر کون گرفت کر سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ کا  
 ادب ہرگز اس بات کا متفق نہیں کہ اس پر کسی قسم کا اعتراض نہ کیا جائے۔ آری  
 مالک پر اعتراض نہ کرنا قلم۔ شرم شرم شرم۔  
 یہی مالک ہونے کے لئے ہے کہ جو چاہے اپنے ملک کے ساتھ ملک کرے  
 اس کے تو وہ معروف بچا جاتا ہے کہ چاہے اپنی چیز کو قائم رکھے۔ چاہے عیاش

کر دے۔ بھلا بتاؤ تو اگر اسکی ملکیت کا تقاضا نہیں تو یہ سارے جانوروں دوسرے جانوروں کو کہیں ہلک کر دے ہیں۔ شکاری جانوروں کو کیا سمجھ رہے کہ کس کو کھائیں اور کس کو رکھیں اور جو جانور کہتے جاتے ہیں انہوں نے ان شکاری جانوروں کو کیا گناہ کیا ہے کہ دن رات کر دھا مارے جاتے اور دوسرے جانوروں کا ناشتہ چوتے ہیں۔ خود ہٹا چکے کیوں موت وارد کیجاتی ہے اور باتیں تو گناہوں کے بدلہ میں ہوتی ہیں۔ موت کس گناہ کے بدلہ میں ہے جو ہر ایک رشتی منی اور گمانی سے گمانی اور نیک سے نیک شخص پر بھی وارد کی جاتی ہے۔ جس سے ہر ایک شخص ڈرتا اور انسانی روح کا پتہ رہی ہے کیا یہ قہری نشان اور قہر کا نشانہ کا نظارہ نہیں ہے۔ پس ملتی جلتی راحت۔ موت و حیات کو تعریف مالکانہ کا نتیجہ کہیں نہیں سمجھتے انسان ہر پر بال رکھتا ہے اس میں کثرت سے جوئی بڑھ کر اسکو سخت ستاتی ہیں یہ کس جرم کی سزا ہے۔ سان جوڑوں کا انسان نے کیا گناہ کیا ہے سر کے بال کٹوا کر یا پھینکنا ہے سب جوئیں مرجاتی ہیں۔ جہنم کو یہ کس جرم کی سزا ملی۔ فلن مات پانی میں ہزار گریبے فرش جان کرتے ہیں۔ سو کیڑوں کو یہ کس قسم کی سزا ہے کیڑوں نے ہمارا کیا گناہ کیا تھا اگر کیڑوں پر جرم کر کے ہم پانی پینا چوڑ دیں خود مرے ہیں۔ ہکو کیس جرم کی سزا ملی۔ بیک ناگاہ ہمارا پاؤں سانپ پر پڑ جاتا ہے۔ وہ اپنے سہاؤ سے ہکو کاٹ جاتا ہے اور ہم مر جاتے ہیں ہکو کیس جرم کی سزا ملی۔ ہم نے اس سانپ کا کیا گناہ کیا تھا اور ہم نے آپ کیا گناہ کیا ہے۔ غرض کہ یہ ساری مثالیں تنازع کی بطل اور انگوٹوں کی دشمن اور خدا کے تعریف مالکانہ کی ثابت ہیں +

## آریوں کی غلطی اور مغالطہ کا نظارہ

پینڈت لیکھ رام صاحب ثبوت تنازع میں لکھتے ہیں۔ خدا نے بعض آدمیوں کو اور ذریعہ سیسی جلتے ریگستان میں پیدا کیا۔ بعض کو معتدل ممالک میں جو تنازع کے یہ ممکن نہیں۔

### نامہ الجواب

کیا آپ کو یقین ہے کہ اگر لوگ دیکھنے کو دے نتیجہ ہو جائیں تو پھر افریقہ میں کوئی شخص پیدا نہ ہوگا اور سرزمین افریقہ بالکل ہٹانوں سے خالی ہو جائے گی۔ خیال

تو قلعہ حقہ کے بالکل برخلاف ہے اگر ایسا ہی ہو جائے تو پھر وہ انسان کہاں سما جائیگا  
 اور اگر وہ باقی سطح زمین میں سما سکتے ہیں تو میں بغیر وید پہلے رینگے آپ کو ایک بتو جو  
 بتاتا ہے کہ جن سے سب لوگ اس مزار سے بچ سکتے ہیں اور پھر کوئی بھی فرقہ کے  
 ملنے ریگستان میں پیدا نہ ہوگا نہ کوئی حبشی وٹن نظر آئیگا وہ یہ ہے کہ سب اہل فرقہ  
 دیگر ملک میں چلے آئیں کچھ پشتوں کے گزرنے کے بعد دیگر ممالک کی آب و ہوا  
 کی تاثیر سے ان کی اولاد بھی دیگر براعظموں کی طرح گونی چٹی پیدا ہو۔ نہ نیکی اور  
 نرگیس کی پیش سے انکو کچھ تکلیف ہوگی۔ ایسی ایسی سادہ لوحی اور بھلے بن  
 کی باتیں کر کے آپ لوگ دیگر قوموں کو دھوکا دیتے اور تمارح کی طرف مائل کرتے ہیں  
 لیکن کوئی اہل عقل ان کی اس قسم کی باتوں کو مان نہیں سکتا جو طفلانہ کہانیوں سے  
 زیادہ وقعت نہیں رکھتیں اور سرسراہٹ اور حرکت بھیجے کے برخلاف ہیں۔

مخالطہ دنیا آریوں ہی کا کام ہے وہ ہمیں جلنے کے بیسی سزین ہوتی ہے اور  
 جس قسم کی آب و ہوا ہوتی ہے۔ آٹ ہوا اور ملک کی تاثیر سے وہی مخلوقات وٹن  
 پیدا ہوتی ہے اور ساسی قسم کی آب و ہوا ان لوگوں کو جاتی ہے اور وہی فطرت اللہ کے  
 موافق عین انکی مزاج و طبیعت نے موافق ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ ان لوگوں کو دھار  
 آریوں سے بڑھ کر شک ہوں۔ سو کہ شک کا سیار قلب کے احساس پر ہے نہ ظاہری ملک  
 جو شخص مدت تک جس ملک میں رہے اس ملک کی آب و ہوا آہستہ آہستہ اپنے  
 اثر کے تحت آئے رنگ میں رنگین کر لیتی ہے یہ کیا بھولا بن ہے کہ خدا تعالیٰ نے بعض  
 لوگوں کو فرقہ کے جلنے ریگستان میں پیدا کیا۔ بعض کو بہشت جیسے ملک میں اسکا  
 موجب پہلے جنم کے مال ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جس شخص کو جس ملک میں پیدا کیا ویسے ہی سامان زیت می  
 اسی کیلئے ہتیا کر دئے ہیں۔ ہر ایک کے لئے ملک کی حالت اور باشندوں کی فطرت کے  
 موافق سامان ہتیا کرنا عین انصاف الہی ہے۔ اس میں قدرت کی طرف سے ظلم کیا  
 وہ لوگ آج سو ظلم سمجھتے ہیں تو وہاں سے دیگر ممالک میں چلے آئیں۔ کوئی ملک نہیں  
 پھر کوئی شخص وٹن پیدا نہ ہوگا نہ اس قسم کی سزا جیسے کافران  
 وید کی تعلیم تب ہوتی ہے جب کہ تمام فرقہ کے گرم ملک کے لوگ دیگر براعظموں  
 میں چلے آویں اور پھر بھی نہ دیکھ لو کہ وہاں انسان پیدا ہو جائیں لیکن اگر سب  
 لوگوں سے آٹھ آٹھ باوجود وہاں پھر کوئی شخص پیدا نہ ہوا تو اس میں کوئی شک

کہ محتاج کا متنازعہ ایک افتادہ دیرینہ اور بڑے بڑے طغیانی ہے۔

پھر مذمت صاحب معوضہ نہجۃ متلح کے ہمدردی پر تحریر فرماتے ہیں جب یہاں پہنچے تو ان کے قانون قدرت یا کسی قانون کی خلاف ورزی میں کوئی قصور نہیں پس حملہ میں بے پیدا ہوتے ہی انہوں نے خلاف ورزی کیا کی؟  
مولیٰ صاحب ایمان سے کہنا۔ سوائے متلح کے اس کا کوئی جواب ہے؟

### فاما الجواب

بھوے بیڈت! مغالطہ دنیا آپ کا سہی کا ہے۔ خدا آپ کو راہ راست دکھائے۔  
صاحب! اگر لوگ نے قانون قدرت کی خلاف ورزی نہیں کی تو اس کے ماں باپ نے  
وکی ریلو کے اپنا بیچ پیدا ہوئے کے براعت ضرور قانون قدرت کی خلاف ورزی ہے خود  
والدین کی طرف سے ہو۔ خواہ کسی غیر کی طرف سے۔ پیدائش امراض کا سارا موجب  
قانون قدرت کی خلاف ورزیاں ہیں۔ خواہ کسی کی طرف سے ہوں۔

آپ کی اس تحریر سے تو سارے اطباء حکماء و فلاسفہ حیران ہیں۔ کیا آپ کو معلوم نہیں  
کہ بچہ کا اپنا بیچ یا اولاد۔ منگلا یا ناقص الخلقیت وغیرہ تو قانون ازواج کی خلاف ورزی  
اور مثل مباحثت میں افراط تفریط کا نتیجہ ہے اگر قانون ازدواج کی خلاف ورزی  
نہ کی جائے تو کبھی قیامت تک ایک آدمی بھی ربا بیچ پیدا نہیں ہو سکتا۔ پیدائش امراض  
کو سبب جنوں کے گناہوں اور دید کی مخالفت سے ذرا بھی تعلق نہیں اگر ساری  
دنیا وید کی متبع ہو جائے تاہم قانون ازدواج کی مخالفت سے بچے نہ لگے۔ لنگرے۔  
ناقص الخلقیت ضعیف و دماغ ضرور پیدا ہونگے اگر ساری دنیا وید کی مخالف اور کذب  
ہو جائے اور قانون ازدواج پر ٹھیک عمل درآمد کرے۔ ایک بچہ بھی ناقص الخلقیت اور  
ربا بیچ نہیں ہو سکتا۔ اس امر کو سبب جنم و متنازعہ سے کچھ تعلق نہیں۔ یہ صرف قانون  
ازدواج کی خلاف ورزی کے نتیجہ ہے۔

چنانچہ ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب اپنی کتاب معین الحکیم میں زیر لفظ جماع کے لکھتے ہیں  
کہ تخلیق ثابت کرتی ہے کہ ایک وقت وہ تھا جبکہ اندھے نہ تھے۔ بہرے ناقص الخلق  
ضعیف و غفلت دے ہی نہیں پیدا ہوا کرتے تھے اور اگر ہوتے ہی تھے تو اس قدر کم قوت  
تھے کہ انہیں بچے بنا کر نہ لے جاتا تھا۔ یہ ہے کہ ان کی تمام زندگی اس میں سے  
میں ہی گزرتی تھی۔ انہیں بچے نہ لے جاتا تھا۔ انہیں بچے نہ لے جاتا تھا۔ انہیں بچے نہ لے جاتا تھا۔  
انہیں بچے نہ لے جاتا تھا۔ انہیں بچے نہ لے جاتا تھا۔ انہیں بچے نہ لے جاتا تھا۔

زائیدہ نافعہ حضرت اور ضعیف القوی پیدا ہوتے ہیں جو طغولیت ہی میں ضائع ہو جاتے ہیں اور اگر زندہ رہے تو ہمیشہ کئے انہی ذات اور اپنے والدین اور اقربا پر بلا جان رہتے ہیں۔ کبھی کوئی مرض ہے کبھی کوئی دُکھ ہے مگر ضعیف ہمیشہ کیلئے صبر و تندرست رہتا ہوتا ایک شاذ و نادر امر رہ گیا ہے۔

• اور عورتوں کا حال سنو کہ بے ادبی اور ظلماتِ فنی و انینِ جماع کی وجہ سے ہمیشہ ہسپتالوں یا طبیعوں کے دروازوں پر پڑی رہتی ہیں۔ اُغمہ اور اشتہا کا ہمیشہ قیاس رہنہ عام صنف۔ احتکاجِ قلب۔ مدارع۔ دمدان۔ سرنگان اور سستی لاحق رہنا ایک معمولی بات ہو گئی ہے۔ ان تمام امراض کی اگر تحقیق کی جائے تو ثابت ہو جائیگا کہ یہ تمام نتیجہ جماع کی بے ادبیوں کا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک امر کیلئے قدرتی اسباب رکھے ہیں اور خاص خاص قوانین چھپائے ہیں۔ انہی اسباب کے چمکرنے اور انہی قوانین پر کار بند ہونے سے وہ امر ٹھیک ٹھیک سر انجام پاتا ہے اور اگر ذرا بھی ان اسباب میں اخراط و تفریط ہو جائے یا قوانین و سنت اللہ کی مخالفت ہو جائے تو وہ امر ٹھیک سر انجام نہیں ہوتا۔ فعلِ مباشرت جو دنیا میں سب سے عجیب و غریب ہے وہ بھی ہر ایک انسان سے خاص خاص آداب چاہتا ہے اگر کوئی بشر ان آداب کو ترک کرے تو اس کام میں سخت سخت مزل میں قدرتی طور پر جگتنی پڑتی ہیں۔ یہ مضمون ایسا وسیع ہے کہ صرف اس کیلئے ایک بڑا دفتر چاہئے۔

اگر تناسخ ٹھیک ہو تو سوائے اُریوں کے دنیا میں اور کوئی

شخص انسانی قالب میں نہیں پایا جاتا

ظاہر ہے کہ تناسخ کا مسئلہ صرف وید کا ایجاد ہے۔ وید کا مقصد ہے کہ جو شخص یہ کی گزیر کر گیا اور اسے کلامِ ہائی نہیں لے سکا وہ مہاپاپی اور بدشت آدمی ہے۔ بلکہ وید کے رو سے باقی تمام اقوام کفر و شرک میں مبتلا ہیں۔ حقیقی توحید وہی ہے جو باقی سب وید اور اس کے حقیقی توحید سے بخلاف ہیں۔

وید مہا پاپیوں اور مذہبی حکم کی مخالفت کرنے والوں کے لئے مختلف قسم کے جانوروں کے قالب اور قسم کی سزائیں اسی دنیا میں مقرر کرتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ



گندگی کا فوراً انتظام کریں تاکہ اس میں کیڑے نہ پڑنے پائیں۔  
 رشتہ کے کام بند کر لو دیں تاکہ رشتہ میں کیڑوں کی نسل ترقی نہ پائے۔ جتنا پہنچا چھوڑ دیا  
 تاکہ لوگوں کا جو پاؤں کی نسل پڑنے کی ترغیب نہ ہو۔  
 مینڈکوں کہیں وغیرہ سب کی منلیں جن جن کو منقطع کر دی جائیں۔ حتیٰ کہ ان موشوں  
 جانوروں میں سے کسی کا تخم تک نہ رہے۔ اس کے بعد یقین ہے کہ کوئی آریہ ان موشوں  
 قلاب میں ہرگز داخل نہ ہوگا سب کے سب انسان ہی کی جن میں آیا کہینگے۔  
 اس انتظام کے بعد اگر کوئی آریہ ان موشوں قلاب میں آگیا یا خدائے ان کا تخم دنیا  
 میں پھر بھیج دیا تو جان لینے کہ تخاص سچا ہے ورنہ تخاص کے ابطال اور ماضیہ ابطال  
 ہونے میں تامل ہی کیا ہے؟

کیا اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں ایسے اصول و قواعد بیان  
 کئے ہیں جن سے انسان کی تقدیر یعنی اسکی جسمانی و روحانی و  
 اخلاقی حالت بہترین ہو سکے؟

سارے قرآن شریف اس قسم کی ہدایات و ارشادات سے مبرا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ  
 کا یہ فرمان کہ وما احصا بکرم من مصیبة فیما کسبت ایدیکم یعنی تمہیں جو  
 دکھ پہنچا ہے۔ نفس ہے اسباب پر کہ جسمانی یا روحانی حالت کا بگڑنا سب سے پہلی  
 بات میں ہے۔ ہم اپنی گرفتوں اور بے اعتدالیوں اور اخلاقی تقریظ ہی سے اپنی روحانی  
 و جسمانی حالتوں کو بگاڑ لیتے ہیں۔ خداوند کریم کا ایسا نشانہ ہرگز نہیں ہے اور نہ ہو سکتا  
 اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ ولا تعلقوا بایدیکم الی التملکۃ اپنے انھوں  
 ہلاکت میں مت پڑو و غلط کرنا ہے کہ تمام اسباب جن سے ہمارا جسم یا روح ہلاکت میں  
 اور تعلق پڑھاتی ہے۔ ہم انھیں انھوں سے ہی پیدا کر لیتے ہیں۔ خداوند کریم کی توفیق سے  
 کو توڑنے اسکی غلطی اور توفیق کی بات کا خیال نہ رکھتے ہیں۔ ہم جتنی بات لکھتے  
 اور اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈال لیتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان واجب الاذعان کہ و اتقوا اللہ من اجل ما  
 تم کہوں میں ان کے دروازوں کی راہ سے داخل ہو ہدایات کر رہے ہیں کہ ہر بات میں



اس کے اسباب مناسب کی ہدایت رکھو۔ ہر حال میں قوانین قدرت کا خیال رکھو۔  
ہر کام کو اس کے اسباب ذرا چھوڑ کر۔ قوانین قدرت کی پیروی کرو۔ خدا  
تعالیٰ کی فعلی اور قوی کتاب کی ہدایات پر کار بند ہو۔ تب ان مقاصد و نتائج کو  
حاصل کر سکو گے۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ قتل احل لکم الطبیبات۔ تو کہہ دے کہ تمہارے لئے  
وہی چیزیں حلال ہیں جو طبیبات ہیں اور جو بدن کی جسمانی و روحانی حالت کو نگاہیں  
نہیں۔ مثلاً متر انسان کی جسمانی و روحانی و اخلاقی حالت کی درستگی کی بنیاد ہے  
فرمان الہی و یحرم علیہم الخبائث یہ بنی لوگوں پر ناپاک اور مضر صحت  
چیزیں حرام کرتا ہے۔ حکمت اور طب کی جان ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ حکم کہ ثیابک فطہر و الہرجن فاہجر تہا پنے کپڑوں کو صاف رکھو  
اور پلیدی سے بچو۔ ان اللہ یحب التوابین و یحب المتطہرین  
یقیناً اللہ تعالیٰ کو ہی لوگ پسند ہیں جو روحانی ناپاکیاں چھوڑنے والے اور جسمانی  
پلیدیوں سے بچنے والے اور پاک و صاف ہیں۔ انسان کو صاف و شہر آشرف کی  
ہدایت کرتا اور ہر ایک قسم کی ناپاکی اور گندگی سے بچنے کی ہدایت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ  
کا یہ فرمان کہ قتل سلو وافی الارض۔ زمین میں چلو پھرو۔ فانتشر وافی الارض  
و ابغوا من فعلن اللہ زمین میں چل پھرو خدا کا فضل یعنی روزی تلاش  
کرو۔ ہر قسم کی مناسب رہائشوں اور وزندشوں اور ہر امر میں جدوجہد اور سعی  
و کوشش کی ہدایت کرتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان و جعل لکم من ابیل تقیمکم الخ و جعل میل  
تقیمکم باسکم ظاہر کر رہا ہے کہ گرمی اور سردی کی بچاؤ کے لئے مناسب  
لباس بناؤ۔ قد انزلنا علیکم لباساً یواسی سوا تکم و یشا  
لباس کی ہدایت اللہ تعالیٰ نے اس لئے کی کہ اس سے انسان کی سرگاہ کی حفاظت  
اور ہر طرح کی زینت و زینت اور بدن کی حفاظت رہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان و الہر مہلات عر فایعنی ہر قسم کی  
صحت بخش جو امیں ہی پسندیدہ ہیں۔ یہ ہدایت کرتا ہے کہ بند اور غلامان  
مستغنی ہوائیں جو مضر صحت ہیں ان سے بچاؤ۔ مکانات ایسے بناؤ جنہیں نرم  
اور صحت بخش ہواؤں کا دخل ہو سکے۔



اور خوبشات بنیادی کی ہنگ کا نتیجہ میں دنیا میں نابینا ہونے والے قوم و فرد کی شکل میں تشل ہو کر رہے گا۔ اور ایمان و اعمال نیک تقویٰ اور عبادت کا ثمرہ ایسے جہات کی شکل میں تشل ہو گا۔ جس کے نیچے دنیاں چر رہی ہیں۔

ان اللہ نہیں بلکہ لام اللہ۔ خدا کسی بندہ پر خدا بھر ظلم کا معاوار بھی نہیں۔ خدا کی طرف سے کسی پر زیادتی اور ظلم نہیں ہو گا جس قسم کے عالمی انسان دنیا میں کر رہا ہے۔ اسی قسم کے اعمال تشل ہو کر وہ انسان کے سامنے آئیں گے۔ اور سچے ہی لائق کا کیا دواں بھگت لیگا۔ کفر اور اعمال بد و ماں اس کو ایک ظلمانی وجود بخشیں گے۔ اور خدا تعالیٰ کی قہری تیلی کی ہنگ میں پھینکے جانے کا موجب ہونگے۔ اور ایمان و اعمال نیک ایک فدائی وجود کے بننے کا موجب ہونگے۔ اور خدا تعالیٰ کے فضل و مدد حم کے ظل ظلیل کے نیچے جگہ بننے کا باعث ہونگے۔

خدا تعالیٰ کی شریعت کا صراط مستقیم اس دنیا میں ایک پُل صراط کی شکل میں تشل ہو گا۔ جہاں سے بائیکاٹ اور تلوار سے تیرا دیا یا بائیکاٹ سے بد ایک خط ہے کہ جس سے بڑھ کر بد ایک ہونا ممکن ہی نہیں۔ اس صراط پر مومن۔ کافر۔ منافق سب کو دیاں چلنا ہو گا۔ مومن چونکہ دنیا میں صراط مستقیم پر چلے ہیں اُس پُل صراط پر سے نہایت جلد اور نہایت سرعت کے ساتھ گزر جائیں گے۔ ایمان کا نواز ان کو عبور میں نہایت مدد دے گا۔ کافر و کفر چونکہ دنیا میں صراط مستقیم سے بچلے رہے اس لئے وہاں بھی ان کیلئے اندھیرا چھو جائے گا۔ جس سے وہ نہیں سوجھے گا۔ اور کٹ کر وہ غم میں لگے چلا جائیں۔ منافق مومنوں کے قدم سے حصہ لینا چاہیں گے چونکہ وہ دنیا میں وہ دے چکا ہو گا اور کسی قدر مومنوں سے ملے رہتے۔ اور کسی قدر کافروں سے۔ اسی لئے مومنوں کا قدم ان پر کسی قدر چپکے گا۔ اور اس قدر حصہ لینا چاہیں گے۔ کہ ان کے اور مومنوں کے درمیان ایک پتھر اور علیل ہو جائے گی۔ اور

خدا تعالیٰ کا حکم کہ جو مستقیم چلے وہ نکلے گی۔ ایمان پر ایک سے ایک مستقیم رہے  
مومنوں کا مستقیم خدا مستقیم کی شکل کا ہونا چاہیے۔ اور ایمان کے لئے ایک خدا مستقیم  
نہیں ہے۔ بلکہ ایک خدا مستقیم ہے۔ اور ایمان کے لئے ایک خدا مستقیم ہے۔

ہر گھمبھی کٹ کٹ کر دوزخ میں جاگے۔

تو فرماں ہے کہ جس قسم کی اپنی حالت چکا انسان دنیا سے لے گیا ہے اسی  
حالت کے موافق وہاں اس سے برتاؤ ہوگا۔ وہاں کوئی سزا یا جزا یا پھر سے نہیں  
آئے گی۔ بلکہ اپنے ہی اعمال خیر یا اچل شریر جتنی گنہگار جنت کی شکل میں پیش  
ہوگا وہی سرور و ادائیگی دکھوں میں ٹھہنے کا موجب بنے گا اور اندھ کی بھیسی ہوئی  
مشہدات کی آگ ظلم ظاہر میں ظہور پزیر جنت سے سخت عذاب اور دکھوں کا  
موجب ہوگی۔ اور مسکوں کے ایوان و اعلیٰ جنات بھری من تختھا اکلا  
لفار کی شکل میں تشکل و تشکل ہو جائیں گے۔ وذلک فضل اللہ یوتیہ من  
یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔

یہ مسلم ہے کہ جس قسم کی حالت انسان دنیا سے لیکر جائیگا۔ خدا اسی میں  
سے گا۔ کافروں اور منکران خدا کے دل میں جو تکفیر ابھی معرفت کا نور نہیں  
ہوگا۔ اس لئے وہ ابھی حیران کی آگ میں جلتے اور ہمیشہ کے لئے ظلمانی اور  
دکھوں کی حالت میں مدد کے چلائے اور مصائب پہنچتے ہوں گے اور ہتوں کے  
دوں میں چڑکے معرفت ابھی کا نور موجود ہے اس لئے وہ فطرتی وجہ کے ساتھ  
ہمیشہ کے لئے وصال آگہی سے مستند اور جاوہری سرور ہونگے۔ کسی  
قدر اعمال بر جو دنیا کے انسان سے ظہور میں آئے اس کے بدلے میں کچھ مدت  
حران کی آگ میں ڈالے جائیں گے۔ مگر وہ آگ انہیں کھلنے بنزواں کے ہو گئی  
(خاصہ ہادیہ) چند روز کی سزا و تربیت کے بعد وہ بھی ابھی سرور میں  
ڈالے جائیں گے۔ اور بخیر لایا ہوں سر کشتوں خدا کے مشکوہی اللہ باغیوں کے  
ابھی دکھوں میں کوئی بھی نہ ہوگا۔ کیونکہ باغی اللہ خدا کے منکر کسی اور کسی سکھ  
کے مستحق نہیں۔ احساس لایق میں کہ اپنی حالت فاسدہ اور ظلمانی قالب کی وجہ  
سے دائرہ اللہ دوسرے ہمیشہ کی حران کی آگ میں جلتے رہیں۔

کہا جاتا ہے کہ محدود دنیا کے محدود اعمال کی جزا یا سزا کس قدر خیر ہو  
کیوں نے لی۔ یعنی اعمال تو دنیا میں ۱۰۰-۲۰۰ برس تک چکے گئے ہیں۔  
تو اس کے بدلے میں ہمیشہ کا جہنم یا سدا کی جنت کی مدد بھی ہو  
خدا اقصائے کے انصاف سے یہ اصل خیر ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے  
ابھی دکھ یا کچھ نہ ہوگا۔

سو اس کے جانب میں یہ گذر فی ہر لمحہ محصورہ اعمال کے بدلے غیر محدود و بے شمار  
 ایک ہی وقت میں نہ تو کسی طور پر بھی ظلم نہیں ہو سکتا۔ بلکہ تھوڑے اعمال اور  
 بے شمار عزت کا بدلہ ابدی جنت کا خدا تعالیٰ کا ایک فضل غلیظ اور رحمت  
 سبحانہ پہنچے کہ اس نے ہمارے تھوڑے سے اعمال کے بدلے غیر متون جزا احاطہ  
 فرمائی۔ مگر کوئی حاکم ایک آدمہ خدمت پر ہی راضی ہو کر ہمیشہ کے لئے نواختہ تو  
 سرور اور اس حاکم کو کوئی غیر مصلحت اور ظلم نہیں کہہ سکتا۔ بلکہ یہ اس کا  
 خاص فضل و رحمت شمار ہونی چاہئے۔ یہی ہر ایک مومن کو جس نے محدود  
 دنیا میں محدود اعمال برکے ہیں۔ ابدی جہنم نصیب نہیں ہوگا۔ بلکہ اعمال کے موافق  
 منزل مگر وہ بھی اصلی ایمان کی برکت سے خدا تعالیٰ کے بڑی فضل میں داخل  
 ہو جائیگا۔ پس ہر زمانے میں خدا کا بڑی ہمتا اگر کسی طرح بھی عمل و مقراض نہیں ہو سکتا۔  
 بلکہ خدا تعالیٰ کا فضل و رحمت خاص ہوتا چاہئے۔ ان وہ سزاوار کفار و مشرک اور  
 کافروں کے جانوروں کو جس ظلم میں ہمیشہ کئے گئے۔ یہی سبب اس پر اعتراض ہو سکتا  
 ہے کہ جب ان کی شرارتوں اور جادات ۱۵-۲۰-۲۱ سالہ ہی ہے۔ تو  
 جی جہنم میں کیوں نہ جائے۔

جس کو کہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان پر کوئی ظلم نہیں کیا ہے کہ وہ خدا کی رحمت  
 سے گدین و اشیاء سے مگر وہ رحمت تھے اور شرارتوں۔ سرکشوں۔ عدو خدا و رسول  
 میں ہر حد سے ہیں۔ اس لئے جس قسم کی حالت و مقام سے بیکوئے ہیں وہی حالت  
 کے ہم ان کو داناں ان سے ملوک ہوگا۔ عداوت سرکشی اور امتیازی کی سزا کسی حاکم  
 کے لئے بجز ابدی ہلاکت اور دائمی جہنم کے نہیں ہے۔ تمام گورنمنٹیں باغیوں  
 اور مفسدوں کو قتل یا دھارام جس کی سزا دیتی ہیں خود کسی شخص کی حرمت یا اس  
 یا کوئی بھی ہو جائے۔

اگرچہ ممکن ہوتا کہ فرد و منافی ہمیشہ زندہ رہے تا مگر سخت مجرموں کو وہ دم جس کی سزا  
 دیتی ہیں حکام نہیں دے گذر سکتے ہیں بلکہ خدا تعالیٰ نے ہر گز وہ ذات اور ظلم الحاکمین  
 پر جس نے اس کی سزا بھی خدا کا ابدی جہنم ہے۔ یہی اصل کو یہ ہے  
 کہ خدا تعالیٰ کی رحمت و کرم کو کوئی سزا نہیں ملے گی۔ یہی اصل کو یہ ہے  
 کہ خدا تعالیٰ کی رحمت و کرم کو کوئی سزا نہیں ملے گی۔ یہی اصل کو یہ ہے  
 کہ خدا تعالیٰ کی رحمت و کرم کو کوئی سزا نہیں ملے گی۔ یہی اصل کو یہ ہے



اور خدا تعالیٰ کے فرمانبردار مصلح اور رستمنی آدمی کو دوزخ سے کیا سوکارا۔ یہ ایسی حدیث  
اور صریح حدیث اقصیٰ ہے کہ ایسی نسبت زیادہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ مرنے  
کے بعد شہرہء اپنی شہرت میں بے انتہا ترقی کرے گا۔ اور مسیحی اپنی بے انتہا سعادت  
میں اور یہ بیت کچھ اچھری اعمال دنیاوی کا انعکاس اور شہرہ ہے خدا کی طرف سے  
کوئی ظلم نہیں۔

آریہ لوگ ابدی نجات سے تعلقاً منکر ہیں اور وہ مسلمانوں کے اس عقیدہ پر  
نہیں دیکھتے۔ مصلحین کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ اگر غور سے دیکھیں تو معلوم کر جائیں کہ خداوند تعالیٰ  
نے جو روح انسانی میں ابدی نجات اور دائمی سکھ کی اضطرابی کی پیاس لگا دی  
ہوئی ہے۔

کسی بھرم میں آ سکتا ہے کہ خداوند تعالیٰ روح کو ایک فطری تقاضا لگا کر پھر  
روح کو اس تقاضے کے موافق وہ نعمت جسکی روح طالب ہے نہ دے۔ حالانکہ ہم  
دیکھتے ہیں کہ تمام فطری تقاضے پورے ہوئے ہیں۔

جب خداوند تعالیٰ کی ہمت میں وہی لوگ داخل ہونگے جو اس کے چمکے مصلح

انہما سے سچی محبت رکھنے والے ہیں تو کس طرح ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک اپنے چمکے مصلح

اور طالب چمکے حب کو کبھی اپنے دارا وصال سے نکال بھی دے۔ چمکے عاشق کی سچی محبت محبوب

کے قرب وصال میں ابدالاباد کے لئے بڑھتی جانی چاہے تھی۔ یا ٹھٹھ کر اس ہمت سے

کبھی نکالے جائے گا باعث موتی چاہئے۔ آریہ لوگ جو کتنی کوتاہ وقت اور محدود قرار

دیتے ہیں۔ اس کی فطرتی کو کچھ بھی سمجھ میں نہیں آتی۔ خدا کی معرفت اور محبت جو

ہر کے گھسٹے ممکن ہے کہ کوئی شخص پھر خدا کے قرب خانہ خاص سے نکالا جائے۔ اور

اصطفاً للساقلین دنیا میں ہمارے ہر ہر لمحہ کے لئے گنا۔ بند۔ سود۔ وغیرہ

بننا چلا جائے۔ اور کبھی اس تاج کے بند حق سے نجات نہ پائے۔ آریہ لوگ ایسا

بول بہنے سے پہلے کہ کچھ خدا اپنی ابدی طاقت کے لئے اکل فتوے لگا دے ہیں۔

صنہ اگر ان میں خدا بھی عقل خدا واد ہو کہ سمجھ لیں کہ خدا ایسا عالم ہرگز نہیں

اپنے ایک طرف کے دل میں محبوب حقیقی کی معرفت اور محبت کا خود ہو

ہوئے ہر ا سے خلعت خانہ دنیا میں پھینک دے اور اپنے چمکے عاشق

کی سچی محبت۔ چمکے عاشق اور چمکے عاشق کی کچھ بھی قدر نہ کرے۔ ایسا کون

والا خدا تو صحت لفظ اور یزیدی کے قابل ہے۔ اور چمکے خدا جو کا عالم

اُظہار ہے ذکر اس کی بھی محبت۔ یہاں تک کسی عاشق کو ہو سکتا ہے جنات کی اصلی  
سرخش اور حقیقت کو وہ لذت اور سرور ہے جو انسان ماسوائے اللہ سے بلکی  
قطع کر کے اللہ تعالیٰ کی محبت میں محبت حاصل کر کے پاتا ہے اور یہ مسلمات ہے  
کہ محبت بجز معرفت نہیں ہوتی۔ چنانچہ محبت میں تمام غمنوں کی سترائے نعمت ذکر  
آپس ہے اما اللہ تعالیٰ کی رضا۔

پس سلسلہ وسیع اور غیر محدود ہونا چاہئے کیونکہ یہ محبت اور معرفت بڑھتی  
جائیگی۔ پھر انسان کیونکر خیال کر سکتا ہے کہ وہاں سے کبھی غل آئیگا۔ بلکہ وہاں سے  
غل ملتا ہی نہیں۔ (و ما ہم بجز حباہن) پس یہ کیسی سچی بات اور روح کو تسلی  
دینے والی ہے کہ سلام نے وہ کتنی بتائی ہے جو فطرت کے تقاضے کے موافق ہے اور  
جس میں ابد الابد رہنا ہوگا۔

پھر غور کرو کہ اعمال صالحہ کی حلی تقسیم یہ ہے کہ الطاعة لامر الله والستغفارة  
حلی عباد الله یعنی یا تو تسلیم و اطاعت الہی کے لئے ہوتے ہیں یا شفقت علی  
المتقین کے لئے اور جنت میں یہ دونوں باتیں موجود ہیں۔ تسلیم الہی کے متعلق  
یہ بات ہے کہ بہشت میں تجلیات الہی سامنے دیکھ کر ہر بشری پارسے ہونگے۔  
وہو اہم فیہا سبحانک اللہم و تحمیدہم فیہا سلام و آخر وہو لہم  
الصلوٰۃ الحمد للہ رب العلمین۔ تمام خدا تعالیٰ کی تحمید و تقدیس میں مصروف  
ہونگے۔

اور خلقت کے متعلق امر مسک بابت یہ بات ہے کہ وہاں کسی کو کسی سے براہ  
ہی نہیں۔ نہ ان جبرگروں کا ذکر جو باہمی تمدن یا تدبیر منزل کی وجہ سے ہوتے  
ہیں اور تعالیٰ فرماتا ہے۔ و نزلنا ما فی صدورہم من غل اخوانا علی  
ہر دم متقابلین۔ ہر ان کے سینوں سے تمام کینے نکال دینگے سب کے سب  
بجائی ہو جائیں گے۔ سختوں پر سائے سامنے بننے ہوئے ہیں جبکہ حقوق الہی  
اور حقوق عباد سب جنت میں حلی وجہ الکمال ادا ہونگے اور خواہر و تائیم  
کا وہاں ذکر نہیں۔ لا لغو فیہا ولا کثیم (تو جنت سے نکلنے اور دنیا کے لوگوں  
بمقام آئے اور سفلی حالت اختیار کر کے لئے کوئی وجہ رہی ہے +

ایہی جہنم کی نسبت بعض علماء





مگر یہ تیرا پروردگار چاہے تو معرفت مالک اندکے لحاظ سے اُن کو نفا بھی کر سکتا ہے۔  
 مگر اس کے لئے حکم ہو چکا کہ عطا وغیرہ عجز و ذ۔ اُن پر عطا الہی کا خاتمہ اور انقطاع  
 نہ ہوگا اور ابداً یاد کیلئے وہ جنت میں رہیں گے۔ ان ہذا المہزقنا۔ الہ مدین  
 نفاذ ہے۔ یہ ہماری علیہ رحمت ہے جسکو انقطاع نہیں۔ اہل دوزخ کے ذکر کے  
 بعد اللہ تعالیٰ مغال لہما یرین لایا ہے۔ یعنی جو کچھ چاہے کر سکتا ہے اہل  
 دوزخ کو بھی نجات دے سکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک مرفوع حدیث  
 میں بھی آنحضرتؐ سے منقول ہے کہ جناب رسولؐ مقبول نے اس آیت کو  
 پڑھا اور فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے کہ بعض اشقیاء کو آگ میں سے نکال کر جنت  
 میں داخل کرے تو کر سکتا ہے اور ابن جریو اور ابو الرشیخ اور ابن مردویہ  
 نے قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فاما الذین مشقوا اور کوڑے کھ  
 کہا کہ ہم سے انس رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہؐ نے ذاباکہ یعنی دگ  
 میں سے نکلیں گے اور ہم نہیں کہتے جیسے کہ اہل خرد آرا کہ موفیہ کا نام ہے یہ  
 تے قاری جنکے کہتے ہیں کہ بعض آگ میں داخل ہوئے۔ ہمیشہ اسی میں رہیں گے  
 لیکن اہل جنت کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے نفاذ عطا وغیرہ عجز و ذ  
 ذکر فرمائے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ کی رحمت بے پایان کا پتہ ملتا ہے کہ انہی رحمت ر  
 عطا کبھی ختم نہیں ہوگی۔

ایک جگہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے اہل دوزخ کے ذکر میں لا بنین  
 فیہما احقبا اور اس میں قرون رہیں گے فرمایا ہے اُس سے ہی اللہ تعالیٰ کی  
 رحمت کا پتہ ملتا ہے کہ اہل دوزخ کو ایک مدت مدید تک اپنے تہر کا مزہ چکھا کر  
 آخر کار ان کو رحمت کے سایہ کے چنے لے آئیگا اور سورہ قاسمۃ میں جو اللہ  
 تعالیٰ نے فرمایا ہے فاما ہادیہ یعنی اشقیاء عصاة کی ماں دوسرے سو گئی  
 اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ جس طرح ماں بیٹے کو محض تربیت کے لئے سزا دیتی  
 ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ اشقیاء اور نافرمانوں کو دوزخ میں محض  
 ان کی تربیت و اصلاح کے لئے سزا دینگا اور آخر کار مادر مشفق کی طرح  
 کفر و عصیان کی سبیل سے پاک نہ صاف کر کے رحمت کے ظلِ لطیف کے نیچے  
 جگہ دے گا۔

تاکہ مشرکین و کفار کی تفسیر میں ایک جگہ فرمایا ہے کہ ایک گنہگار

اس آیت کا بے بنیاد فیہا احقابا سے دلیل لی ہے۔ عذاب کے متعلق  
منقطع ہونے پر۔ اس لئے کہ گناہ ظلم تھا ہی ہے اس پر عذاب بے انقطاع کرنا  
ظلم ہے اور اسد تھا۔ لے ظلم سے پاک ہے۔ اس کا جواب اگرچہ ابن جہنم  
نے بڑا کافی دیا ہے کہ کفر پر ہمیشہ عذاب دینے میں کچھ ظلم نہیں۔ کیونکہ کافر  
پختہ ارادہ رکھتا ہے کہ ہمیشہ جہنم زندہ رہیگا۔ کفر پر سزا ہوگی۔ پس عذاب  
دوام گناہ کا ہی ہوا اور عذاب و ایم گناہ و ایم کے رافق نہرا جوئی تھا  
لیکن تاہم قرآن فیہا سے رحمت الہی کی عجیب شان نظر آتی ہے اور رحمت  
ہوتا ہے کہ خدا تمہارے کسی رست غصب پر کیسی سبقت رکھتی ہے۔

ابن عمر سے امام احمد نے یہ روایت ثابت کی ہے کہ لیا یمن علی جہنم  
یوم تصفین فیہ ابوابھا لیس فیہا احد و ذالحد و ذالحد و ذالحد  
فیہا احقبا یعنی ضرور جہنم پر ایک ایسا دن آئے گا جسہ اس کے دروازے پختہ  
ہونگے اس میں کوئی نہ ہوگا اور یہ اس مدت کے بعد ہوگا جب اس میں ٹھہر جائیگا  
تقریباً۔ اگرچہ اس روایت کی اسناد میں ایک راوی غیر ثقہ ہے لیکن بہت سے  
لوگوں نے اس قول کو ابن سعد و ابن ابی ہریرہ سے نقل کیا ہے اور ابن تیمیہ  
اسلام کے ایک جید عالم نے فرمایا کہ یہی ہے قول حضرت عمر بن خطاب رضی  
اور انس رضی اللہ عنہم کا اور حماد بن سلمہ علی بن طلحہ ابوالہی اہل جماعت مفسرین  
۱۰۱ اور علاوہ اس کے اور کئی صحابہ اور تابعین نے یہی اس قول کو روایت کیا ہے  
بس سے اس روایت کو بڑی تائید اور قوت پہنچتی ہے۔

بہر حال اس میں کچھ شک نہیں کہ عالم اسقدر میں اور متاخرین میں سے ایک گروہ کا یہ  
سک ہے کہ دوزخ کی ابدیت جنت کی ابدیت کی طرح شارع کا منصوبہ علیہ نہیں  
ہے اس لئے کہ جنت کے حق بعد کا مامدہ و ربط کے فرمایا عطا فیہ جنت و  
سکے غیر منقطع یعنی بخشش بے انتہا اور دوزخ کے حق میں بعد استئنا مذکور کے  
فرمایا ابن ربیع فقال لما یومئذ فیہ بیشک تیرا رب کرئی لگا ہے جو چاہے  
اور کوئی تیسری بیشک کی عقید نہیں فرمائی پس دوزخ کی ابدیت میں فرق ہوگا  
اور بعض دلیل شرعی اور عقلی کسی وجہ میں دوزخ کے اتنی ہونے کو چاہتی ہے  
جس سے دوزخ و جہنم کے عذاب کا ختم ہو جائے لازم آتا ہے۔ بلو جو قابل ہونے  
نہ ہوتا انکار کے اس کے کہ جہنم کے دوزخ ہوتی ہے ہمیشہ اس پر ہوگا۔

اس سے نکل نہ سکیں گے و ماہم بخارجین من الناس اور جب دوزخ  
 فشا ہو جائیگی تو ان کا عذاب عظمیٰ نہ رہے گا گوزمانہ دراز اور بہت لمبی مدتوں  
 بعد پھر اور تنگ نہیں کریں فرق نہایت نازک ہے۔ اس واسطے حافظ ابن قیم  
 نے کتاب حاوی الارواح الی بلاد الامزاح کے سرسکھوں باب میں بہشت و دوزخ  
 کی ابدیت میں بسط کلام کے بعد اسی طرف میلان کیا ہے اور کہا ہے کہ حکمت ماحی  
 میں یہ بات نہیں کہ شر اور ابدی ہمیشہ رہے۔ جس کیلئے نہایت اور ابھام نہ ہو اور  
 خیر اور بدی سے بالکل مساوی ہو۔ انتہہ۔ پھر حافظ ابن قیم نے کتاب نہ کو میں دوزخ  
 کے دوام میں شرعاً و عقلاً پچیس وجہ سے فرق کیا اور کہا شاید یہ تحقیق چھٹی کسی  
 کتاب میں نہ ملے اور اس کے ضمن میں دوزخ کا دوام ثابت کرینے والوں کی ویلے کے  
 جواب دے اور دو تین جزو تک کلام کو لیا کر کے مطلب کو ثابت کیا اور ان ویلے اور جواب  
 پر غور کرنے سے ظاہر ہی معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ کے ہمیشہ نہ رہنے پر انکی دلائل اشارۃً اقصیٰ  
 اور التزام کے طور سے ہے اور بنا اسکی و غیر الہی میں خلف کے ممکن ہونے پر ہے چنانچہ  
 متکلمین اہل سنت کا مذہب ہے۔ اس لئے کہ رحمت الہی غضب پر غالب ہے جزا  
 و عذاب کے کہ اس میں غلام نہ ہونے کو مخصوص علیہ کہتے ہیں جو اس بنا پر معلوم نہ کر کسی قسم  
 ثبوت ضرور رکھتا ہے اگرچہ مذہب جمہور بلکہ مخصوص عامہ کے برخلاف معلوم ہوتا۔  
 حافظ ابن قیم کے استاد حضرت ابن تیمیہؒ نے بھی اس طرف گئے ہیں کہ دوزخ  
 دوزخ کے لئے مدت مدید کے بعد فنا اور انقطاع ہے اور حضرت محی الدین ابن عربیؒ  
 رحمۃ اللہ علیہ جو موفیائے جلیل سے ہے ان کی بھی یہی رائے ہے کہ اہل نار کی  
 ابدیت اہل جنت کی طرح نہیں ہے جسے انقطاع و اختتام نہ ہو۔ پس العکس  
 کیا ہی رحیم و کریم و صاحب عفو و عظیم ذات ہے جس پر اہل اسلام کو دنیا  
 دین میں سہارا ہے۔ و علی اللہ فلیتوکل المتوکلون

یہاں کوئی ثبوت ہے جس سے معلوم ہو کہ احکام قرآنی پر چلتے ہیں  
 اچھی چیز (برہشت) لیگی اور اس سے بغاوت کر نیسے عاقبت  
 میں بُری چیز (دوزخ) نصیب ہوگی؟

سارا قرآن شریف اس ثبوت سے بھر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے مامورین کی زندگی  
 کو ہی جہاد سرائے عاقبت کا نمونہ اور ثبوت میں ٹھہرایا ہے جو لوگ ان مامورانِ الہی کے  
 ساتھ ہو گئے وہ کامیاب بنے اور جو لوگ خوفِ ربانی ہو گئے وہ ذلیل و خوار ہو گئے  
 ان مامورانِ اللہ نے نئی زبان سے جو کچھ نکلا حرفِ بحرف پورا سہارا مصدقین کو جزائے  
 خیر ملی اور مکذبین کو انکی شرارت کی پاداش ملی۔ دنیا میں انکی زبان کی نکلی ہوئی  
 باتوں کا حرفِ بحرف پورا ہونا دلالتِ بتیہ ہے۔ اس امر کہ کہ آخرت کے بارے میں  
 بھی جو کچھ انہوں نے ارشاد فرمایا وہ بالکل صادق ہو گا اور انہیں سرِ موفوق نہ ہو گا۔  
 مثال کیلئے ہم اس وقت مامورِ آخری یعنی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم کے حالات زندگی کو نظر کے سامنے لاتے ہیں اس سے اظہر میں شمس  
 ہو جائیگا کہ ان کے متبعین کو ان کے ارشاد کے موافق دنیا میں کس طرح پھل ملا اور اس  
 سے جزائے آخری کی صداقت پر قطعی دلیل مل جائیگی اور مطلق شک نہ رہیگا اگر ایسا  
 ان انبیاء کے سامنے والوں کو یقیناً اور بالاربابِ عاقبت میں جزائے خیر لیگی اور باغیوں  
 اور منافقانوں کا بُرا انجام ہو گا۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو قیامت کے آئیسے پہلے آگے  
 ساتھ ہو جائیں اور انحراف اور بنیادت سے باز آئیں +

غور کرو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ترمِ بچے تھے جنکا باپ پیدائش سے پہلے ہی  
 فوت ہو گیا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد والدہ فوت ہو گئی پھر دادوستوی ہوا وہ بھی فوت ہو  
 گیا۔ بچے نے سرِ پستی کی وہ بھی وفات پا گیا اور یوں یتیم بچہ باپ کی تعلیم و تربیت  
 اور دولتِ خاندان سے بالکل محروم رہا اور بالکل بے کس اور بے بس ہو گیا۔ انھوں نے  
 دستِ ظلم اور غلامی کا یہ سہاں کی عمر میں اس نے دعوے کیا کہ میں اس کا رسول ہوں  
 اور تمہاری طرف پیشرو نظر ہو کر۔۔۔ میں اپنے اعمال بد کی پاداش میں تم سے حق  
 ہو چکے ہوں اگر اب بھی تم آگے نہ چلو گے تو دنیا و آخرت دونوں

چوتن میں تہاری صلاح اور پیروی ہوگی اور اگر خدا کے حکم سے روگردانی کر دے۔  
 اس پر ایمان نہ لاؤ گے۔ چال چلن ٹھیک نہ کرو گے تو تم پر سزا کا حکم ہو چکا ہے۔ اس دنیا  
 میں تمہارے اعلیٰ پاؤں کے اور آخرت کا عذاب اس سے بہت بڑھ کر ہے اور لعن اب  
 الاخرۃ اکبر یہ الہی آرٹ تھا جو رسول کے لئے اپنی قوم کو گنہگار یا جوقہ رسول کریم نے اپنی قوم کو  
 یہ پیغام الہی پہنچایا سوقت آپ تن تنہا ایک شخص تھے اور ساری قوم بلکہ ساری دنیا  
 آپ کی مخالفت تھی غرضی قدر لوگ آپ کی قوم کے اس حکم الہی کو منکر یہ شک آپ پر ایمان  
 لے آئے لیکن وہ کیا تھے محدودے چند جو سب سب آنحضرت کے ساتھ آپ آنات  
 بیات کا نشانہ بن رہے تھے آنحضرت کو اتنی بڑی مخالفت و معاندت قوم کے مقابل کیا مدد دے  
 سکتے تھے؟ غرضیکہ آنحضرت اہل بیت سے لیکر ۱۲۔ سو برس تک اس بے کسی اور بے کجی  
 کی حالت میں رہے جس میں کسی پولیشیل میں دنیا میں آنے کو ہرگز ہرگز امید نہیں ہو سکتی تھی کہ  
 آپ کبھی عروج اور ترقی پا کر اسی ملک کے بادشاہ بن سکیں گے اور اپنی نبوت سے لیکر اس وقت تک  
 کہ آپ کو اپنی نابیناس قوم کے درمیان سے نبوت کرنا پڑا آپ جس مصیبت اور تکلیف کی حالت میں رہے  
 یا سکا اندازہ کسی انسان سے ہو ہی نہیں سکتا سو وہیم سو صاحب بھی ان تکالیف اور آنحضرت  
 کے اس استقلال کو دیکھ کر اپنی لائف آف محاسن میں بڑا تعجب ظاہر کرتا ہے اور اس کو فوق العادہ  
 قرار دیتا ہے۔ اب دیکھو کہ اہل بیت سے لیکر ہجرت تک ہر ایک بہت عرصہ اس کے بعد تک  
 جبکہ آپ کے پاس کوئی ظاہری مسلمان کفار غلبہ و کامیابی کا نہ تھا۔ قرآن شریف میں تو اترا  
 آپ صحت پر رہے اور مخدیان کرتے رہے کہ خدا کے برخلاف اٹھ کھڑے ہو نہ سکتے اور میں حق  
 کی اشاعت میں مزاحمت کرنے والے فاسق و ناجور کو نہ بعد اچھے اعمال کی پلوشامی دنیا میں  
 اسی طرح چمکیں گے جتنے تمام اچھی آستیں چمکتی رہیں۔ حق آخر کار غلبہ پا جائیگا بالکل شک  
 نیست خابود و جانیگہ جاسالحت و نہ حق الباطل ان الباطل کان زہوقا نا  
 ۱۰۔ سو دین جو کہ میں نازل ہوئی میں انکو فورے بڑھو سلاسل لٹے بند و خور سے متواتر اس بات  
 کا وعدہ دیتا ہے کہ کفار اعمہ باہر کی طرح فرمایا کرتے تھے اور مخالفت دین حق کا بد آنحضرت  
 کے سوا اس جہان میں کسی بائیں گہہ لاکھ کو شش کریں ہزاروں سو جس دین حق آخر کار  
 غالب ہو جائیگا اور وہ سب کے پیچھے ہٹ کر بائیں گہہ سے سزا کا پتہ نہیں سکیں گے  
 سینہ بایک دم و یولون الی حق علی کیا وہ حق جیسا کہ خدا کے ہاتھ میں  
 مکر و مکریم وعدہ اللہ مکریم و اب کان لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ  
 نوا حسبن اللہ مختلف وعدہ لکھ لکھ ان اللہ عز و جل و تعالیٰ

ولئن یقنہم من العذاب الا دتی دون العذاب الا کبر علمہم فی حق  
 کذبہ قبلہم قوم نوح واصحاب الوس وشمود۔ حماد وقرہ بن  
 واخوان لوط واصحاب الیثکۃ وقوم تبع۔ کل کذب الوبیل تحقیق  
 رعبید۔ وکما ہلکنا قبلہم من قرن ہم اشد منہم بطشاً فنعیم  
 فی البلاد اهل من محیض۔ قرآن شریف لیس جہاں جہاں اللہ تعالیٰ نے  
 انجلی امتوں کی ہلاکت کی خبر کی مثال کہہ طور پر دی ہے اس سے طرح کفار کہ  
 کا مغلوب ہونا اور اسلام کا آخر کار غالب ہونا متنبہ کیا ہے اس حق دین حق کی چوٹی  
 کہے سوا ایک بڑی غرض یہ بھی ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ اس دنیا میں علی طور پر میرا  
 جزا کا قطعی طور پر ملنا نظروں کے سامنے دکھا دیوے اور جزائے آخرت کیسے نظر  
 قرار دے اسی واسطے بار بار ارشاد فرمادیا کہ عذاب آخرت کے سولہوس حق کے  
 مخالف اور کافر اسی دنیا میں بھی عذاب چکھ کر رہیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آخر کار  
 ان وعدوں کو پورا کیا اور سرورِ امان کفار کو پہلے تو جنگ بدر میں ان کی شرارتوں  
 اور سرکشیوں کی سزا دی (دیکھو سورہ انفال) ان کا زور توڑا اور آخر کار بالکل ہی  
 ان کو نیست و نابود کر کے اب عرب میں ایک متنفس مخالف دین حق نظر نہیں آتا۔  
 یہ تو اللہ تعالیٰ نے سزائے آخرت ملنے کا علی ثبوت دیا اور اس کا نظارہ اس جہاں  
 میں نظروں کے سامنے دکھایا۔ اب دوسرے طرف دیکھئے اللہ تعالیٰ نے ساتھ ساتھ ہی جا بجا  
 برابر اہل ایمان کو بشارت فرمائی کہ اگرچہ اس وقت تم لوگ کمزور ہو اور تمہیں سرکشیوں کو  
 جگہ نہیں۔ لیکن آخر کار اللہ تعالیٰ تمہیں اس جہاں میں بھی جزائے حسنہ عطا فرمائے  
 جو کچھ تم نے ابتغاء من صفات اللہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں کھودیا ہے اس جہاں میں  
 تم کو ملکر رہیگا۔ وہ آیات کلام ربانی جس میں اللہ تعالیٰ نے ویسی بشارتیں عطا فرمائی  
 ہیں۔ بجا رہیں۔ لیکن ان میں سے ایک آیت یہاں ذکر کی جاتی ہے اللہ تعالیٰ  
 سورہ نحل میں فرماتا ہے۔ والذین ہاجروا فی اللہ من بعد ما ظلموا  
 لیؤتیہم فی الدنیا حسنة ولا یموتوا کما یموتون الذین  
 ہاجروا وعلی ہم یتوکلون جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں وطن چھوڑ دیا  
 اسی کے بعد ان پر ظلم ہوا ہم ان کو ضرور ضرور دیا ہی میں عہدہ جگہ دینگے اور  
 بہتر سے بہتر تو بہت بھاری ہے کاش لوگ اسے جانیں دے لوگ کہ جنہوں نے  
 ہجرت کی: یہ لوگ پر عمر لیا اور خدا پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

اب دیکھئے اس آیت میں اللہ تعالیٰ بڑے زور سے ارشاد فرماتا ہے کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں دامن چھوڑا اپنے مال شارکے انکو عہدہ نیکان عطا فرمائے گا۔ اب بخانہ کو دیکھئے کہ آنحضرت کے ہمراہ جن لوگوں نے دامن چھوڑا اپنے مال شارکے انکو عہدہ نیکان عطا فرمایا نہ سب کے پہلے آنحضرت م کے ساتھ دامن چھوڑنے والے حضرت ابوبکر صدیق تھے۔ لیکن سب کے پہلے ان کو اسکا اجر ملایا نہیں۔ آنحضرت م کے بعد سب کے پہلے خلیفہ اویسی اور سلطان العالمین بنے یا نہ بنے ضرور ہے اور اس کے ہاں شار مہاجرین نے اپنے اپنے اعمال اور رتبہ کے موافق خلافت، سلطنت، مراتب اور جاہ و ثروت سے حصہ لیا یا نہیں۔ جس نے ایک پیہ خدا کی راہ میں کھرایا، بلکہ ہزار گنا حاصل کیا۔ بھان اللہ و بعد یقیناً اللہ تعالیٰ کے وعدے سچے ہیں جس نے اس دنیا میں اپنے سارے وعدے وعید پورے کئے۔ قطعاً اور یقیناً اس بات کا نفرت ہے کہ آخرت میں بھی نرا اور جزا متحقق ہے اور کہ اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہ ہے۔ کیا کوئی ہے جو اس پر غور کرے۔

اللہ تعالیٰ کے یہ وعدہ وعید اور ہمہ اہل کے موافق اسی دنیا میں سزا اور جزا کا ملنا کوئی دہریہ دہریہ آدمی بھی اتنا واقف نہیں۔ یقینی۔ وعدہ مکمل ہو گا۔ دیکھی بات سے انکار کرنے کی گنجائش نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ کی ساری دنیا پر جو تہ پوری ہو چکی ہے۔

اب ہم ایک خدا کے منکر اور دہریہ سے جو چہچہ میا کر کیا صاحب اعمال کی جزا اور سزا کا قطعی ہونا آپ نے مشاہدہ کیا یا نہیں اور کیا اب بھی آپ کو وعدہ اور وعید کرنا ہے اور پھر ٹھیک اس کے موافق اعمال کی جزا دینے والے ماحول خیم خدا کے ہونے میں شک ہے؟

کیا خدا کے سوائے کوئی شے قدیم غیر مخلوق اور واجب بالذات ہو سکتی ہے؟

ہرگز نہیں ایک واجب ہستی کے سوائے دوسری واجب بالذات کا جو ماحول خیم ہے۔ دنیا میں کوئی شے ایسی نہیں ہے جو خدا کے سوائے اعلیٰ القیوم زندہ اور ذات کے ساتھ قائم ہو۔ کوئی جسم۔ کوئی ذہن۔ کوئی روح۔ آپ جو جانتی ہیں



عہدیں کرتی۔ ہر شے کا ذوق بقا اور نمود الہی کے سہارے اور اسی کے چمکانے سے ہے۔ اس لئے اللہ کوئی شے وجود ذاتی سجدہ نہیں ہے۔ اللہ خالق کائنات ہے اور وہو علی کل شیء وکیل ہر شے پر قادر روح اور اجسام کا خالق الہی ہے اور وہ ہر شے پر وکیل ہے یعنی ہر شے کا وجود و بقا اور نمود اسی کے سہارے سے ہے۔ بدیع السموات والارض زمین و آسمان کا موجد ہی ہے۔ ایک وقت تو جبکہ زمین و آسمان وغیرہ کچھ نہ تھا۔

کائنات اللہ ولہ یکن معہ مشائی اللہ کی ذات ہی ہستی اور اس کے ساتھ کوئی شے نہ تھی پھر اللہ تبارک نے ہر شے کو اپنی قوت پیدا کیا۔ یہ تہہ پیدا کیا۔ تو زمین و آسمان ہر شے چمک اٹھی۔ اللہ نور السموات والارض اللہ کے چمکانے کے بغیر کوئی شے اپنے انوار وجود کو آشکار نہیں کر سکتی۔

دنیا کا ذرہ ذرہ اس بات پر شاہد ہے کہ میرا کوئی مالک اور خالق ضرور ہے۔ میں آپ سے آپ پیدا نہیں ہو گیا۔ اجسام و ارواح سب مخلوق اور حدوث کے رنگ سے رنگین ہیں۔ انسان کا اپنا کام نہیں کہ روح و جسم ملکر نسبت کدائی اختیار کر لے اور خلعت انسانی پہن لے ہر ذرہ انت مالکی مالکی پکار رہا ہے ہر روح انت ربی انت ربی کی صدا ہے راہ ہے۔ عالم کی جس چیز کی طرف دیکھو وہ خاص قیود سے قید اور خاص حدود میں محدود ہے۔ سب بڑے عظیم الشان وجود آفتاب کی طرح نظر آتے تو وہ صرف ایک منور بالذات جسم ہے ویسے۔ خاص جگہ میں محدود ہے اور خاص وصف سے مخصوص چاندنی کا کمال و زوال محتاج بیان نہیں۔ غرض کہ ہر شے دنیا کی دیکھو وہ محدود جگہ میں آئی ہوئی ہے۔ خاص لحاظ میں سمائی ہوئی ہے۔ پھر یہ سب اشار یہاں تک ناقص فی الذات اور بے بس ہیں کہ وہ جس قدرت پر مغلطہ اور جس نیچر پر مجہول ہیں اُس سے سر مو تجاوز نہیں کر سکتیں جس کے اظہار میں الشمس ہے کہ وہ غرور و غشی عظیم الشان طاقت اور زبردست قوت کے ہیں میں پڑی ہوئی ہیں اور اسی کے امداد سے ان کا ظہور و نمود ہے جس نے انہی مرنے سے ہر ایک شے کو خاص قدرت پر پیدا کیا ہے اور خاص خاص صفات و خواص اس لئے لاحق کئے ہیں۔ چاند۔ سورج۔ ستارے سب اجرام عالمی و مہلکی ہیں محسوس و دیکھ چور ہے ہیں۔ لیکن ہم نہیں جانتے کہ ان پے جان وجودوں کی اپنی ہستی تک کبھی علم ہو۔ جس سے اس کے نمود پے پردہ اور غلطی

کی صنعت کا ایک نقش اور قدرت کا ایک پرتو ہونے کے ان اشیاء کو ہم چہ کر نہیں سمجھ سکتے۔ اس سے یقین اور حق الیقین ہوتا ہے کہ ان اشیاء کا فرد کوئی خالق اور مالک ہے جسکی قدرت کا اثر صنعت کا نقش ہے۔ سارا کائنات ہے اور فرد وہ ایک چیز ہے کیونکہ یہ سارا انتظام عالم با تفاوت ایک ہی طرح پر چل رہا ہے اور دنیا کی ہر ایک شے ایک ہی سلسلہ میں منظم اور ایک ہی سنگ میں منسلک ہے جس سے قطعی یقین ہوتا ہے کہ صرف ایک ہی کاریگر کے ہاتھ سے یہ ساری کل نکل ہوئی اور ایک ہی ذات نے چابی دے رکھی ہے جس سے قیامت تک یہ کل اسی طرح چلی جائے گی۔

دنیا کی ہر ایک شے محدث کے رنگ سے رنگین ہے جس سے ثابت ہے کہ کوئی محدث خالق فرد ہے۔ ہر ایک وجود کو کوئی نہ کوئی نقص لاحق ہے جس سے ظاہر ہے کہ کسی کامل حکیم نے اپنی مرضی و ارادہ سے ایسا کیا۔ آپ سے آپ ہونے والی چیز میں نقص ہونے لگتا۔ مقرر وجود اپنے حق میں کوئی شے نقص قبول نہیں کرتی اور سوال ہوتا ہے کہ کیوں اس شے نے جس کا وجود خانہ زاد ہے۔ نہ ملنے پر اپنے وجود کے ساتھ ہی کوئی نقص لاحق کر لیا آیا اپنی مرضی سے یا کسی تاسر کی قسم سے۔ پہلا امر تو میری مائل ہے اب دوسری بات روحانی کہ کسی اور ذات نے جو اس سے بڑھ کر قہری اپنے ارادہ سے اس میں یہ نقص لاحق کر دیا۔ اور خاص خاص محدود صفات و عوارض کے ساتھ محدود و مقید کر دیا۔ وہ وہی ایک ذات واجب ہے جو آپ محدود قیود سے باہر اور ہر ایک شے اس کی تفریق قیود سے بند ہوئی اور محدود سے مقید ہے۔

دنیا کو دیکھو۔ دنیا کی ہر ایک چیز پر نظر ڈالو۔ سب محدود ہیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی کامل اور غیر محدود ذات نے ان کو بنایا۔ کوئی شے محدود یا کوئی ناقص آپ سے آپ ہونے نہیں سکتی۔ آپ سے آپ ہونے والی چیزیں وہ ہیں جنہیں نقصان یا محدودیت کہاں سے لاحق ہوئی۔ خود بخود ہونے والی چیزیں ہر ایک مستقل اور واجب ہے۔ کتب گہا کر سکتی ہے کیا اپنے وجود کے ساتھ کسی شے یا عیب کو لاحق کرے۔ واجب نے کیا اپنے وجود کے مقرر ہی کسی عیب کو عارض کر دیا کوئی حکمت جس کا استدلال کسی عقل پر ہو۔ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کسی چیز کو نہ۔ سب کو چاہئے کہ وہ یقین کر لیں کہ ہر ایک ایک شے کی

پہچان کر کہیں کوئی اور نفس معلوم نہیں ہوتا تو اس کا محدود مکانات میں محاط ہونا  
 تو میرے نفس اس میں موجود ہے۔ اگر وہ تھے آپ سے آپ ہے اور اس کا وجود و قیود  
 ہے تو یہ محدود مکان میں آنا اور خاص حدود و قیود سے قید ہونا اسکو کہاں لایا حق  
 ہوا؟ وہ آپ سے آپ اور واجب ہو کر کیوں اپنی ذات کے ساتھ محدود اور قید  
 ہونا گوارا کر سکتی۔ کیوں نہ ذات و صفات میں غیر محدود ہوئی؟

یہی اصل ہے جس پر علم الہی کی بنیاد قائم ہے اور جس سے خدا تعالیٰ کا وجود  
 یقینی اور قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے۔ دنیا کی ہر ایک شے کو ناقص اور محدود  
 دیکھ کر دانشمند آدمی کا یقین حق الیقین کے مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے کہ ضرور ان  
 محدود الوجود اور ناقص فی الذات اشیا کا کوئی خالق اور ہے جو ان اشیا کا  
 موجودات سے در اور اور فوق العوق اور صاحب عرش عظیم منبر دست  
 اور غیر محدود قوتوں اور طاقتوں والا ہے جس نے اپنی محنت اور قدرت سے یہ  
 عالم بنایا اور اپنی دانائی سے ہر ایک چیز کو خاص خاص صفات و لوازم و حدود و قیود  
 سے مقید کیا۔ محدود اسرار کے لائحہ سے اس تجربہ کی ضرورت ثابت ہے جس کی  
 ذات سے بالاتر اور نرالی بے عیب اور قدوس ہے۔ ناقص و عیب کو وہاں راہ نہیں  
 وہ الٰہی القوم ذات ہے جس کے سہارے سے ذرہ ذرہ کا وجود بقا ہے اور ضرور  
 وہ ایک ہے کیونکہ ایک سے زیادہ وجود غیر محدود ہونے ممکن نہیں۔ ذات اور  
 صفات میں غیر محدود ہستی ایک ہی ہو سکتی ہے اور ضرور ایک ہی ہے جس میں دو  
 اور تثلیث کو راہ نہیں۔

علم الٰہی کی صحیح اور صاف اصل بیان ہو چکی ہر ایک مذہب کو اس اصل کے ساتھ  
 پیش کر کے اس کی صداقت اور عدم صداقت کا امتحان کر لو۔ آریہ لوگ مادہ و  
 ارجح کو قریم اور واجب بالذات مانتے ہیں۔ اور ایسا ہی خدا کو۔ پس ان کے  
 مذہب کے روئے تین واجب ہوئے۔ مادہ۔ روح اور خدا۔ حالانکہ فقہ و قدما اور  
 حکماء سے زیادہ ذات واجب کا ہونا محالات سے ہے کیونکہ واجب وہ ذات  
 ہے جو کمال کے اس درجہ تک پہنچی ہوئی ہو۔ جس سے بڑھ کر تجرید کرنا  
 ممکن ہی نہیں۔ یعنی کہ وہ ذات اور صفات میں غیر محدود ہو۔ پس  
 مادہ و روح جو محدود وجود رکھتے ہیں اور خاص قیود سے مقید  
 اور نقصان کے داغ سے تو بیکس واجب بالذات اور قدیم

اس کا کمال ہے کہ جو خدا خود بخود ہوا سے کمال کے اس درجہ پر ہونا چاہے (تقیہ حلیہ) اور نہ کسی

ہر کے ہیں۔ واجب ذات تو وہی ہو سکتی ہے جو غیر محدود کمالات  
 ہو اور مادہ وارواح بالکل محدود وجود اور محدود صفات رکھتی  
 مادہ اور روح کو ناقص اور محدود مان کر واجب بالذات ماننے میں ایک  
 لازم آتا ہے اگر خدا رکھیں۔ واجب اور قدیم قرار دینے کے باوجود ناقص  
 اور محدود صفات مان لیا جائے تو کوئی عقلی دلیل اُس کو روک نہیں  
 کیونکہ تینوں ہر رنگ واجبوں میں سے جب ایک میں نقص اور عیوب پا

جس سے بڑھ کر کیا بتوینہ کرنا ممکن ہی نہیں۔ کیونکہ اگر ایک شے خود بخود ہو اور  
 اس درجہ تک نہ رہے جس سے بڑھ کر تجویز کرنا ممکن ہی نہیں۔ یعنی کمالیت میں محدود  
 تو سوال ہو گا یہ شے اپنا ذاتی استقلال و خود رکھتے ہوئے کمالات میں کیوں  
 حد تک جا پھیری۔ اُس میں غیر محدود کمالات کیوں نہ پائے گئے۔ آیا اسکی اپنی  
 سے یا غیر کی مرضی سے؟ اپنی مرضی سے تو یہ خلاف عقل ہے۔ کوئی شے موجود  
 ذاتی اپنے حق میں نقص نہیں قبول کر سکتی اور اگر دوسرے کی مرضی سے تو یہ  
 بخود اور واجب نہ رہی بلکہ دوسرے کی۔ یعنی کی تابع ہوئی جو اُس سے بڑھ  
 ثابت ہوا۔ ایسا ہی جو شے بزرگ کے اُس درجہ پہ ہو۔ جس سے بڑھ کر تجویز  
 کرنا نہیں ممکن کہ وہ بخود نہ بنا ہی ضروری ہے۔ کیونکہ اگر ایک شے اُس  
 اس درجہ تک ہو جس سے بڑھ کر تجویز کرنا ممکن ہی نہیں اور اُس سے خود بخود  
 جائے بلکہ دوسرے یا خالق اور ذات و صفات میں غیر کا دست نگرانا  
 تو وہ پھر کمال کے اُس درجہ تک نہ رہی۔ جس سے بڑھ کر تجویز کرنا ممکن  
 نہیں بلکہ اُس سے کمال ہیں وہ شے بڑھ گئی ہے۔ جو اُس کی خالق اور م  
 الیہ ہے۔ اس اصول سے ظاہر ہے کہ مادہ اور ارواح جو ذات و صفات  
 محدود ہیں۔ کبھی خود بخود واجب اور قدیم نہیں ہو سکتی اور ایسا ہی ا  
 مادہ وارواح قدیم اور واجب بالذات ہوتے تو کبھی ذات و صفات  
 محدود اور دوسرے کی دست نگر اور اُس کے ماتحت نہ ہوتے۔ دو  
 ہمسروں اور واجبوں میں ایک کو دوسرے پر غالب ماننا ترجیح پا

بنیاد پر اگر نہیں کوئی اور نقص معام نہیں ہوتا تو اس کا محدود مکانات میں محاط ہوتا  
 ہے تو یہی نقص اس میں موجود ہے۔ اگر وہ ہے آپ سے آپ ہے اور اس کا وجود  
 ہے تو یہ محدود مکان میں آنا اور خاص نہ دو قیود سے قید ہونا اسکو کہ جس لائق  
 ہوا؟ وہ آپ سے آپ اور واجب ہو کر کیوں اپنی ذات کے ساتھ محدود اور قید  
 ہونا اگر اسکی۔ کیوں نہ ذات و صفات میں غیر محدود ہوئی؟

یہی اصل ہے جس پر علم الہی کی بنیاد قائم ہے اور جس سے خدا تعالیٰ کا وجود  
 یقینی اور قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے۔ دنیا کی ہر ایک شے کو ناقص اور محدود  
 دیکھ کر دانشمند آدمی کا یقین حق الیقین کے مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے کہ ضرور ان  
 محدود الوجود اور ناقص فی الذات اشیا کا کوئی خالق اور ہے جو ان اشیا  
 موجودات سے دراز اور فوق الفوق اور صاحب عرش عظیم مذہب دست  
 اور غیر محدود قوتوں اور طاقتوں والا ہے جس نے اپنی صحت اور قدرت سے یہ  
 عالم بنایا اور اپنی دانائی سے ہر ایک چیز کو خاص خاص صفات و لوازم و حدود و قیود  
 سے مقید کیا۔ محدود اشیا کے ملاحظہ سے اس تجدد کی ضرورت ثابت ہے جس کی  
 ذات سے بالاتر اور نہالی بے عیب اور قدوس ہے۔ نقص و عیب کو وہاں راہ نہیں  
 وہ الٰہی القوم ذات ہے جس کے سہارے سے ذرہ ذرہ کا وجود بقا ہے اور ضرور  
 وہ ایک ہے کیونکہ ایک سے زیادہ وجود غیر محدود ہونے ممکن نہیں۔ ذات اور  
 صفات میں غیر محدود سہتی ایک ہی ہو سکتی ہے اور ضرور ایک ہی ہے جیسے وہی  
 اندیشیت گواہ نہیں۔

طریقہ کی صیح اور صفات اہل بیان ہو چکی ہر ایک مذہب کو اس اصل کے ساتھ  
 پیش کر کے اس کی صداقت اور عدم صداقت کا امتحان کر لو۔ آریہ لوگ مادہ و  
 ارجح کو قدیم اور واجب بالذات مانتے ہیں۔ اور ایسا ہی خدا کو۔ پس ان کے  
 مذہب کے روئے تین واجب ہوئے مادہ۔ روح اور خدا۔ حالانکہ فقر و قنہ اور  
 کم سے زیادہ ذات واجب کا ہونا محالات سے ہے کیونکہ واجب وہ ذات  
 ہے جو کمال کے اس درجہ تک پہنچی ہوئی ہو۔ جس سے بڑھ کر تجویز کرنا  
 ممکن ہی نہیں۔ یعنی کہ وہ ذات اور صفات میں غیر محدود ہو۔ پس  
 مادہ و روح جو محدود وجود رکھتے ہیں اور خاص قیود سے مقید  
 اور نقصان کے داغ سے تو بزد کس واجب بالذات اور قدیم

سابقہ کتاب کا ہے کہ جو خدا خود بخود ہے اس درجہ پر ہوتا چاہے کہ قبیلہ عارفانہ کی

ہر سکتے ہیں۔ واجب ذات تو بھی ہو سکتی ہے جو غیر محدود کمالات رکھتی ہو اور مادہ و ارواح بالکل محدود وجود اور محدود صفات رکھتی ہیں۔  
 مادہ اور روح کو ناقص اور محدود مان کر واجب بالذات مانتے ہیں ایک محض ذات لازم آتا ہے اگر خدا کریم واجب اور قدیم قرار دینے کے باوجود ناقص بالذات اور محدود فی الصفات مان لیا جائے تو کوئی عقلی دلیل اُس کو روک نہیں سکتی کیونکہ تینوں ہمزک واجبوں میں سے جب ایک میں نقص اور عیب پائے گئے

جس سے بڑھ کر کمال یا تیز کرنا ممکن ہی نہیں۔ کیونکہ اگر ایک شے خود بخود ہو اور کمال کے اس درجہ تک نہ پہنچے جس سے بڑھ کر تجویز کرنا ممکن ہی نہیں۔ یعنی کمالیت میں محدود ہو۔ تو سوال ہو گا یہ تھے ایسا ذاتی اور مستقل وجود رکھتے ہوئے کمالات میں کیوں ایک حد تک جا بٹھری۔ اُس میں غیر محدود کمالات کیوں نہ پائے گئے۔ آیا اسکی اپنی ہی صفی سے یا غیر کی مرضی سے اگر اپنے رزق سے تو یہ غلاف عقل ہے۔ کوئی لمحہ موجود وجود ذاتی اپنے حق میں انفس نہیں قہس کر سکتی اور اگر دوسرے کی مرضی سے تو یہ لمحہ خود بخود اور واجب نہ رہی بلکہ دوسرے کی مرضی کی تابع ہو جی جو اُس سے بڑھ کر ذات پر اور ایسا ہی جتنے ذرات کے اُس درجہ پر ہو۔ جس سے بڑھ کر تجویز کرنا ممکن ہی نہیں اُس کو نہ خود بخود نہ اپنی مرضی سے۔ کیونکہ اگر ایک شے کمال کے اُس درجہ تک ہو جس سے بڑھ کر تجویز کرنا ممکن ہی نہیں اور اُسے خود بخود مانا جائے بلکہ دوسرے مانع ہو تو ذات و صفات میں پھر کا دست نگرانا جائے تو وہ پھر کمال کے اُس درجہ تک نہ رہی جس سے بڑھ کر تجویز کرنا ممکن ہی نہیں بلکہ اُس سے کمال میں وہ شے بڑھ گئی ہے۔ جو اُس کی خالق اور محتاج الیہ ہے۔ اس اصول سے ظاہر ہے کہ مادہ اور ارواح جو ذات و صفات ہیں محدود ہیں۔ کبھی خود بخود واجب اور قدیم نہیں ہو سکتی اور ایسا ہی اگر مادہ و ارواح قدیم اور واجب بالذات ہوتے تو کبھی ذات و صفات میں محدود اور دوسرے کی دست نگر اور اُس کے ماتحت نہ ہوتے۔ دو باتیں ہمسروں اور واجبوں میں ایک کو دوسرے پر غالب ماننا ترجیح یا مرجح

تو دوسرے بھی اگر پائے جائیں تو اُس کے مدد کئے کیلئے کوئی دلیل ہے غرض کہ  
 دین کے قدیم اور واجب ماننے۔ خدا تعالیٰ کی اکیلیت بلکہ الوہیت پر کوئی دلیل  
 نہیں رہتی۔ جب ایسے بہت سے وجود جو محدود اور ناقص ہیں خود بخود ماننے  
 کے تو کچھ ضرور نہیں ہے کہ خداوند تعالیٰ بھی خود بخود ہو کر ضرور کامل ہو۔ اسکو  
 بھی ناقص اور محدود مان لیا جائے تو منطقی دلیل کوئی روک نہیں سکتی۔ اور  
 یکہ اگر روح و اجسام کا دائمی تعلق اور انتظام کائنات کا سلسلہ بھی خود بخود چلتا ہوا  
 مان لیں جیسا کہ بظاہر نظر آتا ہے اور خدا کو سرے سے تسلیم نہ کریں تو بھی کوئی دلیل اس  
 سے مانے نہیں ہو سکتی۔

ایسا ہی عیسائیوں کے عقیدہ کی بنا پر خدا کا ماننا ضروری نہیں معلوم ہوتا۔  
 کیونکہ ان لوگوں نے جب حضرت عیسیٰ کو جبکہ محدود وجود انظر من الشمس ہے  
 اور اُس میں انسانیت کے نقص و عیوب و احتیاجات کھانا پینا سنا۔ فنا ہونا  
 وغیرہ بھی ثابت ہیں۔ خود بخود اور واجب بالذات خدا مان لیا۔ تو خدا کے ماننے کیلئے  
 کیا دلیل رہی اور اس کے ماننے کی کیا ضرورت رہی۔ ناقص شے سے کامل شے کی  
 طرف سے جانا۔ محدود چیز سے غیر محدود وجود کا سراغ لگانا ہی تو وجود الہی پر  
 استدلال کی اصل تھی۔ ناقص اور محدود ہستی جب واجب اور خود بخود ظہور گئی  
 تو خدا کے ناقص اور محدود ماننے سے کوئی دلیل روک سکتی ہے اور خدا کی ہستی  
 کا کیا ثبوت؟ اہل ارجاء و اجسام جیسے اور مخلوقات جب ذات و صفات  
 میں محدود اور حدوث کے رنگ سے رنگین مانے جائیں تو اُس سے ایک محدود  
 اور محدث کی ضرورت پڑی۔ جو آپ ذات میں کامل ترین اور غیر محدود اور لامتناہی  
 کے نام سے موسوم ہے اور جس نے تمام ارواح کو خاص خاص عوارض و صفات  
 لاحق کئے اور اُن کو اپنی مرضی کے تابع جمال کا شیفہ اور اپنی طرف میلان کرنے  
 والا بنا دیا +

# سیرت النبی

## تاریخ نبوی

سیرت کا یہاں کی مقدس زندگی کے حالات مفصل تاریخ میں لکھے گئے ہیں اور دو میں ملی  
 اور جب کہ تاریخ رسول معلوم کے حالات باہر تاتیں یہ بھی نہیں لکھی۔ گو عربی اور فارسی میں  
 سینکڑوں ہیں۔ اس کتاب میں جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی مفصل سوانح عمری  
 ایسے ڈھنگ پر لکھی گئی ہے کہ دنیا میں اسکی نظیر ہرگز نہیں پائی جاتی جس قدر احقر حضرات  
 اس حضرت مکی زندگی پر عیسائی وغیرہ کرتے ہیں۔ ان سب کا وزن تنکن جو بدایا گیا ہے  
 اور ساری تاریخ ایسی طرز پر لکھی گئی ہے کہ سب اعتراض خود بخود رد ہو گئے ہیں۔ پھر  
 سب سے خوبی اس کتاب میں ہے کہ قدم قدم آں حضرت معلوم کے مقابل میں علماء و  
 علماء نے اور یورپین کو تو نئی شہادتیں بھی لکھی ہیں کہ یہ با۔ اری پادری جس قدر بہتان  
 حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر لگاتے ہیں وہ بکواس سے بڑھ کر نہیں۔ غرضیکہ جس  
 مسلمان کو اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت ہے اس کتاب کو منگا کر  
 زیر چشم یا لازم ہے محم قریباً۔ ہ منو جس قدر اسکی تیاری اردو تالیف میں کی گئی ہے  
 اس کے مقابل میں اسکی قیمت . . . . .

چیم بخش مالک و مہتمم رسالہ انوار الاسلام شہر لکھنؤ





